سلطان باہوؒ کا کلام

ترجمہ اور اس کی تشریح

کلام کا ترجمہ:
آمنہ حامد زبیدی

تشریح:
محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ

۴۰۰۔بی لطیف آباد نمبر ۴ حیدر آباد۔سندھ

محمد موسیٰ بھٹو

درویشوں کی صحبت اور اس کی اہمیت

شاہ عبدالطیف بھٹائی کی نظر میں

زیر نظر کتاب کے آغاز میں بزرگوں کی صحبت کے موضوع پر شاہ بھٹائیؒ کے کلام کی کچھ تشریح پر مشتمل ایک مضمون بھی شامل کر رہے ہیں۔ چونکہ سلطان باہو کے کلام میں سب سے زور صحبت اہل اللہ پر ہی دیا گیا ہے، اس لئے اس موضوع پر سندھ کے مشہور قادر الکلام صوفی شاعر شاہ عبدالطیف بھٹائیؒ کا نقطہ نگاہ بھی سامنے آنا افادیت سے خالی نہ ہو گا۔

سُر رام کلی میں شاہ صاحب نے درویشوں کی صحبت کی اہمیت، ان کی صحبت کے بغیر زندگی کے بے معنی ہونے، درویشوں کی خصوصیات وصفات اور راہ سلوک میں چلنے کے سلسلہ میں صحبت کے کردار اور صحبت کی کمی کی وجہ سے طالب کے غیر معمولی اضطراب جیسے موضوعات پر اہم نکات بیان کئے ہیں۔ یہ سارے نکات ایسے ہیں، جو عام طور پر اس دور میں نظر انداز ہوئے ہیں، جس کی سزا ہے کہ معاشرہ کی کوئی کل درست نہیں، فساد ہے جو مسلسل بڑھتا ہی جا رہا ہے، اضطراب کے انگارے ہیں، جن پر افراد معاشرہ لیٹ رہے ہیں۔

ان اشعار میں جن درویشوں کے گن گائے گئے ہیں، اور ان کی صحبت کو اپنی زندگی کا حاصل قرار دیا گیا ہے، وہ ایسے درویش ہیں، جن پر محبوب حقیقی کی محبت ورضا کا رنگ غالب تھا، دوسرے سارے رنگ مٹ چکے تھے اور جو فناء الفنا کے مقام کے حامل تھے یعنی جو فنائیت کے مقامات طے کر کے، حالت بقا میں آنے کی بجائے مزید فنائیت میں ڈوبتے رہنے کی راہ پر گامزن تھے۔

اس طرح کے درویشوں کے بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انکی بظاہر خستہ اور زبوں حالی دیکھنے اور پیٹ کی آگ کو بجھانے کا سامان تک نہ ہونے کے باوجود وہ باطنی طور پر غیر معمولی حسن کے مالک تھے۔ ایسا حسن، جس کے مقابلہ میں دنیا کا سارا حسن ہیچ تھا۔ ان کے اس باطنی حسن نے ہی مجھے ان پر فریفتہ کیا، اس دور میں اس طرح کے درویش تلاش بسار کے بعد ہی مل سکتے ہیں۔ ہم جیسے درویشی کے دعویدار افراد شاہ صاحب کے ان اشعار کے مصداق

نہیں بنتے، اس لئے کہ ایک تو ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں کا فقدان ہے۔دوم یہ کہ درویشی کے باوجود دل، دنیا میں اٹکی ہوئی ہے۔

ان اشعار کی تشریح اس لئے کی جارہی ہے کہ سننے والوں اور پڑھنے والوں کو اگر کہیں اس طرح کے درویش نظر آئیں تو ہمیں بھی ان کا پتہ دیں، تاکہ ان کی بہت زیادہ صحبت نہ سہی، کم از کم ان کی زیارت کی سعادت تو حاصل ہو۔

ان اشعار سے ایک سبق جو ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس طرح کے درویشوں جیسا بننا تو ممکن نہیں ہے، لیکن ان کی صحبت سے محبوب سے والہانہ محبت کے قابل ذکر اجزاء کا حصول ضروری ہے، اس لئے کہ محبوب سے والہانہ محبت کے اجزاء کے بغیر سعادت دارین کا حاصل ہونا دشوار تر ہے، نیز اس کے بغیر تزکیہ، حسن اخلاق کا حامل ہونا اور انسانی جوہروں سے بہرہ ور ہونا ہی مشکل ہے۔

یہاں سر رام کلی کا ابتدائی حصہ دیا جارہا ہے، سارے سُر کی تشریح کے لئے سو سے زیادہ صفحات درکار ہیں، یہ مختصر مقالہ اس کا متحمل نہیں۔

(۱)

جوڳِيئَڙا جَهَانَ ۾ نُورِي ۽ نارِي
ٻَرِي جَنِ ٻارِي، آءٌ نہ جِيَنَدِي اُنِ ري

درویش اس دنیا میں نوری بھی ہیں تو ناری بھی یعنی وہ اللہ کے ذکر کا وافر ذخیرہ رکھتے ہیں اور یہ نور اپنے متوسلین میں منتقل کرتے رہتے ہیں، ساتھ ساتھ وہ سراپا آگ بھی ہیں یعنی اپنے ساتھ آتش عشق رکھتے ہیں، جو ان سے وابستہ ہوتا ہے، انہیں آتش عشق میں جلاتے رہنے کا ذریعہ بنتے ہیں، جنہوں نے اپنے وجود کو آتش عشق سے سرشار کیا اور دوسروں کو عشق میں جلانے کا موجب ہیں، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، یعنی میری حالت یہ ہے کہ مجھے اگر ان کی صحبت حاصل نہ ہو تو میں موت کے سے حالات سے دوچار ہوتا ہوں اور میرا دل زیروزبر ہونے لگتا ہے۔

(۲)

جوڳِيئَڙا جَهَانَ ۾ هُئا مَنجهِ حِمَامَ
آرمَا اَرَڳ ٿِئا، اوڏا نہ آرام
ڪِئائُون قِيَامَ، آءٌ نہ جِيَنَدِي اُنِ ري

درویش دنیا میں حمام کے مثل ہیں، جو اپنی گرمائش سے جسم کے سارے گندگی کی صفائی کا ذریعہ بنتا ہے، ان درویشوں کی حالت یہ ہے کہ وہ آرام کے قریب بھی نہیں پھٹکتے، محبوب کی آتش عشق انہیں ہر وقت حالت اضطراب میں رکھکر، محبوب کے لئے مجاہدے کرنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔ محبوب سے میلاپ کے اضطراب نے انہیں مادی آسائشوں سے بے نیاز کر دیا ہے، وہ اپنی اس حالت پر قائم اور مستحکم ہیں، ساری دنیا مل کر بھی انہیں عشق کی بے خودی والی حالت سے نکال کر دنیا کی طرف راغب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اس لئے کہ مجھے ان کی صحبت سے زندگی کی حقیقی حلاوت حاصل ہوئی ہے۔

(۳)

جُسي سَندو جوڳِين مون نہ گهُرجي، ماهُ
سامِي منهنجو ساهُ، آءٌ نہ جِيَنَدِي اُنِ ري

مجھے ان درویشوں کے ظاہری جسم اور لباس وغیرہ سے کوئی بحث نہیں ہے، مجھے ان کا ظاہر مطلوب نہیں ہے، مجھے تو ان کی روحانیت اور محبوب حقیقی کے ساتھ ان کے والہانہ عشق نے ان پر فریفتہ کیا ہے، محبوب حقیقی سے عشق کے یہ اجزاء مجھے ان کی صحبتِ مسلسل ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں، اس لئے میرا دل ان سے وابستہ ہو چکا ہے، میں اپنا دل ان کے حوالے کر چکا ہوں، میری حالت یہ ہے کہ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اس لئے کہ میری ساری روحانی ترقی، تشفی و تسکین اور قلبی سکون ان کی زیر صحبت محبوب کی راہ پر چلنے سے ہی وابستہ ہے۔

(۴)

سَتُرُ سِڳَڙِيَن سِين لَحظي لاثائون
ڪِينَرَ ڪُنِي آهِيان اُنِي جِي آئُون

درویشوں کی صحبت اور ان کے سوز و ساز پیدا کرنے والے آلات میں وہ توانائی اور حسن موجود ہے کہ اس نے تو میرے باطنی حجابات دور کر دیئے، اور مجھ پر محبوب حقیقی کی نئی دنیا منکشف کر دی ہے، میں ان کے سوز و ساز سے سرشار کیفیات کا مارا ہوا ہوں، اب میری حالت یہ ہے کہ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، واضح ہو کہ طالب، شیخ کی صحبت میں محبوب حقیقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، اسے مسلسل شیخ کی صحبت کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ وہ صحبت کے معمولی وقفہ کا بھی متحمل نہیں ہوتا، اس لئے کہ صحبت کے فقدان سے محبوب کے لئے ذکر

وفکر کے ذوق وشوق میں کمی واقع ہونے لگتی ہے اور اس پر نفسی قوتیں غالب ہو کر اس کے روح کی ہلاکت کا موجب بنتی ہیں۔ اس لئے مبتدی و متوسط طالب شیخ پر فدا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، شیخ کی صحبت اور اس سے رابطہ کے بغیر اس کی مثال اس مچھلی کی سی ہو جاتی ہے، جو پانی سے باہر آجاتی ہے، جو تڑپ تڑپ کر جان دیدیتی ہے۔

(۵)

ڳولِيان ۽ ڳنڍيانِ، وِئا ويراڳِي نِڪَري
صُحَبتَ جا سَنديان، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

یہ درویش مجھ سے جدا ہو گئے، میں ان کا متلاشی ہوں، تاکہ محبوب حقیقی کی خوشبو سے اپنے آپ کو معطر کر سکوں۔ مجھے ان کی جو صحبت حاصل ہوئی، اب وہ نہ رہی، اس لئے کہ وہ مجھے بتائے بغیر داغ مفارقت دے گئے، میں ان کے بغیر اداس ہوں، ان کے بغیر میری زندگی خوشی و حلاوت سے محروم ہے، میں ان کے بغیر زندہ سکتا۔

(۶)

وَتِنِ ويٺِي آهِيَان ڏِسئو ڪِينَ ڏسانِ
جَنهِ جِهوئِي ناهِ ڪِين، سا ڪا سونهَ سَندِيانِ
پَسِئو ڪِينَ پَسانِ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري،

میں اگرچہ ان کی محفل میں بیٹھا ہوں اور ان کی زیارت کر رہا ہوں، لیکن محبوب کے کثرت ذکر کے نور سے ان کا باطن اتنا روشن اور حسین ہے کہ ان کی زیارت ومشاہدہ سے سیر ہی نہیں ہوتا۔ محبوب کے انوار حسن سے وہ بے مثال حسن کے حامل ہیں، میں ان کو دیکھ رہا ہوں، ان کے حسن سے متمتع ہو رہا ہوں، لیکن میرا ظرف اتنا کم ہے کہ ان کے حسن سے پوری طرح متمتع ہونے کا اہل ہی نہیں، میں ایسے عاشقوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۷)

مَران، مَٿو پِٽِيان، نِهارِيان نيٽَانِ
سُخَنَ جي سَندانِ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

ان کے روحانی حسن نے مجھے اتنا فریفتہ کر دیا ہے کہ اندر میں ہلچل برپا ہے۔ میں موت کی سی حالت سے دوچار ہوں، سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔ اس لئے کہ ان کی صحبت سے کسی طرح سیر ہی نہیں ہوتی۔ دل وروح کی تشنگی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی، محبوب کے لئے زندہ

ہونے اور مرنے کی ان کی باتیں یاد کر کے میں روتا رہتا ہوں، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ واضح ہو کہ راہ سلوک میں سچا طالب عرصہ تک اپنے ظرف کی کمی اور شیخ سے پوری طرح استفادہ نہ ہونے کے غم میں گھلتا رہتا ہے، یہ بات بجائے خود اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ وہ راہ سلوک میں چل رہا ہے اور اس کے جذبات محبت فروغ پزیر ہیں۔

(۸)

وَاجِتَ ويراڳِينِ جا، مون کي وَڏِي وَتُ
سونُ سَيِوئِي سَڳِيُون، پَسِي ڪِينَ مَ ڳَتُ
وبساهي ويلَ ڳَنهِين پُورَبِ وِينڊُءِ پَتُ
هَلُ ڪَنِيائُون هَتُ، آءٌ نہ جِيَندي اُنِ ري

ان کے سوز وساز کے آلات، کیفیات اور محبوب حقیقی کے لئے جذباتِ محبت کو گرمانے والی آوازیں میرے لئے سرمایہ حیات ہیں، ان کی کھٹ کھٹ کرنے والی تسبیح حقیقت میں سونا ہیں۔ اس سے دل محبوب کے لئے مچلنے لگتا ہے، ان کی ظاہری مفلسانہ حالت دیکھکر، ان کے دل کے گہرائیوں میں موجود قیمتی سرمایہ کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا نہ ہو، وہ بہت دور کی منزل کے راہی ہیں اور محبوب ہی ان کی حقیقی منزل ہے۔ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ وہ زیادہ دنوں تک یہاں ہوں گے، سستی اور غفلت کا مظاہرہ نہ کرو، بلا تاخیر ان کی زیر صحبت محبوب کی راہ پر چل پڑو۔ میری حالت تو یہ ہے کہ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۹)

واجَتَ ويراڳِينِ جا، مون وَتِ وڏو مالُ
مَقالان مَهندِ ٿِئَا، ڪِينهِين وَتِنِ قالُ
حاصُلُ جَنِي حالُ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

میرے لئے ان کی سوز وساز کی آوازیں اور کھٹ کھٹ کی تسبیحات والے آلات بہت بڑا سرمایہ ہیں، جو میری زندگی میں معنویت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں، جو محبوب کے لئے میرے سوئے ہوئے جذبات محبت کو بیدار اور طاقتور کرنے کا موجب ہیں، یہ دوریش قیل وقال سے بلند ہیں، ان کے ہاں گفتگو نہیں ہوتی، وہ حال کے صاحب ہیں۔ یہ صاحبان حال، دل کو محبوب کی محبت سے سرشار کرتے ہیں۔ ان سے گفتگو کرنا اور گفتگو کے ذریعہ ان کا وقت ضایع کرنا، ان کے اجزائے فیض اور کیفیات حال سے محروم ہونے کے مترادف ہے۔ جو حال کے صاحب

ہیں، میں ان کی صحبت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میرا دل ان کے فیوض و برکات سے، اس طرح متمتع ہو چکا ہے کہ میرے لئے ان کے بغیر زندگی کا تصور ہی محال ہے۔

(۱۰)

سُتِي سيجَ هُياسِ، مون کي آهَ اُٿارِئو
جَنِي جاڳاياسِ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

میں سکھ اور آرام میں تھا، غفلت کی نیند طاری تھی، محبوب سے دور تھا، محبت سے ناآشنا، محبوب کے لئے ان کی درد سے بھرے ہوئی آواز نے مجھے خواب غفلت سے بیدار کیا، جنہوں نے مجھے بیدار کیا، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ واضح ہو کہ حقیقی طالب اہل اللہ کی صحبت کے بعد اپنی ماضی کی زندگی پر نظر دوڑاتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس نے پوری زندگی غفلت میں ضایع کر دی۔ اب پہلی بار اسے نئی زندگی نصیب ہوئی ہے، لیکن یہ نئی زندگی خوش نصیب افراد ہی کو حاصل ہوتی ہے، ورنہ عام طور پر علم و فن و مہارت کا غرور فرد و افراد کو فقیر منش اہل اللہ سے دور کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے، اس طرح وہ ساری زندگی بیش بہا روحانی دولت سے محرومی کی حالت میں گذارتے ہیں۔

(۱۳)

مِتُ نہ معذُورِينِ جا، جوڳِي جاتَ نہ نِينِ
اِنهِين ۾ آهِينِ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

درویشوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ راہ محبت میں نہ چلنے والے افراد کے پیچھے نہیں پڑتے، وہ انہیں ان کی حالت پر رہنے دیتے ہیں، وہ ایسے لوگوں سے قریبی تعلق قائم رکھنے کے روادار نہیں ہوتے، وہ مجھے بھی اپنے ساتھ نہیں لے جا رہے ہیں۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، واضح ہو کہ حقیقی درویش دوسروں کی فکر میں غلطاں نہیں ہوتے، وہ لوگوں کو مرید بنانے کے لئے نہ تو کوئی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں اس کی کوئی فکر لاحق ہوتی ہے۔ ہاں جو طالب، حقیقی طلب کا مظاہرہ کرتا ہے، اسے وہ اپنے فیوض سے ضرور بہرہ ور کرتے ہیں اور وہ اس بات کے فکر مند ہوتے ہیں کہ کاش کہ بندے اللہ محبوب کی محبت کی راہ پر گامزن ہو کر سعادت دارین سے بہرہ ور ہوں۔

(۱۴)

نانگا نانِي هَلئا، ويراڳِي وِئا
ڪِينَرَ ڪاپڙِيَنِ جا صُبُح تان نہ سُئا
هُوءِ جي هِتِ هُئا، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

یہ درویش محبوب سے وصال کی خاطر اپنے مرکز کی طرف روانہ ہوئے، اس لئے صبح کے وقت محبوب کے لئے ان کی درد، چیخ و پکار اور آہ و بکا کی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ جو رخصت ہوئے ہیں، ان کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ ان کی صحبت کے بغیر عشق و محبت کی راہ میں ارتقا کا عمل متاثر ہے اور دل محبوب کے لئے سرد مہری کا شکار ہے۔

(۱۵)

نانگا نانِي هَلئا، سامِي سَيِيئِي
وِهڪَ مون ويئِي، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

درویش، محبوب سے وصال کے لئے مجاہدوں کی خاطر اپنے مرکز کی طرف رواں دواں ہوئے، ان کے جانے کے بعد میں سراپا مضطرب ہوں اور دل، محبوب کے ذکر و مراقبہ کے لئے بھی آمادگی نہیں۔ بیٹھتا ہوں تو ذکر و فکر میں یکسوئی پیدا نہیں ہو پاتی، جب کہ ان کی صحبت کی وجہ سے دل پوری طرح محبوب کے انوار حسن سے متمتع تھا۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ واضح ہو کہ درویشوں کا دل محبوب کے جس انوار حسن سے متمتع ہو چکا ہے، ان کی چاہت ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اسی حالت میں رہیں۔ محبوب سے ان کے اس راز و نیاز کی حالت میں خلل واقع نہ ہونے پائے، اس لئے بالخصوص متوسط صوفی اپنا بیشتر وقت خلوت میں گذارنے پر مجبور ہوتا ہے۔

(۱۶)

نانگا نانِي هَلِئا، چيلا چيلَهہ بَڏَنِ
هَئي هَئي ٿا هَلَنِ، آءٌ نہ جِيَندي اُنِ ري

درویش، محبوب سے وصال کے لئے اپنے مرکز چلے گئے، ان کے سچے طالب بھی اس تیاری میں ہیں، تاکہ وہ یکسو ہو کر محبوب کے لئے مجاہدے کر سکیں، افسوس کہ ان کے طالب بھی اس راہ پر گامزن ہیں، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ واضح ہو کہ راہ سلوک میں متوسط صوفی کو ذکر و فکر کے مجاہدوں کے لئے طویل عرصہ تک یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے، اسی

یکسوئی سے نفس پر روح اور روحانی قوتیں غالب ہوتی ہیں، روح کو نفسانی قوتوں پر غالب کرنے کے لئے صوفی عرصہ تک گوشہ نشین ہوتا ہے۔ یا اپنا بیشتر وقت ذکر و فکر میں صرف کرتا ہے۔ ذکر و فکر کے لئے وہ ایسی جگہ تلاش کرتا ہے، جہاں محبوب کے ساتھ میلاپ کی راہ میں رکاوٹ اور خلل واقع نہ ہو۔

(۱۷)

نانگا نانِي هَلِئا، هَئي مُنهنجي حالِ
هُوءِ جي ڪهيا ڪالَ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

درویش سفر کے لئے روانہ ہوگئے، مجھے اپنی حالت پر افسوس ہے یا میری حالت قابل رحم ہے کہ میں ان کے ساتھ نہ جا سکا، وہ جو کل یہاں سے روانہ ہوئے ہیں، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ واضح ہو کہ راہ سلوک میں طالبوں کی بہت بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے، جو ذکر و فکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے لئے وقت نکالنے کی لئے تیار نہیں ہوتی اور وہ اہل اللہ کی زیادہ صحبت و قربت سے خوف زدہ ہوتی ہے، اس لئے کہ انہیں خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں اہل اللہ کی زیادہ قربت انہیں دنیا و اہل دنیا سے دور کر کے محبوب کی کشش و جذب کی طرف لے جانے کا ذریعہ نہ بنے۔ اس طرح کہیں وہ مادی دنیا کی آسائشوں و سہولتوں اور بھرپور مادی زندگی سے دستکش نہ ہو جائیں، اس خطرہ کی وجہ سے درویشوں سے عقیدت رکھنے کے باوجود ان سے قربت کا تعلق بہت کم افراد رکھنے پاتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ افراد معاشرہ مادیت کا شکار ہو کر فساد سے دوچار ہوتے ہیں۔

(۱۸)

نانگا نانِي هَلِئا، لوڪان ڳري لِڪَ
ويئِي مون وِهَڪَ، آءٌ نہ جِيَندي اُنِ ري

درویش، محبوب سے محبت کی خاطر لوگوں سے چھپ چھپا کر اپنے مرکز (خلوت گاہ) کی طرف چلے گئے، ان کی جدائی کے بعد میری حالت یہ ہے کہ اب مجھ سے یکسوئی کے ساتھ ذکر و فکر بھی نہیں ہوتا، ذکر میں ارتکاز بھی متاثر ہے، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ ان کی صحبت سے سکون و سکینت کی جو حالت تھی اور محبوب حقیقی کے انوار سے متمتع ہونے کی جو کیفیت تھی، وہ باقی نہ رہی، یہ مبتدی و متوسط طالب کی حالت ہوتی ہے، جس کی ساری روحانی ارتقاء درویشوں کی صحبت سے وابستہ ہوتی ہے۔

(۱۹)

جيڪِي مون کي نِي، نا تہ نانگا وانءُ مَ نِڳري
پَهَہ پَروڙِيَمِ پَتَ جا، ڪِينَرَ منجهان ڪي
هاڻي جي هَنيَئي، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

درویشو، التجا ہے کہ یا تو مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ، مجھے اپنی صحبتِ مسلسل کا موقعہ عطا کرو، یا پھر یہاں سے رخصت نہ ہو۔ حقیقی طالب جو اللہ والوں کی فیض صحبت سے بہرہ ور ہوتا ہے، اس کی آرزو یہی ہوتی ہے کہ وہ مسلسل ان کی معیت و خدمت میں رہے۔

مجھے ان کے آثار سے نظر آرہا ہے کہ ان پر اپنی منزل پر رسائی کا شوق دامنگیر ہے، وہ محبت اور سوز و ساز کے آلات کے ساتھ تیار ہیں۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۲۰)

جيڪي مون کي تاڻِ، پَڳهُ پائي پاڻَ سِين
هُو جي هنيَئي هاڻِ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

درویشو، یا تو مجھے اپنی کشش اور فیض نظر سے کھینچ کر ساتھ لے چلو، اگر میری ایسی حالت نہیں، یعنی میرے دل میں تمہارے اخذ فیض کی وہ صلاحیت موجود نہیں کہ تمہارے ساتھ ساری ساری رات محبوب کے لئے ذکر و فکر کر سکوں اور اس سلسلہ میں میری روح میں وہ بے تابی موجود نہیں تو پھر ایسا کرو کہ مجھے طلب و استعداد کی کمی کے باوجود جبراً اپنے ساتھ لے چلو، شاید اس طریقہ سے محبوب کی راہ پر چلنے کا میرا ملکہ مستحکم ہو۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ واضح ہو کہ درویشوں کی زندگی ایسی ہوتی ہے کہ عام طور پر طالب ان کے مجاہدوں کا ساتھ دینے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لئے درویش، افراد پر ان کی استعداد کے مطابق ہی بوجھ ڈالتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔

(۲۱)

جيڪي مون نِهو نا تہ جاتَ مَ وَڃو جوڳِيَا!
قُوتَ مُنهِنجو ڪاپڙي، سِگڙِيَنِ سِهو
قِرِي قُوڪَ ڏِهو آءٌ نہ جِينَدِي اُنِ ري

درویشو، مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ، میری روح اور میری توانائی محبوب کے لئے تمہاری آہوں اور ان آلات میں پوشیدہ ہے، جو محبوب کے لئے محبت کے ساز بجانے اور دل کو محبوب کے لئے جگانے کا ذریعہ ہیں، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۲۲)

سَڳا سيليُون تُنبِيُون ڏاڳا ڏوتائون
پاڻُ پنهنجو پرينءَ سِين پَرِ ۾ پوتائون
رَتو رُنائُون، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري،

ان کی درد بھری آوازیں اور سوز وساز کے آلات دل کو محبوب کے ذکر سے سرشار کر دیتی ہیں اور محبوب کے دردِ فراق سے خون کے آنسو بہانے کا ذریعہ بنتی ہیں، میں ایسے عاشقوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ واضح ہو کہ طالب، درویشوں کی صحبت سے جس حلاوت سے آشنا ہوتے ہیں، وہ حلاوت الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔

وہ نئی معنوی زندگی ہوتی ہے، جو دنیا بھر کی دولت خرچ کرنے سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔

(۲۳)

سُوڏو سِڳُڙِيَن سِين ڪِين جو ڳهيائُون
هُوءِ جي هَنيائُون، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

محبوب کے لئے ان کی درد بھری آوازیں ہی ہیں، جنہوں نے مجھے محبوب کے لئے بے ساختہ کر دیا ہے۔ ان کی ان اداؤں کی وجہ سے میں اب ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۲۴)

وَڃائي واتَ ٿِئا، جوڳِي جُڳاڻي
هُئا جي هاڻي، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

یہ درویش، محبوب کے لئے بے ساختہ درد بھری آوازوں کے ساتھ روانہ ہوئے، یہ درویش بلند مقام کے حامل تھے۔

محبوب ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا، وہ جو ابھی میرے یہاں تھے۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ زندہ رہنے اور زندگی کے مسائل سے مقابلہ کے لئے

حسن وتوانائی کے جس وافر ذخیرہ کی ضرورت ہے، وہ ان درویشوں کی صحبتِ مسلسل کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

(۲۵)

صُبُح سِڳُڙِيُون ڪَٽِي وِئا وَڃائي وِيرَ
ڏورِيان ڏورِيان نہ لَهان تِن بيراڳين بَهِيرِ
آسَڻَ جَنِ عَنبِيرَ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

یہ درویش، صبح سویرے محبوب کی درد بھری آہوں اور دل کے سازوں کو بجانے کی آوازوں کے ساتھ روانہ ہوئے، میں نے صبح بیدار ہوتے ہی ان کو تلاش کیا تو وہ نظر نہیں آئے۔ تلاش بسیار کے باوجود وہ مجھے نہ مل سکے، وہ ایسے خوشبو اور ایسے حسن کے صاحب تھے کہ ان کا آستانہ، حسن وخوشبوء کی اس مہلک سے معطر تھا۔ روحانی حسن کے حامل ان درویشوں کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا، ان کے بغیر میری روح مضطرب ہے۔

یہی درویش میری روح کی پرواز کی بلندی کا ذریعہ تھے اور محبوب کے حسن تک رسائی کا موجب تھے، ان کے بغیر میرا دل اداس ہے۔

(۲۶)

ميڙِئون پاڻُ پَريون ڪِئو جوڳِي جَلائِينِ
سامِي سِڳُڙِيَنَ سين خُودِيءَ کي کانئِينِ
هُوءِ جي تارَ نہ تَڳائِينِ، آءٌ نہ جِيندِي اُنِ ري

ان درویشوں کی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے حب جاہ وحب مال، حرص وہوس اور انسانیت کے منافی سارے جذبات وکدورتوں اور اس سارے گند کو جمع کر کے، انہیں آگ لگا دی تھی، وہ اپنی انانیت اور خود پرستی سے دستبردار ہو گئے تھے، اپنے آپ کو پوری طرح مٹا دیا تھا، وہ جو دوسروں کی فکر سے آزاد تھے اور اپنی فکر میں غلطان تھے، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اپنی فکر میں غلطاں ہونے کا مطلب محبوب حقیقی کے ساتھ تعلق کے ملکہ کو مستحکم کرنا ہے۔

(۲۷)

پَسِئو آسَڻَ اُنِ جا اَچي نہ آرامُ
ڪينَرَ ڪُنِي آهِيان تَنِي جي تَمامُ
مون کي ٿِئو ماتامُ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

میری حالت یہ ہے کہ ان کے خالی آستان دیکھکر، انہیں یاد کرکے روتا رہتا ہوں، رونا بند ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے، (اس لئے کہ میری روح کی بالیدگی کا ذریعہ بننے والے موجود نہیں رہے) ان کے خالی آستان میرے لئے غم زدگی، بے قراری اور شدید اضطراب کا باعث ہیں، بلکہ ان کے فراق سے مجھ پر ماتم کی حالت طاری ہے۔ وہ درویش جو ہر وقت محبوب کے لئے چیخ پکار، آہ وازاری اور آنسو بہاتے رہتے تھے، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، ان کے بغیر میری زندگی بے معنیٰ ہے۔ درویشوں کے لئے اس اضطراب کے فہم کے لئے یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ فرد صحبت کے ماحول ہی سے بنتا اور بگڑتا ہے، علمی ماحول سے علمی مزاج کا حامل فرد تیار ہوتا ہے، فنی نوعیت کی صلاحیتوں کے حامل افراد اور ان کی صحبت کے ماحول سے فنی صلاحیتوں کا حامل فرد ہی تیار ہوتا ہے، مادہ پرست انسانوں کی صحبت سے مادہ پرست انسان ہی تیار ہوتا ہے، اسی طرح درویشوں کی صحبت مسلسل سے پاکیزہ روحانی صلاحیتوں کا حامل انسان تیار ہوتا ہے، اس سلسلہ میں صوفی شاعر کا اضطراب بنیادی اور اہم حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ صحبت اہل اللہ کے بغیر ان جیسا بننا ممکن نہیں۔

(۲۸)

پَسِئو آسَطَ اُنِ جا اوچَنگارُون اَچَنِ
آيَلِ آديسِين جا مون کي ماڳَ مَهِنِ
پاٽان وِڏيَسِ پَتَ تي لاهي لاهُوتِينِ
جي راڙِي مَنجهَه رَهَنِ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

ان کے خالی آستان دیکھکر، ان کی جدائی کے غم میں مجھ پر روتے رہنے کی حالت غالب ہے، آنکھوں سے آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے، غم زدگی کی نہ ختم ہونے والی کیفیت طاری ہے، ان کی جدائی مجھے زمین پر گرانے یعنی میری روحانی کیفیات کی سلبی کا موجب ہے، ان درویشوں کے بغیر میری زندگی بے معنیٰ ہے۔ درویشوں کے فراق کی وجہ سے طالب کے حالات کی جو عکاسی کی گئی ہے، وہ بالکل صحیح ہے، حال سے ناآشنا اور قیل و قال اور استدلال کے حامل افراد طالب کی ان کیفیات کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

(۲۹)

پَسِئو آسَطَ اُنِ جا اَندوها اَچَنِ
کِينَرَ ڳاڀڙِين جا صُبُح تان نہ سُجَنِ
وَڏي ڀاڳِ ڀِرَنِ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

ان کے خالی آستان دیکھکر آنکھوں پر تاریکی چھارہی ہے، دل کی آنکھوں کی بینائی بُری طرح متاثر ہے۔ محبوب کے لئے درد بھری آہیں سنائی نہیں دیتی۔ یہ میری خوش نصیبی ہوگی کہ وہ درویش پھر مجھے اپنی صحبت کا موقعہ عطا کریں، اس لئے کہ ان کے بغیر میری زندگی حقیقی حسن سے بے بہرہ ہے، اس لئے میرا زندہ رہنا مشکل ہے، واضح ہو کہ محبوب کے انوار حسن سے متمتع ہونے والا متوسط صوفی کامل درویش کی صحبت کے بغیر شدید بے چینی سے دوچار ہوتا ہے اور اس کی کیفیات زیر وزبر ہونے لگتی ہیں۔ اسے ذکر وفکر میں مطلوبہ حلاوت حاصل نہیں ہوتی، درویش جو ذکر اور محبوب کے انوار حسن سے سرشار ہوتے ہیں، ان کی صحبت میں ان انوار کی منتقلی اور محبوب کے لئے والہانہ پن کی کیفیات میں تسلسل قائم رہتا ہے۔

(۳۱)

آسَطَ وَتِ آهُون ڪِريان، وَس نہ مُنهنجي واتُ
لڳِمِ لاهُوتِينِ جو مَنجهان ڪِينَرَ ڪاتُ
هَلَڻُ جِنِ هيهَاتُ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

میری حالت یہ ہے کہ ان کے خالی آستانوں پر کھڑے ہوکر، چیخ پکار کررہا ہوں، اس لئے کہ ان کے فراق کی وجہ سے میں بے بس ہوں، مجھ سے بڑی دولت چھن گئی ہے۔

ان درویشوں کے دلوں میں موجود محبوب کے لئے بے تابی کے جذبات نے مجھے ذبح کردیا ہے۔ ان کی رخصتی میرے لئے شدید صدمہ کا موجب ہے۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

صحبت اہل اللہ کا سب سے بڑا فائدہ جو ہوتا ہے، جو کسی دوسرے طریقہ سے ممکن نہیں، وہ یہ ہے کہ نیکی، تقویٰ، زہد اور عبادت وغیرہ کا رنگ چڑھنے لگتا ہے اور معاشرت و معاملات میں آداب اور انسانیت کے اوصاف سے نہ صرف آشنائی ہوتی ہے، بلکہ بار بار کی صحبت سے یہ اوصاف مزاج کا حصہ ہونے لگتے ہیں، اس طرح صحبت، افراد کی زندگی کے رنگ ڈھنگ کو بدلنے اور پاکیزہ اوصاف کا حامل بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

(۳۲)

بابُو بيڪارِي ٿِيَا، اَجُ نہ آسَطَ وَتِ
خُودِي ڪانئِي هَلِيا، پيرُ نہ لايَئُون پَتِ
هَي هَي جِنِي هَتِ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

یہ درویش، جو روحانی طور پر بہت بڑی دولت کے مالک تھے، لوگوں سے اپنے حالات کو چھپا کر فقر و بھکاری کے روپ میں رہنے والے تھے، آج وہ آستانوں میں موجود نہیں، وہ اپنی خودی اور اپنی ہستی کو مٹا چکے تھے، وہ بظاہر زمین پر تھے، لیکن ان کی روح دوسری دنیا میں تھی۔ یہ درویش جو ہر وقت محبوب کی صدا اور اس کے ذکر سے سرشار رہتے تھے، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۳۳)

بابُو بيكارِي ٿِيا، پَيجي چَڏيائون پاڻُ
نِسوروئي نانهِ جو نانگن وَٽِ نِڏاڻُ
سَرِ ڪَندُ جَنِي ساڻُ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

یہ درویش، جو لوگوں سے چھپ چھپا کر بھکاری اور فقیری کے روپ میں رہتے ہیں، انہوں نے خود پرستی کے بت کو پاش پاش کر دیا ہے اور اپنی ہستی کی نفی کر دی ہے۔

وہ اپنے وجود میں سراپا خوشبو ہیں، یہ خوشبو انہی افراد کو محسوس ہو سکتی ہے، جو ان سے محبت کا تعلق رکھتے ہیں، ورنہ ظاہر بین افراد کی نظر میں تو ان کی حیثیت بھکاری فقیروں سے زیادہ نہیں، میں جو ان کی خوشبو اور ان کے حسن سے متمتع ہو چکا ہوں، اس کی حالت یہ ہے کہ وہ ان کے بغیر زندگی کو بے معنیٰ سمجھتا ہے۔

(۳۴)

بابُو بيكاري ٿِئا، آسَڻَ وَٽِ نہ اَڄُ
نِسوروئي نانهِ جو سامِي ڳَنِ سَهَڄِ
هنيِڙا تَنِ سِين هَڄُ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

یہ فقیر درویش (جو بظاہر بکھاری نظر آتے ہیں) جو آج اپنے آستانوں میں موجود نہیں، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مٹا دیا ہے، فنا کر دیا ہے، وہ اپنے آپ کو کسی قابل ہی نہیں سمجھتے۔ یہی نفیٔ ذات ان کا ہار سنگار ہے۔

اے دل، تم اپنے آپ کو ان سے وابستہ کر کے، انہی کی طرح اپنی ہستی کو مٹا دو۔ واضح ہو کہ تصوف میں اپنے آپ کو کامل طور پر مٹانا ہی سب سے بڑا مقام ہے، یہ عبدیت کا مقام ہے، جہاں فرد پر محبوب کے رنگ کے علاوہ سارے رنگ مٹ جاتے ہیں، ان فنائیت کے حامل درویشوں کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اپنے آپ کو مٹائے بغیر عبدیت کا مقام حاصل نہیں

ہو سکتا اور عبدیت کے بغیر انسانیت اور سلیقہ انسانیت سے بہرہ وری نہیں ہوتی، بدقسمتی سے یہی وہ نکتہ ہے، جسے آج کا انسان سمجھنے سے قاصر ہے۔

(۳۵)

نَڪِين ڪَٿَنِ پاڻَ سِين، نہ ڪو ساٿُنِ پاڻُ
اِهڙو جَنِ اُهيَڙِ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

ان کی خصوصیت یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے علاوہ ان کا کوئی ساتھی و دوست نہیں ہوتا، وہ اپنی ہستی کے احساس کو مٹا چکے ہیں، اس لئے محبوب کی معیت میں ہونے کی وجہ سے وہ اپنی جداگانہ شخصیت کے احساس سے ہی عاری ہیں۔ ان صفات کے حامل درویشوں کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۳۶)

پاڻِهين وينا پاڻَ سِين پَرِ ۾ پَرياٽِين
سامِي سَفَرِ هَلِيَا، آسَڻُ اُجهائِين
رُخَصَتَ رُئارِين، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محبوب سے وصال کی اس حالت میں ہیں، جہاں وہ پوری یکسوئی سے محبوب کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف ہیں۔ یہ درویش سفر پر روانہ ہوتے وقت اپنے آثار مٹا رہے تھے، ان کی جدائی نے مجھ پر رونے کی حالت طاری کر دی ہے اور مجھے غم زدہ کر دیا ہے۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں اس غم میں ہوں کی ان کی جدائی کے بعد محبوب کی طرف میرا سفر کیسے جاری رہے گا۔

(۳۷)

پاڻِهين وينا پاڻُ سِين پَرِ ۾ پَرياٽِين
هُوءِ جي هَلَڻَ سَندِيُون ڳاهُون ڳالهائِين
وَيَڙُ وِجائِين، آءٌ نہ جَيَندِي اُنِ ري

ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محبوب کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہیں، وہ اس دنیا (مادی دنیا سے) رخصت ہو کہ دوسری دنیا (محبوب کی دنیا) میں جانے کی باتیں کر رہے ہیں۔

جنہوں نے ادھر ادھر دیکھنا اور چلنا بھلا دیا ہے اور محبوب کے ساتھ یکسو ہیں، میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۳۸)

پاڻهين وينا پاڻ سين، پَرِ ۾ گَڻِ پَرِياڻُ
اِهڙا جَنِ اُهِجاڻ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

ان کی حالت یہ ہے کہ وہ خود ہیں اور محبوب حقیقی ہے۔ وہ محبوب سے وصال کی اسی حالت میں ہیں، ان کی اصل دنیا محبوب کے ساتھ راز و نیاز کی دنیا ہے، جہاں وہ محبوب کے لئے روتے رہتے ہیں۔ آہیں نکالتے رہتے ہیں، محبوب سے رحم کی داد و فریاد کرتے رہتے ہیں، ان صفات کے حامل درویشوں کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۳۹)

لکين ڪِئا لِسَانَ سِين لاهوتِين لوڙا
گهوڙا ڙي گهوڙا، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

ان درویشوں نے کثرت سے زبانی ذکر کر کے، نفس کے خلاف حصار قائم کر دیا ہے۔ جہاں نفسی قوتیں پوری طرح قید و بند ہو گئی ہیں اور نفس، محبوب کی رضا پر راضی اور مطمئن ہو گیا ہے۔ وائے افسوس، وہ چلے گئے، اب میری حالت یہ ہے کہ ان کے بغیر میری زندگی بے معنیٰ ہے۔ اس لئے کہ ذکر و فکر میں ذوق و شوق جو ان کی صحبت سے تھا، وہ باقی نہ رہا اور محبت میں ارتقا کی حالت بھی باقی نہ رہی، ایسی زندگی جس میں محبوب حقیقی سے محبت میں ارتقائی صورت موجود نہ ہو، وہ کس کام کی۔

(۴۰)

ويراڳِين وَرَنَ، ڏِسڻُ گهَٽو ڏهلا
هڪ ٻولَڻُ ٻوڙَنِ سِين، ٻِئا سَندا فانِيُن فَنَ
ڪِين گهُرِجنِ ڪَنَ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري.

یہ درویش بظاہر تو سیدھے سادے ہیں، ان کا رنگ روپ بھی فقیرانہ ہے، (اہل دنیا کی نظر میں وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کی بات کو اہمیت دی جائے) ان درویشوں کو سمجھنا اور ان کے باطن میں موجود معنوی خزانوں سے واقفیت مشکل تر کام ہے۔ ان درویشوں کے لئے دوسری مشکل بات یہ ہے کہ انہیں ایسے لوگوں سے واسطہ ہے جو بہرے ہیں، جن کی دل کی

آنکھیں اور کان بند ہیں، جو دنیا میں مستغرق ہونے کی وجہ سے روح، روحانیت، محبوب حقیقی کی معرفت کی باتیں سننے اور سمجھنے سے قاصر ہیں، جب کہ وہ خود محبوب میں فنا ہیں اور فنائیت کے مقام پر فائز ہیں۔

ان درویشوں کی باتیں سمجھنے کے لئے ظاہری کانوں کی بجائے سماعت کی باطنی صلاحیتیں چاہئے، میں ایسے درویشوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا میں ہر دور میں ہونے والا فساد ظاہری علم، سماعت کی ظاہری صلاحیتوں سے محرومی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ فساد کا بنیادی سبب باطنی بصیرت اور سماعت کی باطنی صلاحیت سے محرومی کا نتیجہ ہے۔

اس دور کا تو سب سے بڑا المیہ ہی یہی ہے کہ مادہ پرستی کی ہمہ گیر فضا نے سماعت کی باطنی صلاحیت کو سلب کر دیا ہے۔ سب کچھ سننے و سمجھنے کے باوجود عمل کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے۔ اس دور کے اہل اللہ کو بھی بہروں ہی سے واسطہ ہے، جو ان کی حقیقی و معنوی باتیں سننے کے لئے تیار ہی نہیں، وہ محبوب کی طرف آنے کے لئے تیار ہی نہیں، مادی علوم و فنون ہی کو مقصود سمجھ لیا گیا ہے۔

(۴۱)

وارُو ويراڳِين کي ويلَ مَ وِساريج
قَدَمَ ڪاپڙِين جا لِيلائي لَهيجُ
پيرَتِ پَسئو پَتَ جي وَجَڻَ کي وِجيجُ
راتو ڏِينهِ رِڙهيجُ، آءٌ نہ جِيَندِي اُنِ ري

دیر نہ کرو، بلا تاخیر ان درویشوں کی معیت اختیار کرو، ان سے محبت کا تعلق مستحکم کرو، انہیں دل میں جگہ دو، وہ اگر سفر پر روانہ ہوئے ہیں تو عاجزی اور آہ و زاری کے ساتھ ان کو تلاش کر کے ان تک رسائی حاصل کرو، وہ جس راہ (محبوب کی راہ) پر گامزن ہیں، اس راہ پر شب و روز چلتے رہو۔ میری تو حالت یہ ہے کہ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۴۲)

قَدَمَ ڪاپڙِين جا لَڳا ۾ لاهُوتَ
جَنِي سِين ياقُوتَ، آءٌ نہ جِيندِي اُنِ ري

یہ وہ درویش ہیں، جنہوں نے شب و روز کے غیر معمولی مجاہدوں کے ذریعہ بالآخر محبوب سے وصال حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ وہ واصل باللہ کے مقام پر فائز

ہیں، جہاں ان کی توجہ محبوب کے علاوہ کسی چیز کی طرف مرتکز نہیں ہوتی۔ یہ سراپا سونا ہیں، سونا، میں نے ان کو جس معنوی اور حقیقی خزانوں کا مالک پایا ہے، اس کی وجہ سے میری زندگی تو بس انہی سے وابستہ ہے۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۴۳)

"جُزُ" ویجایو جوڳِئین، "کُلَ" سِین آهِنِ ڪَمُ

آسَطُ جَنِ عَدَمُ، آءٌ نہ جِیَندِي اُنِ ري

ان درویشوں نے اپنی ہستی اور اپنے وجود کو مٹا کر، اپنے آپ کو کل ہستی، اصل ہستی سے منسلک کر دیا ہے، اب وہ اگرچہ بظاہر دنیا میں موجود ہیں، لیکن ان کا آستانہ عدم میں ہے، ان کی روح محبوب سے ملی ہوئی ہے، جو دوسری دنیا کی سیر میں مصروف رہتی ہے۔ میں تو ان درویشوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

صوفیاء کرام کا بیان کردہ یہ نکتہ اہم ہے کہ انسانی روح، روح مطلق ہستی کے لئے بے چین ہے، اس روح کا سارا سکوں بلکہ روح کی زندگی ہی اس بات سے وابستہ ہے کہ وہ ہمہ وقت محبوب کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف رہے، محبوب کے انوار حسن سے بہرہ ور ہوتی رہے، اس کے ذکر سے غذا حاصل کرتی رہی، روح کو جز کہنا ایک اعتبار سے صحیح ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے آئی ہے اور جوہر ہے، لیکن اسے کل کا جز کہنا اس سے مشرکانہ فکر و فلسفہ کو فروغ پذیر ہونے کا موقعہ ملتا ہے، اس لئے احتیاط ضروری ہے۔

سلطان باہو کا کلام

ترجمہ اور تشریح

الف:

اللہ چنبے دی بوٹی، میرے من وچ مرشد لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلاں تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہہ بوٹی لائی ہو

ترجمہ: اللہ یعنی اسم ذات کا ذکر چنبیلی کے اس پودے کی مثل ہے، جسے میرے کامل مرشد نے میرے دل میں لگایا ہے، مرشد کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے میں نے کلمۂ طیب کا ورد کیا، لاالہ (نفی) الا اللہ (اثبات) اس طرح، اس پودے کو "نفی اثبات" کا پانی ملا، جن نے رگ و ریشہ تک پہنچ کر پورے وجود کو سیراب کیا۔

اس نورانی ذکر کا پانی ملنے کے نتیجے میں، اس پودے میں ایسے پھول کھلے، جس کی خوشبو سے میرا پورا وجود مہک اٹھا۔ اے باہو! میرا کامل مرشد سلامت رہے، جس نے یہ پودا میرے دل میں لگایا۔

تشریح:

جسطرح چنبیلی کا پودا خوشبو سے سرشار ہوتا ہے، وہ اپنے قرب و جوار میں خوشبو پھیلاتا ہے، اسی طرح اسم ذات (اللہ) کا ذکر فرد کو ایسی پاکیزہ خوشبو عطا کرتا ہے، جس سے وہ اپنے وجود کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی معطر کرتا رہتا ہے، کثرت سے اسم ذات کا ذکر، فرد کو نفسانی کدورتوں سے پاک وصاف کرکے، ملکوتی صفات کا حامل بناتا ہے، جس سے وہ معاشرے میں بہتر اور پاکیزہ کردار کی خوشبو پھیلانے کا ذریعہ بنتا ہے، اس طرح اس کا وجود چنبیلی کے پھولوں کے باغ کے مثل بن جاتا ہے۔ نفی اثبات کا ذکر بھی یہی کردار ادا کرتا ہے۔

یہ مرشد کا فیض ہے کہ اس نے ذکر کے ذریعے مجھے سراپا خوشبو بنا دیا ہے، اگرچہ "ذکر" فرد کا اپنا ذاتی عمل ہے، اور ذکر کے نورانی اثرات فرد کو منور کرتے رہتے ہیں، لیکن ذکر، ذکر کی صحبت اختیار کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ "ذاکرین" زندگی بھر کے

مجاہدوں کے ذریعے اپنے اندر ذکر کا بڑا ذخیرہ رکھتے ہیں، ان کی صحبت اختیار کرنے کے نتیجے میں ان کے دل میں موجود ذکر کا یہ ذخیرہ فرد میں داخل ہو کر، اس کے پورے وجود کو ذکر سے سرشار کر دیتا ہے، اس لئے مرشد کی صحبت اہم ہے، یہاں مرشد سے مراد ہے ایسا اہل اللہ، جو فقر وزہد کا حامل ہو، جسکی صحبت سے اللہ یاد آجائے اور آخرت کی فکر غالب ہو، حدیث شریف میں اللہ والے کی یہی صفت یہاں فرمائی گئی ہے اور ایسے شخص کی صحبت اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

الف:

اللہ پڑھیوں پڑھ حافظ ہویوں ناں گیا حجابوں پردا ہو
پڑھ پڑھ عالم فاضل ہویوں بھی طالب ہویوں زردا ہو
سئو ہزار کتاباں پڑھیاں پر ظالم نفس نہ مردا ہو
باجھ فقیراں کسے نہ ماریا باہو ایہہ چور اندر دا ہو

ترجمہ: اے بندہ خدا، تو پڑھ کر عالم بھی ہو گئے، قرآن بھی حفظ کر لیا، لیکن تمہارے دل سے غفلت کے پردے نہ ہٹ سکے، اتنا علم حاصل کرنے کے باوجود، تمہارے دل سے مال ودولت کی طلب اور زر کی ہوس ختم نہ ہوئی۔

سینکڑوں ہزاروں کتابوں کے مطالعہ کے باوجود بھی تم نے اپنے نفس کو مفتوح نہ کیا، اے باہو! اللہ کے جن بندوں نے دنیاوی آسائشوں سے دستبرداری اختیاری اور حقیقی فقر اختیار کیا، یہی وہ ہستیاں ہیں، جنہوں نے اندر میں چھپے ہوئے چور یعنی نفس امارہ مقابلہ کیا، ان کے علاوہ دوسروں کو یہ سعادت حاصل نہ ہو سکی۔

تشریح:

علم کے ساتھ محبوب حقیقی کے درد عشق میں جلنا، قرآن حفظ کرنے کے ساتھ، صاحبِ قرآن ہستی سے عشق کا تعلق قائم رکھنا بھی ضروری ہے۔ عشق نہیں تو کردار میں معنویت پیدا نہیں ہو سکتی، عشق کے بغیر فرد، مال کی محبت اور مالداروں کی محتاجی، بلکہ، ان کی غلامی کی نفسیاتی بیماری سے بچ نہیں سکتا۔

صرف علم، اگرچہ نفع سے خالی نہیں، لیکن باطنی بیماریوں کو دور کرنے کے سلسلے میں علم فیصلہ کن کردار ادا نہیں کر سکتا، اس کے لئے عشق کی دنیا میں داخل ہو کر مجاہدے کرنا ضروری ہیں۔ نفسِ امارہ کا مقابلہ عشق کے بغیر ہو سکے، مشکل ہے۔

جب عشق دل میں جگہ بنالے تو پھر، علم زیادہ بابرکت ثابت ہوتا ہے، اور وہ صوفی کو اسلامی حدود میں رکھکر، گمراہی سے بچانے کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے علم بھی ضروری ہے، ساتھ ساتھ عشق اور فقر بھی انتہائی ضروری ہیں۔

الف:

احد جد دتی دکھالی از خود ہویا فانی ہو
قرب وصال، مقام نہ منزل اوتھے جسم نہ جانی ہو
نہ اوتھے عشق ومحبت کائی نہ اوتھے کون مکانی ہو
عینوں عین تھیو سے باہو ، سر وحدت سبحانی ہو

ترجمہ: جب، اللہ تعالیٰ کا ظہور ہوا تو ہمیں اپنی ہستی کی کوئی خبر نہ رہی۔ عالم استغراق کی اس کیفیت میں، قرب ووصال، مقام ومنزل، جان وجسم، سب فنا فی اللہ کا حصہ بن جاتے ہیں۔

عشق اور محبت، اور کون ومکان، وہاں کچھ نہیں ہوتا، مطلب کہ، کائنات کی ہر چیز اس مقام پر بے حیثیت اور غیر اہم بن جاتی ہے۔ اے باہو! اس مقام پر روبرو حق کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

تشریح

طالب کے دل پر جب انوار الٰہی کی بارش ہوتی ہے، اور یہ حالت برسوں تک رہتی ہے تو وحدانیت کا رنگ غالب آجاتا ہے، اس حالت سکر میں دل وذہن سے دوسرے سارے نقوش مدھم ہو جاتے ہیں۔ استغراق کی اس حالت میں طالب پر محبوب حقیقی کے ساتھ حلول ہو جانے کا احساس طاری ہو جاتا ہے، تیز انوار کے سبب طالب پر یہ احساس غالب ہوتا ہے، اس کیفیت کو ''وحدتِ وجودی'' کی حالت بھی کہتے ہیں، اس حالت میں طالب پر جو اسرار کھلتے ہیں، طالب کی زبان ان رازوں کو بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہے، لیکن اس مقام سے گذرنے کے بعد طالب توحید میں پختگی کے بلند مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔

الف:

اللہ صحیح کیتوں سے جداں چمکیا عشق اگوہاں ہو
رات دیہاں دیوے تاء تھیرے نت کرے اگوہاں سونہاں ہو
اندر باہیں، اندر بالن، اندر دے وچ دوہاں ہو
باہو! شوہ تداں لدھو سے جداں عشق کیتو سے اگوہاں ہو

ترجمہ: جب رہنمائی کرنے والے عشق نے ہمیں منور کیا تو ہمیں اللہ کی معرفت حاصل ہوئی، یہی عشق رات ودن ہمیں حدت اور گرمی پہنچا کر، مسلسل ترقی کی منزلیں طئے کراتا

ہے، اس عشق کی آگ بھی اندر میں ہے، اس کا دھواں اور گرمی بھی اندر میں ہے، اندر میں پوشیدہ حرارت آخر کار رنگ لاتی ہے، اے باہو! ''حقیقی عشق'' کی رہنمائی میں ہی ہم اپنا مطلوبِ حقیقی حاصل کر سکتے ہیں۔

تشریح

محبوب تک رسائی کا سفر، سارے کا سارا حقیقی عشق کے ذریعے ہی طئے ہوتا ہے، یہ عشق ہی ہے، جو طالب کو محبوب کی راہ پر دوڑاتا ہے عشق طالب کی ہر قدم پہ رہنمائی کرتا رہتا ہے، عشق کے نتیجہ میں جب نفس کی قوتیں قابلِ ذکر حد تک فنا ہو جاتی ہیں تو، فرد کے اندر محبوب کی تجلیات پوری قوت سے داخل ہو کر، مستحکم ہوتی ہیں۔ عشق کی بہت سی خصوصیات ہیں، عشق ہی فرد کے لئے محبوب سے وصال کا ذریعہ بنتا ہے، عشق کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ فرد، محبوبِ حقیقی کا وفا شعار اور اطاعت گذار بندہ بن جاتا ہے، اور محبوب کی اطاعت اس کی زندگی کا مقصد بن جاتی ہے۔

الف:

ایہہ دنیا زن حیض پلیتی کتنی مل مل دھوون ہو
دنیا کارن عالم فاضل گوشے بہہ بہہ روون ہو
جیندے گھروچ بوہتی دنیا اوکھے گھوکر سوون ہو
جنہاں ترک دنیا تھیں کیتی باہو واہندے نکل کھلوون ہو

ترجمہ: یہ دنیا آنکھوں کا دھوکہ اور ایمان والوں کیلئے آزمائش ہے۔ چاہے دنیا کو کتنا بھی دھو کر صاف کیا جائے، یہ عورت کی گندگی کی طرح ناپاک ہے۔ دل کو مال ومتاع کی محبت وطمع سے نکالنے، اور دنیاوی آسائشوں سے راغب ہونے بچانے کیلئے، عالم اور فاضل خلوت نشینی اختیار کرتے ہیں اور وہ روتے رہتے ہیں۔

جن کے ہاں دولت کا انبار ہے، انہیں سکھ کی نیند نصیب نہیں سکتی، انہیں چین اور سکون کی نیند نہیں آتی۔ (ہر پل ان کو یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ ان سے یہ دولت چھن نہ جائے۔ یا پھر ان کو یہ فکر لگی رہتی ہے کہ اپنی دولت میں کس طرح اضافہ کیا جائے)۔

اے باہو! جن صاحب ایمان افراد نے دولت کی حرص اور طمع کو دل سے نکال دیا ہے، انکے لئے سکون اور آرام کی نیند اور نجات ہے۔

تشریح

دنیا میں ساری خرابیوں کی جڑ، دنیا کی محبت ہے، دنیا کی یہ محبت دل سے نکالنا آسان کام نہیں، سالک کے سارے مجاہدے اسی لئے ہیں کہ ''دنیا'' جو اس کو محبوب کی راہ سے دور کر دیتی ہے، وہ اس کے سحر سے آزاد ہو جائے۔ دولت اور دنیا بذاتِ خود بری نہیں، لیکن اس

کی محبت بری چیز ہے۔ دنیا کی یہ محبت فرد کے دل میں اس طرح رچ بس جاتی ہے، گھر کر جاتی ہے کہ پھر نکالے نہیں نکلتی، یہ معمولی مجاہدوں سے دل سے نہیں نکلتی، دنیا کی محبت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ فرد کے دل کا چین وسکون برباد کر لیتی ہے، دنیا پرست انسان سکون کی نیند کو ترستے ہیں۔ صوفی غیر معمولی مجاہدوں سے اپنے دل کو دنیا کی محبت سے خالی کرتے ہیں، اس طرح وہ چین کی نیند سوتے ہیں۔

الف:

"الست بربکم" سنیا دل میرے، نت قالوا بلیٰ کوکیندی ہو
حب وطن دی غالب ہوئی ہک پل سوون نہ دیندی ہو
قہر پوے تینوں رہزنِ دنیا! تون تاں حق داراہ مریندی ہو
عاشقاں مول قبول نہ کیتی باہو تونے کر کر زاریاں روندی ہو

جب سے میرے دل نے ''الست بربکم'' کی صدا سنی ہے، اس وقت سے ''قالوا بلیٰ'' کی صدا دل میں گونج رہی ہے، دل پر اپنے اصلی وطن (عالم بقا) کی حب اس طرح غالب ہوئی ہے، جو مجھے ایک پل کے لئے بھی آرام کی نیند نہیں سونے دیتی۔ دنیا کی مصنوعی رنگینی اور پر کشش آسائش آنکھوں کے دھوکہ اور فریب سے زیادہ نہیں، یہ دولت اور مال ومتاع، فریب اور حیلوں سے فرد کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے کوشاں ہیں، اسکو مخاطب کرتے ہوئے سلطان باہو فرماتے ہیں کہ، اے دنیا، تم پر قہر نازل ہو تم راہِ حق کے مسافروں کو ہر وقت گمراہ کرنے کے لئے کوشاں ہو۔

اے باہو! اگرچہ دنیا کی دلفریبی نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے، مگر حق کی راہ پر چلنے والے ثابت قدم مسافر، سچے عاشق، اسے ٹھکراتے ہیں اور اس کی طرف کوئی التفات نہیں کرتے۔

تشریح

''قالوا بلیٰ'' کا اقرار کرنے والا صوفی، مجاہدوں کے ذریعہ اسی میثاق کی یاد کو مستحکم کرتے ہیں، ''عشق'' انہیں سکون سے سونے نہیں دیتا، وہ اپنے نفس کو مغلوب کر کے آخر کار محبوب سے وصال حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں دنیا اتنی پُر فریب ہے کہ وہ متوسط درجہ کے صوفیوں کو بھی اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

بزرگی کے نام پر سینکڑوں، ہزاروں بزرگ دنیا کے اس خوبصورت سحر میں مبتلا ہو کر، شاندار بنگلوں، بڑی گاڑیوں اور کھانے پینے کی لذتوں کی نذر ہو گئے۔

الف:

ایہو نفس اساڈا بیلی جو نال اساڈے سدھا ہو
زاہد عالم آن نوائے جتھے ٹکڑا ویکھے تھدھا ہو

جو کوئی اس دمی کرے سواری اس نام اللہ دالدھا ہو
راہ فقر دا مشکل باہو، گھر مان نہ سیرا ردھا ہو

ترجمہ: اگر ہمارا یہ سرکش ''نفس امارہ'' ہمارا مطیع اور فرمانبردار بن کر ''نفسِ مطمئنہ'' کے مقام پر پہنچ جائے، تو اس صورت میں یہ ہمارا ساتھی اور مددگار ہے، وگرنہ، یہی نفس ہے، جو انسان کو خواہشوں کا غلام بنا کر دردر بھٹکاتا ہے۔ علم کے صاحبان بھی ابتر نفسانی خواہشوں کے غلام بنکر تر نوالے کی نذر ہو جاتے ہیں۔

جو اس موذی نفس کو کنٹرول کر کے اپنا تابع بناتا ہے، تو گویا اسے اللہ کی طرف سے ہدایت کی راہ حاصل ہو گئی۔ ''فقر'' کی راہ بڑی مشکل اور دشوار گذار ہے، اس راہ کو اس طرح آسان سمجھنا کہ گویا گھر میں ماں نے حلوہ بنا رکھا ہے، جسے جا کر کھانا ہے۔

تشریح

نفس کو اللہ اور رسول کے تابع بنانے کا کام جتنا ضروری ہے، اتنا ہی مشکل بھی ہے، اس کام سے دین اور دنیا کی جملہ سعادتیں وابستہ ہیں، اسلئے اس کام کو (نفس کو سدھارنے کے کام کو) اپنی تخلیق کے مقاصد میں شامل سمجھکر سرانجام دینا چاہئے، ورنہ علم، ذہانت اور ہوشیاری کے باوجود فرد، نفس کا غلام بن جاتا ہے، ''نفس کا غلام'' فرد، دنیا میں بھی ذلیل اور رسوا ہوتا ہے، تو آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہو گا۔ نفس کو اللہ اور رسول کا مطیع بنانے میں جو رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں، ہمت سے انکا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے جان بھی فدا ہو جائے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ سلوک اور ''دردِ عشق کی راہ'' اس کی سب سے موثر راہ ہے۔

الف:

ازل ابد نوں صحیح کیتو سے ویکھ تماشے گذرے ہو
چو داں طبق دے دے اندر آتش لائے حجرے ہو
جنہاں حق نہ حاصل کیتا اوہ دو نہیں جہانیں اجڑے ہو
عاشق غرق ہوئے وچ وحدت باہو ویکھ تنہاندے مجرے ہو

ترجمہ: ماضی کے حالات وواقعات کے مشاہدے اور کائنات کے سارے مظاہر یہ گواہی دیتے ہیں کہ ''ازلی اور ابدی تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ہے'' عشق حقیقی کے جلووں سے چودہ طبق روشن ہوئے، ساری کائنات کے اسرار ورموز اس دل میں سما گئے۔ جس بندہ نے عشق کی راہ اختیار کی، اور محنت کر کے اپنا حق نہ حاصل کیا، اس کے دونوں جہاں ویران ہو گئے۔

اے باہو! جو سچے عاشق ہیں، وہ وحدت کے دریا میں اس طرح غوطہ زن ہوتے ہیں کہ ان کی وارفتگی اور مدہوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

راہِ ہدایت کے حصول کیلئے سچے عشق کے ساتھ مجاہدوں سے دونوں جہانوں کی کامیابی وابستہ ہے۔

تشریح

بعض ممتاز علمائے ربانیین کا کہنا ہے کہ اگر کوئی فرد، راہ سلوک میں آئے بغیر، خود احتسابی کے جذبے اور ہمت اور حوصلے کے ساتھ قرآن اور سنت سے تعلق قائم کرے، اور قرآن اور سنت کے ہر حکم پر عمل کرنا شروع کر دے، تو وہ ''نفسِ مطمئنہ'' کے مقام تک پہنچ سکتا ہے، اور اللہ کا ولی بن سکتا ہے، زندگی بھر قرآن اور سنت کے ساتھ، براہ راستہ تعلق جوڑنے سے، بے شمار افراد ولی اللہ بنے ہیں، اور آج بھی بن سکتے ہیں۔ لیکن، فرق صرف یہ ہے کہ، ایک تو ان کو نفس پرستی کی قوتوں کے مشاہداتی مرحلوں کا تجربہ اور ادراک حاصل نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ ایسے اہل اللہ لوگوں کو نفس کی اصلاح کے ارتقائی مرحلوں سے نہیں گذار سکتے۔

تصوف میں دردِ عشق کے ذریعے جو سفر طئے ہوتا ہے۔ وہ گویا، نفسانی قوتوں کا مشاہدہ کر کے، بتدریج نفس کو، محبوبِ حقیقی کے حوالے کرنا ہوتا ہے، اور اسے محبوب کا وفاشعار بندہ بنانا ہے۔ چونکہ عارف ہمیشہ دردِ عشق سے مغلوب رہتا ہے، اسلئے اسے عشق کے سوا، کوئی چیز نظر ہی نہیں آتی۔

الف:

اندر ہوتے باہر ہو، اے دم ہو دے نال جلیندا ہو
ہو دا داغ محبت والا ہر دم پیا سدیندا ہو
جتھے ہو کرے رشنائی اوتھے چھوڑ اندھیرا ویندا ہو
میں قربان تنہاں توں باہو جیہڑا ہو نوں صحیح کریندا ہو

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ''ھو'' میرے وجود کے اندر اور باہر جاری وساری ہے، میری سانس کا سفر، اسی ''ھو'' کے دم سے قائم ہے، اس ''ہو'' کی صدا نے مجھے جو داغِ محبت دیا ہے، وہ ہر لمحہ مجھے بلاتا رہتا ہے، اس میں میٹھا، میٹھا درد، ہر دم دھویں کی طرح سلگتا رہتا ہے۔

''ہو'' کے ذکر کے نورانی جلووں کے سامنے، ہر قسم کے اندھیرے ختم ہو جاتے ہیں۔ اے باہو! میں اس فرد پہ قربان ہو جاؤں، جس نے ہو کے راز کو پالیا، ہو کی حقیقت کو سمجھ لیا۔

تشریح

''ہو'' اللہ کی طرف اشارہ ہے، گویا، اللہ کا ذکر ہے، عاشق، جو محبوبِ حقیقی کیلئے ہر لمحہ بیتاب ہوتا ہے، وہ ''ہو'' کے ذکر یا ''ہو'' کی آواز سے حالتِ وجد میں آجاتا ہے، ''ہو'' کی صدا سنکر، اس پر، محبوب کیلئے فدائیت کے جذبات طاری ہو جاتے ہیں، یہ منظر قابلِ دید ہوتا ہے۔

الف:

ادھی لعنت دنیا تائین تے ساری دنیا داران ہو
جئین راہ صاحب دے خرچ نہ کیتی غضب دیاں ماراں ہو
پیو واں کولوں پتر کہاوے بھٹھ دنیا مکاراں ہو
جنہاں ترک دنیا دی کیتی باہو لئسن باغ بہاراں ہو

ترجمہ: جس مال و دولت کی حرص نے بندے کو رب کی یاد سے غافل کیا ہے، اس دولت پر آدھی لعنت ہو، اور جو بندے، اس دولت کی محبت میں مبتلا ہوئے، مال وزر کے حریص ہوئے، ان پر پوری لعنت ہو۔

جن افراد نے اپنا مال و متاع، اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا، ان کو دکھ دینے والا عذاب اور اللہ کی ناراضگی نصیب ہو گی۔

یہی پر فریب دنیا اور مال و ملکیت ہے، جو باپ کے ہاتھوں بیٹے کو قتل کروا دیتی ہے۔ ایسی مکار اور دھوکیباز دنیا کو آگ لگا کر جلا دینا چاہئے۔

جنہوں نے اپنے دل کو، دولت کی طمع اور مال کی حرص سے بچایا، وہ کامیاب ہوئے، وہی ہیں، جن کیلئے جنت کے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

تشریح

''دولت سے محبت'' کے بے پناہ نقصانات کی وجہ سے، اللہ والوں کی طرف سے مالداروں کو، جو دنیا سے والہانہ محبت کرتے ہیں، لعنت کرنا، یہ مالداروں کیلئے لمحہ فکریہ ہے، ان کو بیدار ہونا چاہئے، مال سے محبت کی جتنی بھی خرابیاں بیان کریں، کم ہیں، مال کی یہ محبت، افراد کو غریب انسانوں کا خون چوسنے پر آمادہ کر کے، انہیں خونخوار بناتی ہے۔

یہی محبت مالداروں کو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی خاطر، انسانیت کو آخری حد تک پامال و ذلیل کرنے پر اکساتی ہے۔ یہی محبت، خونی رشتوں کے تقدس کو پامال کر کے، بھائی کو بھائی کا دشمن بناتی ہے مال کی یہی محبت فرد میں قساوت قلبی پیدا کرتی ہے۔ انہی خرابیوں کی وجہ سے، حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے، کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ، سب کا سب ''ملعون'' ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔

الف:

ایمان سلامت ہر کوئی منگے عشق سلامت کوئی ہو
منگن ایمان شرماؤں عشقوں دل نوں غیرت ہوئی ہو
جس منزل نوں عشق پچاوے ایمان نوں خبر نہ کوئی ہو
میرا ایمان سلامت رکھیں باہو ایمانوں دیاں ڈروہی ہو

ترجمہ: سب لوگ ایمان کی سلامتی کی دعا، اپنے رب سے مانگتے ہیں، لیکن، کسی کو بھی اپنے عشق کی سلامتی کی فکر نہیں۔

حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ، ایمان تو طلب کرتے ہیں، لیکن ربّ سے عشق کا رابطہ نہیں رکھتے، اور نہ ہی عشق کی سلامتی کی دعا مانگتے ہیں، بلکہ، عشق طلب کرتے شرماتے ہیں۔

ایسے نادانوں پر افسوس ہوتا ہے، جن کو یہ بھی پتہ نہیں کہ، جس منزل پر عشق پہنچاتا ہے، وہاں ہر کسی کی رسائی نہیں ہوتی، اے باہو! تمہیں ایمان کی قسم، اپنا ایمان بھی سلامت رکھنا۔

تشریح

یہاں عشق کو رسمی ایمان پر ترجیح دی گئی ہے، جب کہ، ''کامل ایمان'' اور ''کامل عشق'' ایک ہی چیز ہیں۔ جب ایمان، کمال درجہ پر پہنچتا ہے تو، عشق مکمل ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ عشق، ایمان کی حالت کو بڑھا کر، ارتقائی مرحلوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، عشق ایمان ہی کا حصہ ہے، ایمان کے سوا، عشق کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

قرآن اور حدیث سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے، (ایمان سے محروم عاشق، اسلامی نقطۂ نگاہ سے، نجات سے محروم ہے، جبکہ ایمان کے ہوتے ہوئے اگر کسی فرد میں، عشق کے کچھ اجزاء بھی موجود ہیں تو، ایسا صاحب ایمان فرد، ایمان سے محروم، بڑے، بڑے عاشقوں سے بلند مقام کا حامل ہے۔

الف:

ایہہ تن میرا چشماں ہووے تے میں مرشد ویکھ نہ رجاں ہو
لوں لوں دے مڈھ لکھ لکھ چشماں ہک کھولاں ہک کجاں ہو
اتناں ڈٹھیاں صبر نہ آوے، ہور کتھے ول بھجاں ہو
مرشد دا دیدار ہے باہو مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو

ترجمہ: مجھے مرشد کی زیارت کا اتنا شوق اور طلب ہے کہ، اگر میرا پورا جسم آنکھیں بن جائے، پھر بھی مرشد کے دیدار سے میرا دل نہ بھرے، میرے جسم کے ایک، ایک روئیں میں اگر، ایک، ایک لاکھ آنکھیں ہوں تو، میں ایک آنکھ کھولوں اور ایک آنکھ بند کروں، اس طرح مرشد کی مسلسل زیارت میں خلل نہ پڑے۔

مرشد کو اس قدر دیکھنے کے بعد بھی، روح کی تسکین نہیں ہوتی، دل کو صبر نہ آئے تو پھر کہاں جاؤں؟

اے باہو! سچ تو یہ ہے کہ مرشد کا دیدار میرے لئے بہت سارے حجوں سے بہتر ہوتا ہے۔

تشریح:

یہ متوسط صوفی کی حالت ہے، جو ابھی سفر کی حالت میں ہوتا ہے، جس کا سفر تیز رفتاری سے جاری ہوتا ہے، چونکہ، وہ، محبوب کی، زیادہ سے زیادہ تجلیات کا طالب ہوتا ہے، لیکن اسکے ظرف میں اتنی وسعت نہیں ہوتی، لہٰذا اسکی تشفی، مرشد کی زیارت سے پوری ہوتی ہے، اللہ کا ایسا ولی جو، زندگی کا کافی حصہ عشق کی آگ میں جل کر کندن بن چکا ہوتا ہے وہ، سراپا عشق بن چکا ہوتا ہے، اس طرح کی شخصیت کی صحبت کی ہر خوراک، فرد کو عشق میں مسلسل ترقی کی راہ پر آگے بڑھاتی رہتی ہے، اور ان کی صحبت کی ہر خوراک کے ذریعہ مبتدی اور متوسط طالب کے دل میں برپا تلاطم کم ہو کر، سکینت پیدا ہوتی ہے، یہاں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ، جب تک متوسط طالب کی ذکر کے ساتھ، طبعی مناسبت پیدا نہیں ہوتی، اور ذکر کا ملکہ مستحکم نہیں ہوتا، تب تک شیخ، کیلئے اس کے دل میں بے تابی موجود رہتی ہے۔

مرشد کے لئے اس بے تابی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ طالب کو مرشد کی صحبت و معیت کے ذریعہ ہی یہ سیر نصیب ہوتا ہے اور مرشد کی صحبت ہی اسے نفس کے مراحل طے کرا کر، خدا تک رسائی کا ذریعہ بنتی ہے۔

جو مرشد طالب کے لئے اتنی بڑی سعادت کا ذریعہ ثابت ہو، اس کے لئے بے تابی فطری بات ہے، اس میں تعجب و حیرت کی کوئی بات نہیں۔

موجودہ دور میں چونکہ ہمارے اہل علم و اہل دانش عام طور پر روحانیت و روحانی فیض سے قاصر و محروم ہیں، اس لئے وہ روحانی استاد کے لئے طالب کی اس طرح کی بے تابی پر حیرت زدہ ہیں۔

آج کل علمی حلقوں میں مرشد کے منصب کو مذاق کا نشانہ بنانے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اس منصب پر عام طور پر خام افراد کو فائز کیا جا رہا ہے، جو نفسی قوتوں کو پامال کرنا تو دور کی بات ہے، ان قوتوں کے ادراک سے ہی قاصر ہے۔

ایسے خام مرشدوں کی طرف سے حب جاہ و حب مال کے مظاہر عام ہیں۔ فقر و زہد (جو تصوف کی امتیازی خصوصیت رہی ہے) اسے سرے سے تصوف و بزرگی سے ہی نکال دیا گیا ہے۔

یہاں جس مرشد سے والہانہ محبت کی بات کی گئی ہے، وہ صاحب شریعت و صاحب حال و صاحب فقر بزرگ ہیں، نہ کہ اس منصب پر فائز ہونے والے صوفیائے خام۔ یہاں مرشد کی زیارت کو بے شمار حجوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔

یہ حالت سکر کا کلام ہے جو معذوری کی حالت ہے اور قابل معافی ہے۔

اندر وچ نماز اساڈی ہکسے جا نیتیوے ہو ژ
نال قیام، رکوع سجودے کر تکرار پڑھیوے ہو
ایہہ دل ہجر فراقوں سڑیا ایہہ دم مرے نہ جیوے ہو
سچا راہ محمد والا باہو، جیں وچ رب لبھوے ہو

ترجمہ: ہم نے باطنی طور پر، اپنے قلب کے حجرے میں، نیت باندھ کر، نماز ادا کی، جس میں قیام، رکوع اور سجدوں کی ادائیگی بھی پوری عاجزی اور حضوریٔ دل سے کی۔ اتنی عاجزی اور محویت کے باوجود، دل کی بے قراری قائم رہی، ہمارے دل کو ہجر و فراق کی آگ نے جلا کر خاکستر کر دیا ہے، اب ہمارا شمار، نہ زندوں میں ہے، نہ مردوں میں۔

اے باہو! سچی اور سیدھی راہ، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی راہ ہے، اور ان کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنے سے ہی دل کو سکون ملیگا، اور رب تعالیٰ تک رسائی ہو گی۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے کچھ نکات بیان کئے ہیں، ایک تو نماز کا ذکر کیا ہے کہ، ''ہم قلب کے حجرے میں نماز ادا کرتے ہیں۔'' قلب کے حجرے سے مراد، قلب کی حضوری سے نماز ادا کرنا ہے، گمراہ صوفیوں کی طرح، یہاں ''نماز'' کی نفی مقصود نہیں، کیونکہ معاشرہ میں اکابر صوفی شاعروں کی حیثیت اور و مرتبہ ہی اس لئے ہے کہ وہ، اللہ اور اس کے رسول کی عبادت اور اطاعت میں دوسروں سے ممتاز ہیں، اس لئے صحیح بزرگوں کے یہاں نماز کی نفی کا تصور بھی نہیں، دوسرا نکتہ، یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ، اتنی محویت کے باوجود محبوب کی جدائی کے غم نے ہمیں بے تاب کر دیا ہے، یہ متوسط صوفی کی حالت کی عکاسی ہے، جو صبح و شام محبوب کے لئے تڑپتا رہتا ہے، ذکر کی بڑی سی بڑی خوراک سے بھی اس کی پوری طرح تشفی نہیں ہو پاتی، اس لئے نہ وہ زندہ نہ مردہ، یعنی نہ اسے وصال حاصل ہوتا ہے، اور نہ ہی اس کا اضطراب ختم ہوتا ہے۔ فنائے نفس کے مقام تک رسائی سے پہلے اس کی بے تابی و بے قراری میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

اکھیں سرخ مونہیں تے زردی ہر ولوں دل آہیں ہو
مہا مہاڑ خوشبوئی والا پہنتا ونج کراہیں ہو
عشق مشک نہ چھپے رھندے ظاہر تھیں اتھاہیں ہو
نام فقیر تنہا ندا باہو جنہاں لامکانی جاہیں ہو

ترجمہ: اللہ والوں کی ظاہری پہچان یہ ہے کہ، انکے چہرے پیلے، اور آنکھیں سرخ ہوتی ہیں، انکے دل سے ہر وقت آہیں نکلتی رہتی ہیں، انہیں ہر طرف سے دکھوں کی سوغات ملتی ہے، اس پر بھی وہ خوش اور راضی رہتے ہیں۔

انہوں نے اللہ سے جو لو لگائی ہے، تو ان کے عشق حقیقی کی خوشبو دور، دور تک جا پہنچی ہے، عشق اور مشک کو جتنا بھی چھپاؤ، نہیں چھپتی، وہ ظاہر ہو کر رہتے ہیں، اے باہو، عارف فقیروں کی شان ہی نرالی ہے! انکا مقام تو لامکان میں ہے۔

تشریح:

عاشق، زندگی کا طویل عرصہ، محبوب کے ساتھ فراق کے جس درد و غم میں گذارتے ہیں، یہ غم اتنا بے پناہ ہے، جس سے جگر کباب ہو جاتا ہے، آہوں اور اضطراب سے اس پر لرزہ طاری رہتا ہے، آج تک ایسا قلم ایجاد نہیں ہوا، جو عاشقوں کی اس جگر گداز داستان کو قلمبند کر سکے، اور نہ ہی کوئی ایسی مشین ایجاد ہوئی ہے، جو عاشق کی قلبی واردات اور حالات کی عکاسی کر سکے اور اہل دنیا تک انکے سوز و درد اور غم کی معمولی جھلک بھی پیش کر سکے، اگر اللہ کی چاہت سے ایسی کوئی مشین ایجاد ہو گئی، جس کے ذریعے عاشقوں کی محبوب کیلئے بے تابی اور وارفتگی کا منظر دنیا تک، کسی حد تک بھی پہنچ گیا تو انشاءاللہ وہ دن سچی روحانیت کی فتح، اور مادیت کی شکست کا دن ہو گا۔ اس شعر میں عاشقوں کی محبوب کے لئے بے تابی و بے قراری کی بہت بہتر طور پر عکاسی کی گئی ہے۔

اندر کلمہ کل کل کردا عشق سکھایا کلمہ ہو
چوداں طبق کلمے دے اندر قرآن کتاباں علماں ہو
کانے کپ کے قلم بناؤن لکھ نہ سکن قلماں ہو
کلمہ مینوں پیر پڑھایا باہو! ذرانہ رہیا الماں ہو

ترجمہ: ''کلمۂ طیبہ'' کے ذکر سے میرے دل میں ہلچل برپا ہے، اس ورد نے مجھے راہ عشق پر گامزن کیا ہے، اس کلمے کی عظمت اور وسعت ایسی ہے، جس کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا، ساری کائنات اس ''کلمے'' میں سمائی ہوئی ہے۔ سارا قرآن، کتابیں اور سارا علم اس کلمے کی تشریح ہے۔ لوگ قلم سے اس کلمے کی تعریف لکھتے ہیں، لیکن قلم، کلمۂ طیبہ کی تفسیر

لکھنے سے عاجز ہیں۔ اے باہو! مرشد نے مجھے اس کلمے کا ایسا سبق پڑھایا ہے کہ، اب زندگی میں کوئی دکھ باقی نہیں رہا۔

تشریح:

کلمہ کی اہمیت اور، قدر و قیمت بے حد و حساب ہے، سئو برس کا کافر بھی کلمہ پڑھکر، اسلام میں داخل ہو جائے تو وہ پاک وصاف ہو جاتا ہے، کلمہ کے ذکر کی تکرار سے، ساری چاہتیں ختم ہو جاتی ہیں، اور سارے خارجی اور باطنی بتوں کی نفی ہو جاتی ہے، اور کلمہ، فرد کو ہر قسم کے کفر اور باطل سے انکار کے ذریعہ محبوب حقیقی تک رسائی کا ذریعہ بنتا ہے، کلمہ کا ذکر، ایسا لطیف و موثر ہے کہ اس سے زیادہ لذت اور حلاوت کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی، اسی لئے کلمہ کو ''افضل الذکر'' فرمایا گیا ہے، کلمہ کی اسی اہمیت کی وجہ سے تصوف کے سارے سلسلوں میں کلمہ کا ذکر شامل ہے۔

ذکر کا ملکہ راسخ کرانے میں مرشد کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے، عشق کا دروازہ، شیخ کی صحبت اور اس سے محبت کے ذریعہ ہی کھلتا ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ، دل کے بند دروازے کی چابی، شیخ کے پاس ہی ہے، جس سے صحبت کے نتیجہ میں دل اس قابل ہوتا ہے کہ اسمیں محبوب کے راز سما سکیں، شیخ سے صحبت اور ان سے رابطہ کے بغیر طالب اول تو عشق کی دنیا میں چل نہیں سکتا، اگر دو چار قدم اٹھا بھی لے تو جلد ہی فرار کے خیالات، اس پر غالب آجاتے ہیں، اس طرح وہ عشق کی حقیقت سے محروم ہو کر، نفس کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ وچ پا فقیرا جھاتی ہو
ناں کر منت خواجہ خضر دی تیرے اندر آب حیاتی ہو
شوق دا دیوا بال ہنیرے متاں لبھی وست کھڑاتی ہو
مرن تھیں اگے مر رہے باہو جنہاں حق دی رمز پچھاتی ہو

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دلوں کے اندر بستا ہے، اے اللہ کے فقیر! تمہارا دل اللہ کا گھر ہے، اپنے من میں جھانک کر دیکھو تو وہاں اپنے رب کو پاؤ گے، آب حیات کا سرچشمہ بھی تمہارے اندر پوشیدہ ہے، اس کے لئے تم کیوں خواجہ خضر کی منتیں کرو؟ تم دل کے گہرائیوں میں شوق، ''یعنی عشق'' کا دیا جلا کر تو دیکھو، شاید تمہیں وہاں اپنا گمشدہ خزانہ ملے؟ جو ''حق کے اسرار و رموز سے آشنا ہوئے، وہ مرنے سے پہلے مر گئے۔

تشریح:

دل پر ذکر کی محنت کرنے سے، دل میں انوار کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں، اگر فرد میں ایمان کے ساتھ، اسلامی شریعت کا علم بھی موجود ہے تو ایسی شخصیت، معاشرے میں انقلاب برپا کر سکتی ہے۔

دل کو اللہ کے ذکر سے زندہ کرنے والا فرد، سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور وہ معرفت کے بڑے خزانے کا مالک بن جاتا ہے، چونکہ، اس کا دل ذکر سے سرشار رہتا ہے اور زبان ذکر سے تر رہتی ہے، اس ایسا فرد ہر معاملے میں دوسروں کی محتاجی سے محفوظ رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دل جب اللہ کے ذکر سے سرشار ہو جاتا ہے اور وہ غنا کا صاحب بن جاتا ہے اور وہ سعادت دارین کا حامل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی نظر میں مال ومتاع کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ وہ محبوب حقیقی کی معیت میں جیتا ہے، موت اس کے لئے محبوب کے وصال کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ دل کھڑیا باغ بہاراں ہو
وچے کوزے، وچے مصلے وچے سجدے دیا تھاراں ہو
وچے کعبہ، وچے قبلہ وچے الا اللہ پکاراں ہو
کامل مرشد ملیا باہو! اوہ آپے لئی ساراں ہو

ترجمہ: میرا دل اللہ کے ذکر سے آباد ہے، اس احساس سے میرا وجود معطر ہے، میرے باطن میں جو جہاں آباد ہے، اس میں ہر طرف پھول ہی پھول ہیں، بہار ہی بہار ہے۔
باطن میں ہی محبوب حقیقی کی سجدہ گاہ نظر آتی ہے، طہارت کا سامان بھی اندر میں ہی موجود ہے تو الا اللہ کی صدائیں بھی وجود میں ہی گونجتی ہیں۔
اے باہو! مجھے کامل مرشد کی بدولت یہ ساری نعمتیں نصیب ہوئی ہیں، امید ہے کہ وہ اس راہ میری خبر گیری کریگا۔

تشریح:

کثرت ذکر اور صحبت کے نتیجہ میں، نفس میں موجود گندگی نکل کر نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے، اس کے بعد باطن پاک وصاف ہو جاتا ہے، باطن کی اس پاکیزگی کی حالت کو ہی شاعر نے مبالغہ سے بیان کیا ہے، عارف شاعر کے اس شعر کا غلط مفہوم لینا صحیح نہیں ہوگا۔ چونکہ متوسط صوفی یا حالت استغراق کے حامل صوفی پر محبوب کی تجلیات غالب رہتی ہیں، اس لئے دوسری چیزوں کے بارے میں اسے نسیاں ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں اس سے اس طرح کلمات صادر ہو جاتے ہیں۔

اوجھڑ جھل تے مارو بیلا جتھے جالن آئی ہو
جس کندھی نوں ڈھاہ ہمیشہ اوہ ڈھٹھی کل ڈھائی ہو
نئیں جنہاندے وہے سیراندی اور سکھ نہیں سوندے راہی ہو
ریت تے پانی جتھے ہو ون اکٹھے باہو اوتھے بنی نئیں بجھندی کائی ہو

ترجمہ: ہم جس دھرتی پر زندگی بسر کر رہے ہیں، وہ تو ویران اور تباہ ہونے والی دھرتی ہے، جس میں پہاڑ، ویرانے اور خطرناک جنگل موجود ہیں۔
جو دیوار کمزور اور بوسیدہ ہو، وہ آج نہیں تو کل ضرور گریگی، جن کے سرہانے ندی بہہ رہی ہو، وہ بھلا کس طرح سکھ کی نیند سو سکتے ہیں؟ اے باہو! جہاں ریت اور پانی جمع ہوں، وہاں بند کیسے باندھا جا سکتا ہے؟

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے اس اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ، دنیا اور دنیا کی ہر چیز فانی ہے، اصل بقا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے، وہ افراد جو اللہ کے ذکر میں مداومت اختیار کرتے ہیں، وہ اللہ کے ذکر کی وجہ سے، بظاہر مرنے کے باوجود مرتے نہیں، انکو دوام حاصل ہے، اس لئے فنا سے بچنے کی واحد صورت اللہ کے ذکر میں مستحکم ہو کر، مداومت حاصل کرنے میں پوشیدہ ہے، ویسے بھی دنیا فانی ہے، موت کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا رہتا ہے، ایسی حالت میں سکھ کی نیند سونا، عقلمندی ہرگز نہیں۔

آپ نہ طالب ہن کنہیدے لوکاں نوں طالب کردے ہو
چاون کھیپان، کردے یہپاں رب دے قہر توں نہ ڈر دے ہو
عشق مجازی تلکن بازی پیر اولے دھر دے ہو
اوہ شرمندے ہوسن باہو! اندر روز حشر دے ہو

ترجمہ: یہ جھوٹے اور جعلی پیر، (جن کا رشد وہدایت کے حقیقی سلسلہ سے تعلق نہیں) وہ ویسے ہی درگاہیں سجا کر، لوگوں کو مرید بنا رہے ہیں، ان کی خودستائی کی انتہا نہیں، خود تو اللہ کے طالب بن نہیں سکے، لوگوں کو اللہ کا طالب بنانے کی دعوا کرتے ہیں، میری نظر میں انکی حیثیت عام اور ادنیٰ فرد سے زیادہ نہیں، وہ لوگوں کو جھوٹی امیدیں اور سہارے دلا کر انہیں لوٹتے ہیں، اس طرح انکی معصومیت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ایسا کرتے وقت انہیں اللہ کے عتاب سے ڈرنا چاہئے۔
وہ مادی دنیا پر فریفتہ ہیں، مادی دنیا ایسی ہے، جو انہیں اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ اے باہو! قیامت کے دن، حشر کے میدان میں، انہیں شرمندہ ہونا پڑیگا۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے جعلی پیروں پر تنقید کی ہے اور انہیں شرمندہ کیا ہے اور ان کی فریب کاری اور مکاری کا پردہ چاک کیا ہے، اور انہیں اللہ کے عتاب سے ڈرانے کی تلقین کی ہے۔

تصوف کے نام پر اس ''دکاندارانہ روش کی وجہ سے ایک تو لوگ حقیقی اہل تصوف سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ دوم یہ کہ، اس سے عام افراد کی دین اور دنیا، غارت ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ جو ''پیر'' خود عشق حقیقی سے محروم ہوں اور اپنی نفسی قوتوں سے ناآشنا ہوں، وہ دوسروں کو کیا راہ دکھا سکتے ہیں۔

نفس کا سب سے بڑا فریب یہی ہے کہ، دولت جمع ہو اور دنیا میں عزت اور مان مرتبہ حاصل ہو اور اس کے لئے ''پیر'' بن کر درگاہیں سجائی جائیں، اس طرح دولت بھی حاصل ہو تو شہرت بھی، ایسے پیر صاحبان، دراصل اس شکاری کی مانند ہیں جو، پرندوں کی بولی سیکھ کر، انکی آواز نکالتے ہیں، تاکہ پرندے انکے بچھائے ہوئے جال میں آکر پھنس جائیں، یہ انتہائی برا عمل ہے، اس نفرت انگیز عمل کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ، اس طرح کے جعلی پیر، دولت میں کھیلتے ہیں، عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں، حالانکہ زہد اور دنیا سے بے نیازی، تصوف کے لوازمات میں سے ہے۔

اندر بھی ہو، باہر بھی ہو ، وت با ہو کتھ لبھیوے ہو
سئے ریاضتاں کر کراہاں،، توڑنے خون جگر دا پیوے ہو
لکھ ہزار کتاباں پڑھ کے دانش مند سدیوے ہو
نام فقیر تنہا ندا باہو! قبر جنہاندی جیوے ہو

ترجمہ: میرے وجود میں بھی اللہ موجود ہے تو باہر بھی وہی ہے۔

اے باہو، تم اسے کہاں تلاش کروگے، لوگ اپنا خون جگر صرف کر کے مجاہدے کرتے ہیں وہ بے شمار کتابوں کے مطالعہ سے اپنے آپ کو دانشور سمجھتے ہیں، لیکن وہ اپنے رب کے عرفان سے محروم ہی رہتے ہیں، اللہ کی یہ معرفت تو حقیقی فقیروں ہی کو حاصل ہوتی ہے، یہ وہ فقیر ہیں جو موت کے بعد بھی زندہ ہیں۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ ''درد عشق'' اور ''فنائیت'' کے ذریعہ فقر کی زندگی اختیار کرنے والوں کی زندگی ہی اصل حیاتی ہے۔ اور سب سے بڑی سعادت بھی۔ کتابی علم اور دوسری سرگرمیوں سے محبوب نہیں ملتے جب تک طالب کو دنیا واہل دنیا سے استغنا اور مال و دولت سے بے نیازی کا مقام حاصل نہیں ہوتا، اس وقت تک اسے درد عشق میں گھلتے رہنا چاہئے، اور راہ عشق میں تیز رفتاری سے چلتے رہنا چاہئے اور تھکاوٹ کے احساس کو غالب ہرگز نہیں ہونے دینا چاہئے۔

الف

اللہ چنبے دی بوٹی، میرے من وچ مرشد لاندا ہو
جس گت اتے سوہنا راضی ہوندا اوہوگت سکھاندا ہو
ہر دم یاد رکھے ہرویلے سوہنا آپ اٹھاندا بٹھاندا ہو
آپ سمجھ سمجھاندا باہو، آپے آپ بن جاندا ہو

ترجمہ: الف، (اللہ تعالیٰ کا ذاتی اسم) چنبیلی کے اس پودے کے مثل ہے، جو مرشد نے لاکر میرے دل میں بویا ہے، یہ اسم ذات کی حامل ہستی مجھے جس حال میں چاہتی ہے رکھتی ہے، وہ ہستی ہر وقت میری خبر گیری کرتی ہے، اور مجھے اٹھاتی اور بٹھاتی ہے۔

اے باہو! وہ ہستی مجھے اچھی طرح جانتی ہے، وہ مجھے خود ہی فہم اور شعور عطا کرتی ہے، اور میرے ''فنافی اللہ'' ہو جانے کے بعد، کچھ بھی باقی نہیں رہا (اب انوار الٰہی کے سوا، اور کچھ بھی باقی نہیں رہا)۔

تشریح:

اسم ذات کا ذکر جب دل میں گھر کر لیتا ہے، دل کی غذا اور اس کا حصہ بن جاتا ہے، تو طالب، ''رضا بالقضا'' کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے، محبوب اسے جس حال میں بھی رکھے، وہ اس پر راضی رہتا ہے، اس وقت محبوبِ حقیقی کی مرضی طالب کی مرضی بن جاتی ہے، یہ ایک بلند مقام ہے، جو حقیقی صوفی کو مجاہدوں کی بدولت فضل خاص سے عطا ہوتا ہے، چونکہ، طالب کو یہ مقام مرشد کی مسلسل صحبت اور اس کے زیر تربیت ملتا ہے، اسلئے طالب اپنی ذات کی مکمل نفی کر کے، اس مقام کو اپنے مرشد کی طرف منسوب کرتا ہے، سالک کی یہ عاجزانہ روش ہی ہے، جو اسے خود پرستی اور تکبر کے اثرات سے بچاتی ہے، ورنہ اس راہ میں بزرگی کا تقدس، فرد کو بڑے خطرے میں مبتلا کر کے، اسے گرانے کا ذریعہ بن سکتا ہے، اس لئے، عاشق صادق کبھی بھی درجہ اور فضیلت کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا۔

سچا طالب، شیخ سے والہانہ محبت کرتا ہے، کیونکہ اللہ کی محبت اور عشق میں اضافہ، نفسی قوتوں کو مطیع کرنے اور ذکر کے ملکہ کو مستحکم کرنے میں شیخ کی نظر کا فیض، مسلسل اس کے ساتھ جاری رہتا ہے، شیخ کے ساتھ محبت کا کم ہو جانا، یا ختم ہو جانا، یا شیخ پر اعتراض کرنے سے یہ فیض ختم ہو جاتا ہے، بالکل اس طرح جس طرح طالب، فاضل استاد پر اعتراض کرنے سے، استاد کے حقیقی فیض سے محروم ہو جاتا ہے، بلکہ، روحانی دنیا میں شیخ پر اعتراض کرنے کی سزا ان سے کئی بار سخت ملتی ہے۔

ب -

باہو باغ بہاراں کھڑیاں نرگس ناز شرم دا ہو
دل وچ کعبہ صحیح کیتوسے پاکوں پال پرم دا ہو
طالب طلب طواف تمامی، حب حضور حرم دا ہو
گیا حجاب تھیوسے حاجی باہو جدوں بخشس راہ کرم دا ہو

ترجمہ: میرے دل کی سرزمین اللہ کے فضل سے گل وگلزار ہوگئی ہے اور ایسے خوشنما پھول کھلے ہیں کہ ان کے سامنے نرگس وناز بھی شرمندہ ہیں۔ اس کی بدولت میرا دل کعبہ سے صحیح طور پر آشنا ہوا، اس طرح میرا وجود سرور اور پاکیزگی سے سرشار ہوا، میں تو صرف ''حق'' کا طالب ہوں، میرا مقصود صرف میرا محبوب ہی ہے۔ مجھ پر کعبہ اور حرم کی حقیقت واضح ہوگئی، میں ہر وقت کعبہ کا طواف کرکے، مسلسل حضوری کی حالت میں ہوں، میری نظروں سے سارے پردے دور ہوگئے، اس طرح، اے باہو! میں ایسا حاجی بن گیا ہوں، جس پر، رب کا خاص کرم اور فضل عطا ہوتا ہے۔

تشریح:

صوفی جب پوری طرح محبوب کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور نفس کی آلودگی سے اچھی طرح پاک ہوجاتا ہے، تو مستقل طور پر حاصل شدہ اس کیفیت پر وہ بے انتہا مسرور ہوتا ہے اور آپے میں نہیں سماتا، اس حالت میں، ان سے اس طرح کے مبالغہ آمیز کلمات ادا ہوتے ہیں۔ ''میں نے کعبے کو صحیح طور پر پہنچانا'' کا ایک تو یہ مطلب ہے کہ، کعبہ کی حیثیت، اللہ کے انوار کی وجہ سے ہے، اس دیوار پر جب اللہ کے انوار کی بارش ہونے لگی، تو اس کعبہ سے خلق کو فیض حاصل ہونے لگا، اور کعبے کی زیارت سے ایمانی کیفیات بڑھنے لگیں، میں نے جب، اندر کے بتوں کو صاف کرکے، اپنے دل کو اللہ کے ذکر کے نور سے سرشار کیا، تو انہی انوار کا نزول میرے دل پر ہونے لگا، جس کی وجہ سے میرا دل محبوب کے انوار حسن سے بھر گیا۔

صوفی کے حالات کے مشاہدہ سے اس طرح کے اشعار کا حقیقی مفہوم تو یہی معلوم ہوتا ہے، تاہم صوفی کے اس طرح کے اشعار کو جاہل صوفی شعائر اسلام کے خلاف بھی استعمال کرسکتے ہیں، جو غلط حرکت ہے۔

ب -

بغداد شہر دی کیا نشانی، اچیاں لمیاں چیراں ہو
تن من میرا پرزے، پرزے، جیویں درزی دیاں لیراں ہو

انہاں لیراں دی گل کفنی پاکے رَلساں سنگ فقیراں ہو
بغداد شہر دے ٹکڑے منگساں باہو کرساں میراں میراں ہو

ترجمہ: میں بغداد شہر کی کیا نشانی بتاؤں، اس شہر کی زیارت کی تمنا نے میرے دل کو پاش پاش کردیا ہے اور اندر میں زخم ہوگئے ہیں اس طلب اور فراق نے میرے تن، بدن کو درزی کی کاٹ پیٹ کی طرح، پرزے، پرزے کردیا ہے، کپڑوں کے اس چیتھڑے کی کفنی گلے میں ڈال کر میں فقیروں کی معیت میں بغداد کی گلیوں میں بھیک مانگوں گا، اور گلی گلی میں اپنے مرشد، غوث الاعظم جیلانی، پیر پیراں حضرت میراں کا نام لونگا۔

تشریح:

تصوف سے وابستہ بزرگوں میں حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کا رتبہ سب سے بلند ہے، ان سے روحانی اعتبار سے فیض حاصل کرنے کیلئے بزرگان، ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں، اور راہ سلوک میں چلنے والے طالبوں کی حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے والہانہ محبت، دراصل اللہ کے لئے ان کے غیر معمولی مجاہدوں اور ان کے بلند مقام کی وجہ سے ہے۔ اس محبت کی وجہ سے ان کے فیوض وبرکات سے بہرہ وری کی صورت پیدا ہوتی ہے، اس معاملہ میں بعض صوفیاء میں جو غلو پیدا ہوتا ہے، محبت کے جذبہ شدت کی وجہ سے وہ معذور سمجھے جائیں گے۔

ب -

بغداد شریف ونج کراہاں سودا، نے کیتوسے ہو
رتی عقل دی کراہاں بھار غماں دا گدھو سے ہو
بھار بھریرا منزل چوکھیری اوڑک ونج پہنونسے ہو
ذات صفات صحیح کتو سے جدباہو! تاں جمال لدھو سے ہو

ترجمہ: ہم نے بغداد جاکر ایسا کاروبار کیا ہے، جس میں ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوا، یعنی ہم نے حضرت پیران پیر کو اپنا مرشد بنایا۔ ہمیں عقل تو رتی کے برابر بھی نہیں، لیکن ہم نے جو سودا کیا ہے، وہ بڑا وزن دار ہے، بھاری غموں کا بار ہم نے خرید لیا ہے، ہماری عقل، اتنا بھاری دکھ، اور اتنا سخت بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں، اور اس بوجھ سے، دور کی منزل پر رسائی، تو بہت ہی مشکل تھا، لیکن جس سے ہم نے کاروبار ہے، اس نے ہمیں اس بوجھ سے صحیح سلامت منزل تک رسائی حاصل کرنے میں مدد کی۔

اے باہو! ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرنے کے بعد ہی، ہم جمالِ الٰہی سے فیضیاب ہوئے۔

تشریح:

عقل کو اللہ والوں کے حوالے کرنا، اللہ والوں سے عقل کا سودا کرنا، اس طرح دل کی سلامتی کی نعمت حاصل کرنا، یہ تو سراسر منافع بخش سودا ہے، یہ سودا کرنے والا فرد ہی خوش نصیب ہے، عشق کے سفر میں عقل کو ساتھ لینا، یہ بہت بڑی نادانی ہے، کیونکہ ''عقل''، دنیا اور مادی نفع نقصان سے بالا ہو کر سوچنے کیلئے تیار ہی نہیں۔

منتہی طالب کا حضرت عبدالقادر جیلانی سے روحانی طور پر جو ربط رہتا ہے، یہاں اس کا بھی ذکر ہے۔

صوفی کی حضرت عبدالقادر جیلانیؒ جیسی عظیم المرتبت شخصیت سے اظہار محبت میں غلو ہوتا ہے، اس معاملہ میں ہمیں اسے معذور سمجھنا چاہئے۔

ب -

باہجھ حضوری نہیں منظوری توڑے پڑھن بانگ صلاتاں ہو
روزے نفل نماز گذارن توڑے جاگن ساریاں راتاں ہو
باہجھوں قلب حضور نہ ہو وے توڑے کڈھن سئے زکواتاں ہو
باہو! باہجھ فنا، رب حاصل ناہیں ناں تاثیر جماعتاں ہو

ترجمہ: حضوریٔ قلب کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی، چاہے اذانیں دیکر نمازیں پڑھی جائیں، اگر عبادت میں قلب حاضر نہیں، دل معبود کی یاد سے غافل ہے، تو روزے رکھنا اور نفل نمازیں ادا کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، یہ سارے اعمال، دل کی حضوری اور خلوص کے بغیر قابل قبول نہیں، چاہے ساری رات جاگ کر، ورد وظائف سے کام لیا جائے یا اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔

اے باہو! باجماعت نماز ادا کرنے سے بھی (جو بے دھیانی سے ادا کی جائے)'' رب نہیں ملتا، اپنے ہستی کی ''نفی کر کے'' خود کو ''فنا'' کرنے سے ہی اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

تشریح:

ان اشعار میں بظاہر، نماز، اوراد، وظائف اور روزوں کی نفی کی گئی ہے، لیکن حقیقت میں، یہاں نماز اور دوسری عبادتوں میں للھیت پر زور دیا گیا ہے، چونکہ، صوفی خود تاحیات نماز کا پابند ہوتا ہے، اسلئے صوفی شاعروں کے اس طرح کے اشعار جو حالتِ سکر میں ان سے سرزد ہوتے ہیں، انہیں شریعت کے خلاف استعمال کرنا غلط ہے۔

جو صوفی شعور اور ادراک کی حالت میں، نماز، اور روزے کی نفی کرتے ہیں، وہ ملحد ہیں، اور سخت سزا کے مستحق ہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں، جو کسی صورت میں معاف نہیں ہو سکتے۔ نماز اور روزے کی ایک اہمیت تو یہ ہے کہ انہیں خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے، اگر خشوع و خضوع پیدا نہیں ہوتا، تو اپنے نفس پر جبر کر کے بھی ان فرائض کی ادائیگی سے بڑا ثواب ملتا ہے۔ کچھ بزرگوں کا کہنا ہے کہ نفس کے نہ چاہنے کے باوجود، نماز اور روزے کی پابندی کرنے سے دوہرا ثواب ملتا ہے، ایک تو، فرض کی ادائیگی کا ثواب، دوسرے، نفس پر جبر کر کے، اس سے اللہ کے فرائض کی ادائیگی کا ثواب۔

ب -

بے ادباں ناں سار ادب دی، گئے ادباں توں وانجے ہو
جیہڑے تھاں مٹی دے بھانڈے، کدی نہ ہوندے کانجے ہو
جیہڑے مڈھ قدیم دے کھیڑے، کدی نہ ہو ندے رانجھے ہو
جیں دل حضور نہ منگیا باہو ، گئے دو نہیں جہانیں وانجے ہو

ترجمہ: بے ادب افراد کو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے مقام اور مرتبے کی بلندی کا کیا علم؟ بزرگوں کا ادب نہ کرنے کی وجہ سے انہیں دین و دنیا کا کوئی نفع ملنا مشکل ہے، جس طرح مٹی کے برتن کو چاہے کتنا ہی رگڑ کر صاف کریں، وہ شیشے کے برتن کی طرح نہیں چمکتا۔

جو شروع ہی سے کھیڑے ہوں یعنی ''مردہ دل'' (لوک داستان ہیر رانجھا'' کا ایک کردار) وہ کبھی بھی ''رانجھے'' یعنی ''حق شناس'' نہیں بن سکتے۔ اے باہو! جو دل کی حضوری، کی طلب و چاہت نہیں رکھتے، ان کے لئے دونوں جہانوں میں خواری ہے۔

تشریح:

اللہ والوں کی بے ادبی کرنا، یا بزرگوں کو حقیر سمجھ کر، دل میں ان سے نفرت کرنا، یہ ایسا مرض ہے، جس سے سینکڑوں نئے امراض پیدا ہوتے ہیں، بے ادب فرد، بظاہر چاہے کتنا بھی عالم دانشور ہو، لیکن وہ حقیقی فیض سے محروم رہتا ہے، اس سے باطنی بیماریوں کا ادراک سلب کر دیا جاتا ہے، قلبی سکون چھن جاتا ہے، نفرت، اس کے مزاج کا حصہ بن جاتی ہے۔ بے ادب فرد کی مثال، صحرا میں پانی کی تلاش میں بھٹکنے والے فرد کی سی ہے، جو مسلسل دوڑ بھاگ کر آخر کار موت کا شکار ہو جاتا ہے، اس لئے ریگستان میں پانی کہاں مل سکتا ہے، سراب پر فرد کو پانی کا گمان ہوتا ہے۔ روحانی اطمینان، نفس کا تزکیہ، اور باطنی بیماریوں کا علاج، محض علم اور دانشوری سے نہیں ہوتا، اس کیلئے کسی اللہ والے کی معیت کا حاصل ہونا ضروری ہے، اس کے سامنے آداب بجالا کر اس سے فیض حاصل کرنا چاہئے۔

ب -

بزرگی نوں گھت ندی لڑھایئے، ملئے رج منہ کالا ہو
لاالہ گل گہنا مڑھیا، مذہب کیہ لگدا سالا ہو
الا اللہ گھر میرے آئیا، جیں آن اٹھایا پالا ہو
اسان بھر پیالہ خضروں پیتا باہو آب حیاتی والا ہو

ترجمہ: اپنی بزرگی اور بڑائی کے احساس کو دل سے نکال کر، دریا میں غرق کردو، اپنے چہرے پر مٹی ڈال کر، مسکینوں کے ساتھ مل کر، ان کی راہ پر چلنا شروع کرو (یعنی راہ حق کے مسافروں کو دنیاوی طمع اور لالچ، عیش پسندی والی عادات کو ترک کردینا چاہئے، بزرگی کا دعویٰ، راہِ حق کے مسافر کو نہیں سجتا) اس سے زیادہ میرے گلے میں ''لاالہ'' کا زیور ڈال دیا گیا ہے، مذہب کا مجھ سے مطالبہ کیا ہے؟

''لاالہ'' کے بعد، الااللہ کے اقرار نے میرے دل سے سارے وہم، وسوسے نکال دیئے، خوف اور خطرے ختم ہو جانے کے بعد، اب مجھے ''غیر اللہ'' کا کوئی ڈر باقی نہیں رہا۔

''فنا فی اللہ'' ہو جانے کے بعد، اے باہو! اب باقی بااللہ کا مقام آگیا ہے، جیسے ہم نے خواجہ خضر سے، آب حیات کا پیالہ لے کر پیا ہو۔

تشریح:

کلمہ کے مسلسل تکرار اور، اللہ کے لگاتار ذکر کی بدولت، عاشق کو نئی زندگی ملتی ہے، وہ ایسی زندگی ہے، جس پر سینکڑوں مادی زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں۔ اس زندگی کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ، فرد کے دل سے حرص وہوس کے سارے بت نکل جاتے ہیں، محبوب حقیقی کی رضا پر راضی رہنے کی نفسیات پختہ ہو جاتی ہے، دل ہر طرح کے خوف وخطرات سے آزاد ہو جاتا ہے، شریعت کے مطابق زندگی گذارنا، فرد کی اولین ترجیح بن جاتا ہے۔ یہی تو ''آب حیات'' ہے، جو عاشق کو طویل عرصہ کی جدوجہد اور مسلسل ریاضتوں کی بدولت، اللہ کے فضل خاص سے عطا ہوتی ہے، راہ عشق سے باہر کے افراد کو اگر اس آب حیات کی معمولی شدوبد بھی ہو جائے تو وہ اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے لئے ساری دولت نچھار کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

ب -

بسم اللہ، اسم اللہ دا، ایہہ بھی گناں بھارا ہو
نال شفاعت سرور عالم ، چھٹسی عالم سارا ہو

حدوں بے حد، درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تے، جیندا ایڈ پسارا ہو
میں قربان تنہاں توں باہو! جنہاں ملیا نبی سونہارا ہو

ترجمہ: ''بسم اللہ''، اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ہے، اسم ذات کا یہ ذکر ایک ایسے زیور کی طرح ہے، جو بہت بڑی قدر وقیمت کا حامل ہے، اس ذکر پر مداوت کا مطلب گویا عاشق کو سب کچھ نصیب ہو گیا۔

اس ''ذکر کا حاصل سرور عالم، نبی کریم ﷺ کی مخلصانہ اطاعت ہے، جن کی پر نور ذات کی بدولت روز قیامت، ہم گنہگاروں کو شفاعت نصیب ہو گی، غموں سے چھٹکارا ملے گا۔

میں ان گنت درود اور سلام بھیجتا ہوں، نبی پاک ﷺ کی خدمت میں، جنکے لئے یہ پوری کائنات تخلیق ہوئی۔ اے باہو! میں ان لوگوں پر قربان ہو جاؤں، جن کو نبی پاک ﷺ کی حضوری کا شرف حاصل ہوا ہے۔

تشریح:

اسم ذات کا ذکر، بڑی فضیلت کا حامل ہے، اس ذکر کو اپنا وظیفہ بنانے والے افراد، دنیا کے خوشنصیب افراد میں شامل ہیں، اس ذکر میں مداومت کا مطلب، گویا عاشق کو پوری کائنات مل گئی، اس ذکر کا حاصل، رسول اللہ ﷺ کی مخلصانہ اطاعت ہے، ان کی لائی ہوئی شریعت پر مخلصانہ طور پر عمل کرنے کی قوت کا حاصل ہونا ہے، بزرگوں کا کہنا ہے کہ، اسم ذات اور لاالہ الااللہ کے کثرت کے ساتھ ذکر کے علاوہ، کوئی چیز ایسی نہیں، جس سے اسلامی شریعت پر اخلاص اور استقامت کے ساتھ عمل کرنے کی استعداد حاصل ہو، اسم ذات کے ذکر میں ایسی خاصیت موجود ہے کہ وہ نفسانی قوتوں کو فنا کر کے، شریعت پر عمل کرنے کو آسان بناتا ہے۔

ب -

بنھ چلایا طرف زمین دے عرشوں فرش ٹکایا ہو
گھر تھیں ملیا دیس نکالا اسان لکھیا جھولی پایا ہو
رہ نی دنیا، ناں کر جھیڑا، ساڈا اگے دل گھبرایا ہو
اسان پردیسی، ساڈا وطن دوراندا باہو دم دم غم سرایا ہو

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں، عرش کی بلندیوں سے لاکر، فرش پر پہنچا یا دیا ہے، ہمیں دیس نکالی نصیب ہوئی (روحوں کا اصل وطن عالم بالا ہی ہے) جو ہماری قسمت میں لکھا ہوا تھا، وہ جھولی میں آیا۔ اے دنیا، ہم سے دور ہو جا! ہم سے جھگڑا نہ کر، وطن سے دوری کے

دکھ میں دل پہلے ہی زخمی ہے، ہم مسافر، اے باہو! وطن بہت دور ہے، دکھ ہر لمحہ بڑھتا جارہا ہے۔

تشریح:

عاشق کی روح محبوب کے لئے ہر وقت بے تاب رہتی ہے۔ ہر انسان کے دل میں ''قالوا بلیٰ'' کی صدا کی گونج موجود ہے، لیکن مادی دنیا کی لذتوں میں کھو کر، نفسانی قوتوں کے حاوی ہو جانے اور حرص وہوس کی دلدل میں پھنس جانے کی وجہ سے نہ تو دل میں موجود، یہ گونج سنائی دیتی ہے، نہ ہی اس پر غور فکر کی صورت پیدا ہوتی ہے، لیکن اللہ والوں کو مجاہدوں کی برکت سے یہ صدا، تازہ صورت میں بلند ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ''قالوا بلیٰ'' کی اسی صدا پر، وہ محبوب کے لئے، فدا ہو کر، اس انوارِ حسن سے فیضیاب ہوتے ہیں، عاشق محبوب کیلئے ہمیشہ بیقرار رہتے ہیں۔

ب -

بے تے پڑھ فاضل ہوئے ہک حرف نہ پڑھیا کسے ہو
جیں پڑھیا تیں شوہ نہ لدھا جاں پڑھیا کجھ شے ہو
چوداں طبق کرن رشنائی انھیا کجھ نہ دسے ہو
باہجھ وصال اللہ دے باہو! سبھ کہانیاں قصے ہو

ترجمہ: لوگ، الف، ب، ت پڑھکر، خود کو عالم فاضل سمجھنے لگتے ہیں، لیکن وہ اس ایک لفظ کو نہیں پڑھتے، جو معرفتِ الٰہی تک رسائی کا ذریعہ ہے، جنہوں نے یہ لفظ پڑھا، مگر رب کا عرفان حاصل نہ کیا، وہ اس نعمت سے محروم ہیں (جس سے دل کو سکون ملے) وہ بے چین رہتے ہیں، گویا ان کی پیاس بجھی نہیں۔

عارفوں کے دل پر، پوری کائنات روز روش کی طرح عیاں ہے، مگر جو دل کے اندھے ہیں، انہیں تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اے باہو! اللہ کے وصال کے علاوہ ساری باتیں قصے اور کہانیاں ہیں۔

تشریح:

اللہ کے ذاتی نام کا ذکر، جو زندگی کو تبدیل کرنے میں بنیادی کردار کرتا ہے، فرد چاہے ظاہری علم میں کتنا ہی آگے ہو، بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا ہو، ان گنت تعلیمی ڈگریوں کا حامل کیوں نہ ہو، لیکن اگر، اللہ کے اس ذکر پر محنت مجاہدے نہیں کئے، تو اس کا علم، کسی اہمیت کا حامل نہیں، ایسا فرد، انسانی اوصاف اور اخلاق حسنہ کا حامل نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ حسین اوصاف، ''حسن اعلیٰ'' کی ہستی کے ذکر کے تکرار کے نتیجہ میں ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ اللہ

کی سنت یہی ہے۔ اللہ کی نظر میں، اور خود دنیا والوں کی نظر میں، اللہ والوں کی اہمیت اسی لئے ہے، اس لئے وہ کثرتِ ذکر کے ذریعہ حقیقی حسن کے اجزاء سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ قرآن وحدیث میں اللہ کے کثرت ذکر پر زور ہے۔

ب -

بوہتی مئیں اوگن ہاری، لاج پئی گل اُس دے ہو
پڑھ پڑھ علم کرن تکبر، شیطان جیوں اتھے مسدے ہو
لکھاں نوں بھئو دوزخ والا ہک نت بہشتوں رسدے ہو
عاشقاں دے گل چھری ہمیشہ باہو، اگے محبوباں دے کسدے ہو

ترجمہ: میں گناہوں میں غرق ہوں اور بے حد خطاکار، مجھ سے ان گنت خطائیں سرزد ہوئی ہیں، لیکن میری عزت اور لاج، اللہ کے ہاتھ میں ہے، جو غفور الرحیم اور ارحم الراحمین ہے، وہی میرے عیبوں پر پردہ ڈالے گا، جو عالم، اپنے علم پر غرور کرتے ہیں، وہ شیطان کی طرح رب تعالیٰ کی درگاہ سے دھتکارے جاتے ہیں۔ لاکھوں افراد ایسے ہیں، جو دوزخ کے خوف سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اور بہت سارے افراد ایسے بھی ہیں، جن کو جنت کی خواہش نہیں، وہ صرف اپنے ''رب'' کی رضا کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔

اے باہو! عاشق کے گلے پر تو ہر وقت چھری رہتی ہے، اسے محبوب کے ہاتھوں قربان ہونے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔

تشریح:

اللہ کے خوف سے، اللہ کی عبادت کرنا، یہ ایک اچھا عمل ہے، قرآن پاک میں اللہ سے ڈرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے، لیکن چونکہ، صوفیوں کا پورا سفر، عشق ومحبت کا سفر ہے، اسلئے ان کے ہر عمل کا مقصود، محبوب کی رضا ہوتی ہے۔ جنت کی طلب اور دوزخ سے بچاؤ کی دعائیں اور جہنم سے پناہ مانگنا، یہ سب بندہ مؤمن کی خصوصیات میں شامل ہیں۔ لیکن چونکہ صوفیاء پر عشق کا رنگ غالب ہوتا ہے، اس لئے ان کی سوچ کا مرکز عشق اور محبوب کی رضا ہی ہوتا ہے۔

پ -

پڑھ پڑھ علم ملوک رجھاون کیا ہو یا اس پڑھیاں ہو
ہرگز مکھن موں نہ آوے پھٹے ددھ دے کڑھیاں ہو
آکھ چنڈرا ھتھ کی آئیو اس انگوری چنیاں ہو
ہک دل خستہ رکھیں راضی باہو، لیسن عبادت ورھیاں ہو

ترجمہ: بادشاہوں اور مالداروں کا دل بہلانے اور ان کا قرب حاصل کرنے کیلئے اگر علم حاصل کیا گیا، تو وہ علم، کس کام کا؟ بھلا کبھی ایسا ہوا ہے کہ، پھٹے ہوئے دودھ کو ابالنے سے مکھن نکلے، ایسا ناممکن ہے، اے بدبخت! کچے انگور توڑنے سے کیا حاصل، بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔

اے باہو! بادشاہوں کو راضی کرنے سے لاکھ درجہ بہتر یہ ہے کہ، تم ایک دل شکستہ فرد کی دل جوئی کر کے اسے راضی کرو تمہیں اس خدمت کا اجر برسوں کی عبادت کے برابر ملیگا۔

تشریح:

''علم کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، صوفیاء حالت سکر کے غلبہ میں ایسا کرتے ہیں، علم کے ذریعہ محبوبِ حقیقی کے احکام سے واقفیت ہوتی ہے، جبکہ عشق کے ذریعے محبوب سے وصال حاصل ہوتا ہے۔ علم اور معرفت میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔ دونوں کی اہمیت مسلمہ ہے۔ دونوں ایک دوسری کی تقویت کا ذریعہ ہیں۔ صوفیاء کے حالت سکر کے کلام کو غلط مقاصد کے لئے استعمال کرنا بہت بُری حرکت ہے۔

پڑھ پڑھ علم کرن تکبر حافظ کرن وڈیائی ہو
گلیاں دے وچ پھرن نمانے وتن کتاباں چائی ہو
جتھے ویکھن چنگا چوکھا اوتھے پڑھن کلام سوائی ہو
دونہیں جہانیں باہو سوئی مٹھے جنہاں کھادی وِیچ کمائی ہو

ترجمہ: عالم، علم حاصل کر کے تکبر کرتے ہیں، اور قرآن مجید حفظ کر کے، اس پر غرور کرنے لگتے ہیں، ان کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے کوئی نادان کتابوں کا ڈھیر لاد کر، گلی، گلی، پھرتا ہو، اور جہاں بھی ترنوالا دیکھے، وہاں دکھاوے کیلئے بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرتا رہے، تاکہ ان کی نیکی اور پاکبازی کا رعب اور چرچا ہو۔

اے باہو! حقیقت تو یہ ہے کہ، جن لوگوں نے اپنی عمر بھر کی کمائی کو، اپنی نفسانی خواہش کے عوض بیچ دیا، وہ دونوں جہانوں میں رسوا ہوئے۔

تشریح:

ایسا علم، جس میں حق کا انکار، اور نفس پرستی ہو، ''قرآن'' اس علم کو گدھے پر بوجھ لادنے کے برابر قرار دیتا ہے، جبکہ، وہ ''علم'' جو بندے کو اللہ تک رسائی حاصل کرنے میں مدد دیتا ہو، ایسے علم کی قرآن میں تعریف کی گئی ہے، ''انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء'' جیسا اوپر بیان ہوا کہ علم کی نفی صحیح نہیں، اس سلسلہ میں عشق کے غلبہ کی وجہ سے حالت سکر پر

مشتمل صوفیاء کا کلام شطحیات میں شمار ہوتا ہے۔ ہر چیز کو پرکھنے کا معیار قرآن وسنت ہے، نہ کہ صوفیاء کا کلام یا ان کے پیش کردہ نکات۔

پ -

پڑھ پڑھ علم مشائخ سداون کرن عبادت دوہری ہو
اندر جھگی پئی لٹوے تن من خبر نہ موری ہو
مولا والی سدا سکھالی توں دل توں لاہ تکوری ہو
باہو! رب تنہاں نوں حاصل جنہاں جگ ناں کیتی چوری ہو

ترجمہ: پڑھ، پڑھ کے لوگ، ''مشائخ'' کے درجے پر فائز ہو جاتے ہیں، اور بڑھ چڑھ کے عبادات بھی کرتے ہیں، لیکن نفسانی خواہشوں کے غلام ہیں۔ اسی دنیاوی لالچ حرص وحسد کے نتیجے میں، ان کے نیک اعمال ضایع ہو جاتے ہیں، لیکن انہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔

اے نادان! تم اپنے دل پر پڑے ہوئے غفلت کے پردے ہٹاؤ تو تمہیں اندر سے راستہ نظر آئے گا، اور تم اس پر چل پڑو۔

''اللہ'' جو سب کا خالق اور والی ہے، تم اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلو، تو وہ تمہارے سارے کام آسان کر دے گا۔

اے باہو! اللہ کی معرفت تو انہی کو حاصل ہوتی ہے، جو اپنے نفس کی خواہش پر نہیں چلتے، اور جو اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت نہیں کرتے۔

تشریح:

نفس قوتوں کو فنا کرنے کا مؤثر طریقہ، درد عشق کے ذریعہ سلوک کا سفر کا طئے کرنا ہے۔ درد عشق کی دنیا میں سالک پر روزانہ کئی بار، محبوب کی جلالی صفات کی تجلیات گرتی رہتی ہیں، جس سے اس کے دل میں حشر برپا رہتا ہے اور اس کی آہ وبکا کا یہ سلسلہ، طویل عرصے تک جاری رہتا ہے، اس طرح اس کی نفسی قوتیں اور نفس میں موجود حرص وحسد اور ہوس جیسی تباہ کن بیماریاں، اللہ کی جلالی صفات کی تجلیات کے زیر اثر خاکستر ہو جاتی ہیں، اسلئے محض علم پر اکتفا کر کے بیٹھ جانا، دانشمندی نہیں ہے، علم کے ساتھ عشق بھی ضروری ہے، عشق، فرد کو کردار کے اعتبار سے حسین تر بناتا ہے۔

پڑھ پڑھ علم ہزار کتاباں عالم ہوئے بھارے ہو
اک حرف عشق دا پڑھ نہ جانن بھلے پھرن بچارے ہو
اک نگاہ جے عاشق ویکھے لکھ ہزاراں تارے ہو

لکھ نگاہ جے عالم ویکھے کسے نہ کندھی چاڑھے ہو
عشق عقل وچ منزل بھاری سئیناں کوہاندے پاڑے ہو
جنہاں عشق خرید نہ کیتا باہو اوہ دونہیں جہانیں مارے ہو

ترجمہ: لوگ، بہت ساری کتابوں کے ذریعہ علم حاصل کرتے ہیں، بڑے عالم بن جاتے ہیں، لیکن ''عشق'' کا ایک لفظ نہیں پڑھتے اور اس پر محنت نہیں کرتے، اس لئے وہ غفلت اور گمراہی میں مبتلا ہیں، اپنے ظاہری علم پر فخر اور غرور کرنا، نادانی کی بات ہے، ان نادانوں کو علم نہیں کہ، عاشق کی ایک نگاہ، سے بہت سارے گمراہوں کو راہ ہدایت نصیب ہوتی ہے ان کی نگاہ، غفلت کے دریا میں ڈوبنے والوں کو، دریا پار کراکے سلامتی کے ساتھ منزل پر پہنچاتی ہے، جبکہ ''عالم'' کی بے شمار نگاہوں سے بھی ساحل مراد پر پہنچنا مشکل ہوتا ہے، عشق اور عقل ایک دوسرے سے جداگانہ راہیں ہیں، دونوں کے درمیاں سینکڑوں کوس کا فاصلہ ہے۔ جنہوں نے عشق کا سودا نہیں کیا، اے باہو! وہ دونوں جہانوں میں خسارے میں رہے۔

تشریح:

اسلامی نقطہ نگاہ سے علم بھی ضروری ہے، تو عشق بھی، محض علم پر اکتفا کرنا، علم کو حرفِ آخر سمجھنا، عشق کے ذریعہ، محبوب حقیقی کے وصال کیلئے کوششیں نہ کرنا، یہ سراسر نادانی ہے، عشق کے ساتھ، اگر کوئی صوفی اسلامی علم سے محروم ہے، تو ایسا صوفی بعض اوقات کیفیات یا کشف کو مقصود سمجھکر، اسلامی شریعت کو غیر اہم سمجھنے لگتا ہے، اور اپنے کشف کو، علم یقین کی حیثیت دیکر، اس کا پرچار کرنے لگتا ہے، ایسے جاہل صوفی گمراہی کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ جتنا عشق اہم ہے، اسلامی علم بھی اس سے کم اہم نہیں ہے۔ اسلامی شریعت کا علم، صوفی کو اسلامی شریعت کے دائرے میں رکھکر، شرعی حدود کا پابند بناتا ہے، اس طرح تصوف میں کیفیات، تصرفات اور روحوں سے رابطہ وغیرہ کے حوالے سے ذاتی مشاہدے گمراہی کا ذریعہ نہیں بنتے۔

پڑھیا علم تے ودھی مغروری عقل بھی گیا تلو نہاں ہو
بھلا راہ ہدایت والا نفع نہ کیتا دونہاں ہو
سر ڈتیاں جے سر ھتھ آوے سودا ہار نہ توہاں ہو
وڑیں بازار محبت والے باہو کوئی رہبر لے کے سوہاں ہو

ترجمہ: لوگ پڑھ، پڑھ کر علم حاصل کرتے ہیں، اس سے ان میں علمی زعم اور غرور پیدا ہوتا ہے اور عقل، صحیح طور پر کام کرنے سے قاصر ہو جاتی ہے۔
بالآخر وہ راہ ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں، اس طرح علم انہیں دین اور دنیا کے نفع سے بہرہ ور نہیں کر پاتا۔
اے راہِ ہدایت کے طلبگار! اگر جان کی قربانی سے، (راز الٰہی) ہاتھ آجائے تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ اے باہو، راہ محبت میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے ہو تو، ایسے رہبر کی معیت اختیار کرو، جو راستے سے پوری طرح آشنا ہو۔

تشریح:

عارف شاعر کے کلام کے ان اشعار میں، اور دوسرے کئی اشعار میں، علم کی نفی کا تاثر ملتا ہے، جبکہ قرآن پاک کی پہلی آیت، ''اقراء باسم ربک'' سے شروع ہوتی ہے، اور کئی احادیث مبارکہ میں علم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ، ''عالم کی فضیلت، عابد پر ایسی ہے، جیسی چودھویں کے چاند کی فضیلت ستاروں پر ہوتی ہے۔''

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ، ''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے، جیسی میری فضیلت تم میں کے ایک ادنی مسلمان پر ہے۔'' دراصل علم کی فضیلت، اس علم پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے، ورنہ ایسا علم، جس پر عمل نہ ہو، یا جس علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا جائے، ایسا علم، عالموں کیلئے وبال کے ساتھ ساتھ، ان کے لئے بدنامی کا موجب بھی ہے۔

پاک پلیت نہ رہندے ہرگز توڑے رہندے وچ پلیتی ہو
وحدت دے دریا اچھلے ہک دل صحیح نہ کیتی ہو
ہک بت خانے جا واصل ہوئے ہک پڑھدے رہن مستی ہو
فاضل سٹ فضیلت بیٹھے باہو عشق نماز جاں نیتی ہو

ترجمہ: پاکباز لوگ، دنیا کی آلودگیوں میں رہتے ہوئے بھی، گندگی سے بچے ہوئے اور پاکدامن رہتے ہیں۔ وحدت کا دریا تو پورے جوش سے رواں دواں ہے، لیکن اکثر لوگ، اس کی روانی سے بے خبر ہیں۔ اس دنیا میں اللہ کے ایسے بندے بھی موجود ہیں، جو بت خانے میں رہتے ہوئے بھی حق سے واصل ہوتے ہیں، اور کچھ مسجدوں میں عبادت کرتے ہی رہ جاتے ہیں۔

کتنے ہی عالم فاضل ایسے ہیں، کہ جب وہ عشق کی نماز کی نیت کرتے ہیں تو، اپنے سر سے فضیلت کی دستار اتار پھینکتے ہیں۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے اس بات کی طرف نشاندہی کی ہے کہ، نفس کا بت خانہ، جو سب سے بڑا بت خانہ ہے، اس کے قریب رہنے کے باوجود، اللہ والے اس بت کو پاش پاش کر دیتے ہیں اور نفس کا یہ بت ان کے لئے محبوب حقیقی کے ذکر اور وصال کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔

دوسرا یہ نکتہ عارف شاعر نے بیان کیا ہے، کہ جب کوئی عالم فاضل اور دانشور، عشق کی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔

تو وہ پہلے ہی مرحلے میں اپنی فضیلت اور مان مرتبہ سے دستبردار ہو جاتا ہے، عشق کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ فرد میں فنائیت، انکساری اور عاجزانہ مزاج پیدا کرتا ہے۔

پیر ملیاں جے پیڑ نہ جاوے اس نوں پیر کیہ دھرناں ہو
مرشد ملیاں ارشاد نہ من نوں، اوہ مرشد کیہ کرناں ہو
جس ہادی کولوں ہدایت ناہیں اوہ ہادی کیہ پھڑناں ہو
جے سر دتیاں حق حاصل ہووے باہو اس موتوں کی ڈرناں ہو

ترجمہ: اگر بزرگ کی صحبت کے باوجود اذیتوں کا خاتمہ نہ ہوا اور روحانی سکوں حاصل نہ ہو تو کیا فائدہ؟ ثابت ہوا کہ یہ پیر، پیر کامل نہیں ہے۔ اگر مرشد کی صحبت کے باوجود بھی رشد وہدایت حاصل نہ ہو، تو ایسے مرشد کو کیا کرنا ہے۔ جس ہادی سے ہدایت حاصل نہ ہو، اس کی صحبت سے کیا حاصل؟ اے باہو! اگر سر کی قربانی سے، حق تعالیٰ کا قرب ووصال حاصل ہو تو، ایسی موت سے کیا ڈر؟

تشریح

اگر کسی بزرگ نما، شخصیت سے اپنے دل کا سودا کیا جائے اور اس کی صحبت اختیار کی جائے، اس صحبت کے نتیجے میں اگر طالب کی زندگی میں بنیادی تبدیلی واقع نہ ہو، اس کی زندگی کے رنگ ڈھنگ اور فکر میں انقلاب برپا نہ ہو، سوائے وقتی اور نفسیاتی کیفیات کے، تو آخر ایسے بزرگ نما صوفی اور ہادی کا کیا فائدہ؟ معلوم ہوا کہ ایسا فرد بظاہر تو بزرگ ہے، لیکن اپنے نفس کو حالت فنا سے گزار کر حالت بقا میں لانے میں ناکام ہے، وہ قبل از وقت بزرگی کی مسند پر فائز ہے۔

ایسا بزرگ، افراد میں کچھ وقتی کیفیات تو پیدا کر سکتا ہے، لیکن وہ ان کی صحیح تربیت کرنے، اور ان کے تزکیہ نفس کی صلاحیت سے محروم ہے۔

پاٹا دامن ہویا پرانا کچرک سیوے درزی ہو
حال دا محرم کوئی نہ ملیا جو ملیا سو غرضی ہو
باہجھ مربی کسے نہ لدھی گجھی رمز اندر دی ہو
اوس راہ ول جایئے باہو جس تھوں خلقت ڈردی ہو

ترجمہ: میرے دامن میں نیکیاں اور برائیاں زیادہ ہیں، دامن نیک اعمال سے خالی ہے، پر پوشیدہ کپڑا جو سینے کے قابل ہی نہ ہو، اسے درزی کس طرح سیئے۔ میرا یہ حال کیسے ہوا؟ اس لئے کہ کوئی محرم راز نہ ملا، جو بھی ملا، وہ خود غرض نکلا۔ میرے اس حال میں کیا اسرار پوشیدہ ہیں، اس بات کو میرا مربی ہی بخوبی سمجھتا ہے۔ راہ حق وراہ سلوک پر استقامت سے چلنا مشکل ہے، اہل ایمان سخت آزمائش میں ہیں، اور راستہ خطروں سے پُر ہے۔

اے باہو! ہمیں اسی مشکل راہ پر سفر کرنا ہے، جس پر چلنے سے مخلوق ڈرتی ہے۔

تشریح

یہاں ہر ''مبتدی سالک'' کے حال کی نشاندہی کی گئی ہے، جسے، عشق کی دنیا میں داخل ہونے کے بعد، خود کو اہل اللہ کے حوالے کرنے کے بعد، اپنے دل کے آئینے میں، زندگی بھر کی غلطیوں اور سیاہ کاریوں کے عکس نظر آتے ہیں، وہ جوں جوں اس سفر میں آگے بڑھتا ہے، اسی حساب سے اسے نفس کی شدید قوتوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، نفسی قوتیں اسے اللہ کی راہ پر پیش قدمی سے روکتی ہیں، لیکن حوصلہ مند طالب کا کام ہے کہ وہ ہمت وحوصلے کے ساتھ، محبوبِ حقیقی کی راہ پر ثابت قدمی سے چلتا رہے۔

پنجے محل پنجھاں وچ چانن دیوا کت ول دھریئے ہو
پنجے مہر پنجے پٹواری حاصل کت ول بھریئے ہو
پنجے امام تے پنجے قبلے سجدہ کت ول کرلیئے ہو
باہو! جے صاحب سر منگے، ہرگز ڈھل نہ کرلیئے ہو

ترجمہ: پانچ محل ہیں، اور پانچوں ہی روشن ہیں، ہم اپنی محبت کا چراغ جلا کر کہاں رکھیں؟ پانچ مختیار کار ہوں اور پانچوں ہی پٹواری ہوں، تو پھر محصول کس کے پاس جمع

کروائیں؟ پانچ امام ہوں اور پانچ قبلے ہوں تو پھر کس طرف رخ کر کے، سجدہ کریں اور امام کے پیچھے نماز پڑھیں۔

گویا میرے سارے حواس (ظاہری اور باطنی) صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مختص ہو گئے ہیں، حق تعالیٰ کی معرفت بہت بڑا رتبہ اور باعزت مقام ہے۔ اے باہو! اگر سچا صاحب (اللہ تعالیٰ) سر مانگے تو بلا دریغ اسے دے دینا چاہئے، اس میں تاخیر ہر گز نہ کرنی چاہئے۔

تشریح

ان اشعار میں عارف شاعر کا پیغام یہ ہے کہ، مسلک کے اماموں، علماء کرام اور دنیاوی علوم وفنون کے ماہرین سے مختلف معاملات میں رہنمائی ضرور حاصل کی جائے، لیکن ساتھ ہی عشق حقیقی کے بھی کچھ اجزاء ضرور حاصل کرنے چاہئیں، کیونکہ ''عشق'' زندگی گذارنے کیلئے صحیح رخ متعین کرتا ہے، عشق، فرد کو زندگی بھر کے معاملات میں تذبذب سے بچاتا ہے، اس سے یقین کی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور مسلکی اور جماعتی تعصب سے بچنے کی صورت پیدا ہوتی ہے، نفسی قوتوں سے اوپر اٹھکر، خالص محبوبِ حقیقی کے لئے زندگی گذارنے کا سلیقہ عطا ہوتا ہے۔

تارک دنیا تر تھیو سے جداں فقر ملیو سے خاصا ہو
راہ فقر دا تد لدھو سے جداں ہتھ پکڑیو سے کاسا ہو
وحدت دا دریا نوش کیتو سے فیر وی ایہہ دل پیاسا ہو
راہ فقر رت ہنجوں روون باہو لوکی بھاون ہاسا ہو

ترجمہ: ہم ''تارکِ دنیا'' تب بنے، جب ہمیں فقر کے وافر اجزا حاصل ہوئے، فقر کی راہ تب ملی، جب ہم نے اپنی خودی کو مار کر، گدائی کا ''کاسہ'' ہاتھ میں لیا۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ، وحدت کے دریا سے سیرابی کے باوجود پیاس ختم نہیں ہوتی۔

اے باہو! لوگ راہ فقر کو معمولی بات سمجھتے ہیں، یہ راہ ایسی ہے کہ اس کے ہر موڑ پر خون کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔

تشریح

یہاں عارف فرماتے ہیں کہ، محبوب کے ذکر وفکر کیلئے یکسوئی والی زندگی اس وقت نصیب ہوتی ہے، جب طالب کافی عرصے تک مستقل مزاجی سے اس راہ پہ چلتا رہتا ہے، ذکر وفکر میں ذوق وشوق اور فنائیت کا تعلق، شروع میں ہی حاصل نہیں ہو پاتا، اس کیلئے کافی مجاہدے اور ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں، فقر کی زندگی اس وقت نصیب ہوتی ہے، جب فرد خود

پرستی کو پامال کرتا ہے، اپنے کچھ بھی ہونے کے احساس کی نفی کرتا ہے، خود کو نچلی سطح پر لا کر، اپنی عزت ووقار، اور مان اور مرتبے سے دستبرداری اختیار کرتا ہے۔

فنا کے مقام پر رسائی کے بعد، اور بقا کی حالت نصیب ہو جانے کے بعد بھی، عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ، اس کی پیاس بجھنے کا نام نہیں لیتی، سارا سمندر پی لینے کے باوجود بھی پیاس موجود رہتی ہے اور محبوب کیلئے طالب کا اضطراب ختم نہیں ہوتا اور دنیا کی مصروفیت اور خدمت خلق کے کاموں کے وقت بھی دل محبوب میں اٹکا ہوا ہوتا ہے۔ فقر اور عشق کی راہ آسان نہیں، یہاں طالب اور عاشق کو روزانہ کئی بار سولی پر چڑھنا پڑتا ہے اور آئے دن خون کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔

تلہ بنھ توکل والا ہو مردا نے تریئے ہو
جیں دکھ تھیں سکھ حاصل ہووے اس دکھ تھیں نہ ڈریئے ہو
اِنّ مع العُسر یُسرا آیا چت اسے ول دھریئے ہو
او بے پرواہ درگاہ ہے باہو! اوتھے رو رو حاصل بھریئے ہو

ترجمہ: دریائے وحدت کو پار کرنا مشکل کام ہے، اس کیلئے توکل کی کشتی ساتھ لے کر طوفانی لہروں سے مردانہ وار مقابلہ کر کے تیرنا پڑتا ہے۔ جو دکھ، سکھ کا ذریعہ ہو، اس دکھ سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

طالب کو رب تعالیٰ کا یہ فرمان یاد رکھنا چاہئے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، اس نکتہ کا استحضار کرنا چاہئے۔

ہمیں اس بے پرواہ بادشاہ کی بارگاہ میں عجز اور نیاز کے ساتھ چلنا چاہے اور پشیمانی اور ندامت کے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتے رہنا چاہئے۔

تشریح:

توحید کا رنگ غالب کرنے اور خالص محبوب کا بن جانے کیلئے، نفسانی قوتوں کو مطیع کرنا ضروری ہے، اس کے لئے ہمت، حوصلے اور محبوب پر توکل کی ضرورت ہے، کیونکہ نفس آسانی کے ساتھ مطیع نہیں ہوتا، اس کو ایک عرصے تک آتش عشق کی بھٹی میں جلانا پڑتا ہے، غیر معمولی مجاہدوں اور نفس کے ساتھ طویل عرصہ تک حالت جنگ کے بعد کہیں جا کر وہ قابو میں آتا ہے اور وہ مطیع ہوتا ہے۔ ''دکھوں کے ساتھ سکھ ہیں'' یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

راہ سلوک میں طالب کو اللہ کی جلالی صفت کے عکس سے شدید اذیت ہوتی ہے، اور جلالی صفت کا یہ عکس اکثر اوقات طالب پر گرتا رہتا ہے، نفس کی بہیمانہ قوت اس کے بغیر مطیع

نہیں ہوسکتی، عارف شاعر طالب سے کہتے ہیں کہ ہمت وحوصلہ کے ساتھ محبوب کے ان تیروں کا مقابلہ کرنا چاہئے اور گھبرا کر راہ محبت سے دستکش ہر گز نہ ہونا چاہئے۔

تن من یار دا شہر بنایا دل وچ خاص محلہ ہو
آن الف دل وسوں کیتی میری ہوئی خوب تسلہ ہو
سبھ کجھ مینوں پیا سنیوے جو بولے ما سوا اللہ ہو
درد منداں ایہہ رمز پچھاتی باہو بے درداں سر کھلہ ہو

ترجمہ: میں نے تن من کو سجایا، اپنے وجود کو، اللہ کے عشق میں، ہر رونق شہر کی طرح سجایا، اور پھر اپنے دل میں اللہ کے لئے ایک خاص محلہ بنایا، الف (اللہ) نے آکر میرے دل کو آباد کیا، جس سے میری خوب تسلی ہوئی۔ اب میں ماسوا اللہ سب کچھ سنتا ہوں، عاشق، عشق کی وجہ سے یہ مقام حاصل کرتے ہیں، دل کو درد کی سوغات سے سجانے کے بعد ہی، روحانی اسرار کھلتے ہیں۔ بے درد اور عشق سے محروم افراد اس دولت سے محروم رہتے ہیں۔

تشریح:

عشق کی راہ، سراسر درد کی راہ ہے، عاشق، دردِ عشق کے ذریعے طویل عرصے تک نفس کی قوتوں کو جلاتا رہتا ہے، جب تک نفس کی قوتیں بڑی حد تک پامال نہ ہوجائیں، اس کی سرکشی والی حالت ختم نہ ہوجائے، اس کے بعد کہیں دل، محبوب کی تجلیات، سے سرشار ہوتا ہے، یہ وہ دولت ہے، جو بے دردوں کو ہر گز نہیں مل سکتی۔ اس دولت کے حصول کی سب سے بڑی قیمت جو دینی پڑتی ہے، وہ یہ ہے کہ طالب طویل عرصے تک، محبوب کیلئے بے تاب رہتا ہے، اس کا اضطراب ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا، جب دل، محبوب کیلئے بے تابی کے سارے مرحلے طے کرلیتا ہے، اس کے بعد ہی دل پر، پوشیدہ روحانی اسرار کھلتے ہیں۔

توڑے تنگ پرانے ہوون گجھے نہ رہندے تازی ہو
مار نقارہ دل وچ وڑیا کھیڈ گیا ہک بازی ہو
مار دلاں نوں جول دتونے جدوں تکے نین نیازی ہو
اونہیاں ناک کیہ ہو یا باہو جنہاں یار نہ رکھیا راضی ہو

ترجمہ: اونچی نسل کے گھوڑوں پر اگر پرانی زین لگی ہو، تو اس سے جوہر چھپتے نہیں، بہادر اور حوصلہ مند فرد اپنی ہمت سے، میدان میں اترتے ہی بازی جیت لیتا ہے، جب سے ہم نے محبوب کا مشاہدہ کیا ہے، تب سے یہ دل مضطرب ہے۔

اے باہو! ان افراد کا کیا ہوگا، جنہوں نے اپنے رب کی رضا کے لئے مجاہدوں سے کام نہیں لیا۔

تشریح:

تصوف کی دنیا میں داخل ہو کر، درد عشق کے ذریعہ سلوک کا سفر طے کرنا، اول تو افراد ایسا نہیں کرتے، یعنی وہ تصوف کی دنیا میں داخل ہی نہیں ہوتے، اگر کچھ افراد راہ سلوک میں داخل ہوتے بھی ہیں تو، ان کی اکثریت اس راہ کی مشکلات دیکھ کر فرار ہوجاتی ہے۔ اسلئے اللہ کے سچے عاشق بہت ہی کم ہیں۔ ایسے بہادر اور حوصلہ مند افراد بہت کم ہیں، جو روزانہ مر کر زندہ ہوتے ہوں۔ اس طرح نفسی قوتوں سے شدید مقابلہ کرکے، محبوب حقیقی تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوں، راہ سلوک دراصل محبوب کی رضا کی راہ ہے، جو ایسا نہیں کرتے، وہ اپنی قیمتی زندگی کو ضایع کردیتے ہیں، آخر میں عارف شاعر کہتے ہیں کہ وہ افراد جنہوں نے مجاہدوں کے ذریعہ نفسی قوتوں کو پامال کرکے، محبوب کی رضا کی راہ اختیار نہیں کی، معلوم نہیں ان کا کیا ہوگا، اس لئے کہ اس کے بغیر حب جاہ وحب مال اور حرص وہوس کے نفسی جذبات سے زندگی بھر جان چھڑانا دشوار ہوتا ہے۔

تسبیح دا توں کسبی ہویوں ماریں دم ولیہاں ہو
من دا منکا اک نہ پھیریں گل پاویں پنج ویہاں ہو
دین لگیاں گل گھوٹو آوے لینن لگیاں جھٹ شیہناں ہو
پتھر چت جنہاندے باہو اوتھے ضایع وساں میہناں ہو

ترجمہ: ہاتھ میں تسبیح لیکر تم خود کو ولی سمجھنے لگے ہو، تسبیح کے دانے پھیرنے میں تو تم نے مہارت حاصل کرلی، تم نے اپنے گلے میں سومنکے والی مالا ڈال رکھی ہے، لیکن تم اب تک دل کا ایک منکا بھی نہیں پھیر سکے۔

جب بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی بات آتی ہے تو تمہارا دم گھٹتا ہے، اگر کہیں سے کچھ ملنے کی امید ہو تو، شیر کی طرح جھپٹتے ہو۔

جن کے عقل پر پتھر کے حجاب پر جائیں، اس صورت میں کتنی ہی بارش ہو، ایسے پتھروں سے عبارت عقلوں سے پانی ضایع ہوجاتا ہے۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے، ان خام صوفیوں کی نشاندہی کی ہے، جو ذکر وفکر کے کچھ مشاہدے کرکے، کچھ عرصہ تسبیح پھیرنے کے بعد، بزرگی کے مقام پر فائز ہوجاتے ہیں، حالانکہ بزرگ بن کر دوسروں کی تربیت کے لئے فرد کو روزانہ قیامت خیز گھاٹیوں سے گذرنا

پڑتا ہے، بیس پچیس برس یا کم از کم پندرہ بیس برسوں کے مسلسل مجاہدوں کے بعد کہیں جا کر نفس کی حالت اور اس کی ساخت میں تغیر برپا ہوتا ہے اور فرد میں حقیقی انسانی جوہر پیدا ہوتے ہیں۔

جب عقل پر نفسی قوتوں کے حجابات پڑتے ہیں تو فرد کا ادراک سلب ہو جاتا ہے اور فرد کو اللہ کی رضامندی والی راہ پر لانا دشوار تر ہوتا ہے۔

تدوں فقیر شتابی بندا جد جان عشق وچ ہارے ہو
عاشق شیشہ تے نفس مربی جان جاناں توں وارے ہو
خود نفسی چھڈ ہستی جھیڑے لاہ سروں سبھ بھارے ہو
باہو! باہجھ مویاں نہیں حاصل تھیندا توڑے سئے سئے سانگ اتارے

ترجمہ: راہِ حق کا طالب، فقر کے مقام پر اسی وقت فائز ہوتا ہے، جب وہ عشق الٰہی میں جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے، عاشق شیشہ ہے، اور اس کا ''نفس مطمئنہ'' مربی ہے، اس لئے وہ اپنی جان کو محبوب کے لئے فدا کرتا ہے۔

اے سالک! خود پرستی، اپنے نفس، وجود اور ہستی کے حجابات واحساسات سے باہر نکل آؤ، اپنے سر سے یہ بھاری بوجھ ہٹا دو۔ اے باہو! خود کو مٹانے، اور اپنی ہستی کی نفی کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، چاہے کتنے ہی جتن کر لو۔

تشریح:

اپنی ہستی کو فنا کرنا، دنیاوی خواہشات سے دستبرداری اختیار کرنا اور ''محبوب حقیقی کی رضا'' والی نفسیات کے غالب ہونے سے ہی اصل مقصود حاصل ہوتا ہے، جب تک ایسا نہیں ہوتا، تب تک نہ تو انسانیت پیدا ہوتی ہے، نہ ہی محبوب حاصل ہوتا ہے۔

محبوب حقیقی تک رسائی کیلئے پہلی شرط ہے، نفس کو فنا کر کے، اسے محبوب کی راہ پر گامزن کرنا، اس طرح گامزن کرنا کہ فرد دوسرے راستے بھول جائے۔ یہ مقام، جان کی بازی لگائے بغیر حاصل ہو، مشکل ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے، کہ اسلامی تصوف میں نفس کو فنا کر کے، خواہشوں کو ختم کرنا مقصود نہیں، خواہشوں کو بالکل مٹانا اور انہیں کلی طور پر فنا کرنا، یہ ہندومت، بدھ مت اور عیسائیوں کے تصوف وغیرہ میں مقصود سمجھا جاتا ہے اور اس کو روحانیت کا کمال سمجھا جاتا ہے، جب کہ اسلامی تصوف میں مجاہدوں کے ذریعے، نفسانی خواہشوں کے زور کو توڑنا ہوتا ہے اور نفس کے سرکش گھوڑے کو مہذب بنانا ہوتا ہے۔

اکابر بزرگوں کا کہنا ہے کہ اسلامی تصوف میں، فنا کا مقام، دراصل صوفی کے نفس کے مہذب ہونے کا مقام ہے، اس مقام میں دنیاوی شان وشوکت، مان ومرتبے کے جذبات ختم ہونے کی بجائے کمزور ہو جاتے ہیں، اور اگر وقتی طور پر جذبات کمزور خیالوں اور وسوسوں کی صورت میں ظاہر ہوں تو نفس کو خلوت میں ذکر وفکر کی خوراک دینے سے یہ جذبات حالتِ اعتدال میں آجاتے ہیں، لیکن اگر منتہی صوفی بھی روزانہ کے ذکر وفکر کے معمولات کو چھوڑ دیگا تو اس کی بھی نفسی قوتیں پھر سے غالب آنا شروع ہو جائینگی، کیونکہ بشری قوتیں فرد کے ساتھ لگی رہتی ہیں، فرد کی آزمائش اور اس کے مراتب کی بلندی ہی اس بات سے وابستہ ہے، کہ بشری تقاضے موجود رہیں، اس کے ہوتے ہوئے فرد محبوب کی طرف مسلسل آگے بڑھتا رہے، اور نفس کو مطیع کر کے، محبوب کی اطاعت میں دیتا رہے۔

البتہ ''منتہی'' صوفی کیلئے نفس کو اعتدال میں رکھنا آسان ہو جاتا ہے، جبکہ ''مبتدی'' اور ''متوسط'' صوفی کو اس سلسلے میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور نفس کے ساتھ طویل عرصہ تک جنگ لڑنی پڑتی ہے۔

توں تاں جاگ نہ جاگ فقیرا انت نوں لوڑ جگایا ہو
اکھیں میٹیاں نہ دل جاگے جاگے جاں مطلب پایا ہو
ایہہ نکتہ جداں کیتا پختہ تاں ظاہر آکھ سنایا ہو
میں تاں بھلی ویندی ساں باہو! مینوں مرشد راہ وکھایا ہو

ترجمہ: فقر کی راہ پر چلنے والوں کو اپنے دل کو غفلت کی نیند سے جگانا چاہئے، تم بیدار ہو یا نہ ہو، اے فقیر! تمہاری سچی طلب، تمہیں بالآخر بیدار کرے گی۔ آنکھیں بند کرنے سے دل بیدار نہیں ہوتا، دل تو صحیح معنٰی میں اس وقت بیدار ہوتا ہے، جب اسے اصل مطلوب اور مقصود، انوار الٰہی حاصل ہوں، جب سے اس بات پر میرا یقین پختہ ہوا ہے، اس وقت سے میں نے اس بات کا اظہار شروع کیا ہے، اے باہو! حالت غفلت میں زندگی گذارتے وقت میں صحیح راستے سے دور ہوا تھا، میرے سچے مرشد نے میری رہنمائی کر کے مجھے راستہ پر لگایا ہے۔

تشریح:

اللہ کی طلب، ایسی بڑی نعمت ہے، کہ اس سے بڑھکر کوئی نعمت ہو نہیں سکتی، اس لئے کہ ''طلب'' فرد کو محبوب کیلئے مجاہدے اور راہ کی مشکلات کو ہمت اور حوصلے کے ساتھ طے کرنے پر آمادہ کرتی ہے، طلب سے ہی راہ کی ساری مشکلات آسان ہوتی ہیں، محض آنکھیں بند

کرنے سے کام نہیں ہوتا، درد عشق میں جلنا اور جلتے رہنا ضروری ہے، درد عشق کی یہ نعمت اللہ والوں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، کیونکہ اللہ کے ولی کا دل محبوب کے شانِ جلال کی سوزش سے بھرا رہتا ہے۔

تسبیح پھیری تے دل نہیں پھیریا کیہ لینا تسبی پھڑکے ہو
علم پڑھیا تے ادب نہ سکھیا کیہ لینا علم نوں پڑھ کے ہو
چلے کٹے تے کجھ نہ کھٹیا کیہ لینا چلیاں وڑکے ہو
جھاگ بناں ددھ جمدے ناہیں باہو بھا نویں لال ہو ون کڑھ کے ہو

ترجمہ: اگر تسبیح چلانے اور پڑھنے سے بھی تمہارے دل کی کیفیات میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اور تسبیح کے دانوں کے ہیر پھیر سے بھی، تمہارا مزاج تبدیل نہیں ہوا، تو ایسی تسبیح ہاتھ میں لینے کا کیا فائدہ؟

اگر تم نے علم حاصل کیا، لیکن ادب نہیں سیکھا، تو ایسے علم سے کیا فائدہ؟

اگر تم نے چلے کاٹے، اور بے دھیانی اور غفلت سے، تو اس سے کیا نفع ہو گا اور ایسے چلے تو بے فائدہ ہوں گے۔

اے باہو! جھاگ کے بغیر دودھ نہیں جمتا، چاہے اسے ابال، ابال کر سرخ ہی کیوں نہ کیا جائے۔

تشریح:

صوفی پر اللہ کی محبت اور عشق کا رنگ غالب ہوتا ہے، اس لئے وہ عشق کے مقابلے میں، دوسری چیزوں کو اہمیت دینے کیلئے تیار نہیں ہوتا، وہ درد عشق کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کرتا ہے کہ دوسری چیزوں کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے، صوفی چونکہ اپنے اوپر اللہ کے عشق کے رنگ کو غالب کرنے کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، اس لئے وہ اس سلسلہ میں معذور و مجبور ہوتا ہے، اسے محبوب کے علاوہ کسی بات سے انسیت نہیں ہوتی، صوفی کی یہ روش صحیح نہیں، علم، عبادت اور خدمت دین یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جن سے روحانی ترقی حاصل ہوتی ہے۔ صوفی چونکہ درد عشق کے ذریعہ ارتقائی مقامات طے کر کے اس مقام پر فائز ہوتا ہے، جہاں دوسروں کی تربیت و تزکیہ کا کام اس کے سپرد ہوتا ہے، اس لئے دوران سلوک وہ عشق ہی کے گیت گاتا ہے، عشق کے علاوہ دوسری چیزوں سے اس کی مناسبت کم ہی ہوتی ہے۔

ثابت صدق تے قدم اگیرے تائیں رب لبھیوے ہو
لوں لوں دے وچ ذکر اللہ دا ہر دم پیا پڑھیوے ہو
ظاہر باطن عین عیانی ہو ہو پیا سنیوے ہو
نام فقیر تنہا ندانا ہو! قبر جنہاندی جیوے ہو

ترجمہ: جب سچے طالب کا ایمان مضبوط اور پختہ ہو، اور وہ حق کی راہ پر ثابت قدم ہو جائے، تو پھر اس کے قدم مسلسل منزل کی طرف بڑھتے رہتے ہیں، تاآنکہ، وہ اپنے رب سے جا کے ملتا ہے، اس کے ہر موئے بدن سے ذکر الٰہی کی صدائیں ہر پل سننے میں آتی ہیں، اب اس کی یہ حالت ہے کہ ظاہری اور باطنی طرح اسکو ورد الٰہی اور ذکر حق کی آوازیں بالکل واضح طور پر سننے میں آرہی ہیں۔ اے باہو! فقیر تو وہ ہیں، جن کی قبریں بھی زندہ ہیں۔ (یعنی جن کی ارواح قبروں میں بھی محبوب کے مشاہدہ میں مصروف ہیں۔)

تشریح:

جب غیر معمولی مجاہدوں سے، فرد کے دل کی، محبوب کے ساتھ طبعی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور دل محبوب کی یاد سے آباد رہتا ہے، اور ''فاذکرونی اذکرکم'' والا منظر پیدا ہو جاتا ہے اور محبوبِ حقیقی کے ساتھ کشش کا تعلق مستحکم ہو جاتا ہے تو فرد، دنیا سے بلند ہو کر، خالص محبوب کا ہو جاتا ہے، اور محبوب کے نام کی پکار اس کے دل سے نکلتی سنائی دیتی ہے، بلکہ محبوب کی یاد میں ہر پل اس کا دل مضطرب رہتا ہے، ایسے افراد مرنے بعد بھی حالت ذکر میں رہتے ہیں، اور ان کی ارواح محبوب کے ساتھ حالت وصال میں رہتی ہیں۔

ثابت عشق تنہاں نے لدھا جنہاں ترٹی چوڑ چاکیتی ہو
ناں اوہ صوفی، ناں اوہ صافی ناں سجدہ کرن مستی ہو
خالص نیل پرانے اتے نہیں چڑھدا رنگ مجیٹھی ہو
قاضی آن شرع ول باہو! کدی عشق نماز نہ نیتی ہو

ترجمہ: ان لوگوں کا عشق حقیقی، ثابت اور سچا ہے، جن کا دل، دنیاوی خواہشوں سے پاک اور صاف ہے، نہ تو وہ صوفی ہیں، نہ صافی ہیں، وہ تو ہر دم تصور الٰہی میں محو ہیں۔

جن کے اوپر خالص اور پرانے نیل کا رنگ چڑھا ہو، اب ان پر لال رنگ کیسے چڑھے گا؟ اے باہو! قاضی تو صرف، شریعت سکھانے والا روایتی قاضی ہے، اس نے عشق کی نماز کی کبھی نیت ہی نہیں باندھی۔ اسے تو عشق الٰہی کے اسرار و رموز کی تو خبر ہی نہیں۔

تشریح:

ایسے قاضی اور عالم، جو عشقِ الٰہی کے کچھ نہ کچھ اجزاء سے بہرہ ور ہیں، جو تقویٰ کا اہتمام کرتے ہیں۔ فیصلوں میں عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں، وہ بہت بڑے مقام کے حامل ہیں، بلکہ ایسے قاضی اور عالم درجات میں عابدوں سے بلند درجے پر فائز ہیں۔

عشق والا صوفی، اگر پوری زندگی عشق میں جلتا رہا ہو، لیکن کسی دوسرے کو فیض نہیں پہنچایا، خلقِ خدا کیلئے نافع ثابت نہیں ہوا، تو ایسا صوفی ایک بڑا عاشق تو سکتا ہے، لیکن وہ عالم اور قاضی سے کم درجے پر ہے۔ وہ عالم اور قاضی جو متقی بھی ہو، اور اللہ کی مخلوق کو اپنی استطاعت کے مطابق فائدہ پہنچانے کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہو، وہ بلند درجے والا ہے۔

صوفی شعراء، عام طور پر دردِ عشق سے مغلوب ہو کر، دین کے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور مبالغے سے کام لیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے دین کے دوسرے پہلوؤں، اور مستحسن کاموں کی اہمیت کم ہو جاتی ہے، عشق کے غلبے کے سبب، صوفیاء کی یہ ادا قابلِ معافی ہے۔

جیں دل عشق خرید نہ کیتا سول دل درد نہ پھٹی ہو
اس دل تھیں سنگ پتھر چنگے جو دل غفلت اٹی ہو
جیں دل عشق حضور نہ منگیا سو درگاہوں سٹی ہو
دوست نہ ملیا اٹھاں نوں باہو! جنہاں جوڑ نہ کیتی ترٹی ہو

ترجمہ: جس دل نے عشق حقیقی کا کاروبار نہ کیا ہو، اسے درد عشق اور اس کے سوز کی ذرہ برابر بھی خبر نہیں۔

غفلت میں ڈوبے ہوئے دل سے تو یہ پتھر اچھے ہیں (جو کم از کم اللہ کا ذکر تو کرتے ہیں)۔

اسی طرح جس دل میں عشق کی حضوری کی طلب نہیں، تڑپ نہیں، وہ اللہ والوں کی درگاہ سے دھتکارا ہوا ہے۔

جس نے اپنے دل کو نفسانی خواہشوں سے پاک نہیں کیا، اس کو قربِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا۔

تشریح:

جو دل عشق حقیقی سے خالی ہے، وہ عشق کی بے پناہ لذت اور محبوب کے انوار حسن سے محروم ہے، جو دل ذکر سے محروم ہے، وہ پتھروں کی مثل ہے، بلکہ پتھروں سے بھی گیا گذرا

ہے، کیونکہ پتھر اللہ کا ذکر کرتے ہیں (ذکر سے خالی دل ویران کھنڈر سے بھی بدتر ہے) نفسی قوتوں سے نجات حاصل کئے بغیر، قربِ الٰہی حاصل ہو، یہ ناممکن ہے۔

جیں دل عشق خرید نہ کیتا سوئی خسرے مرد زنانے ہو
خنثے خسرے ہر کوئی آکھے کون آکھے مردانے ہو
گلیاں دے وچ پھرن اربیلے جیویں جنگل ڈھور دیوانے ہو
مرد نامرداں دی کل تہ ان پوسی باہو جداں عاشق بنھسن گانے ہو

ترجمہ: جس دل نے عشق خرید نہیں کیا، اس شخص کی مثال مخنث کی سی ہے، جو مردانگی سے محروم ہوتا ہے۔

عشقِ حقیقی کے سوا، فرد کی زندگی، جنگل میں بھٹکتے ہوئے پاگل جانور کی مثل ہے۔ اے باہو! مرد اور نامرد کی شناخت تب ہو گی، جب عاشقوں کی مجلس جمے گی یا ان کی مجلس میں شرکت ہو گی۔

تشریح:

عشق سے محرومی، درحقیقت زندگی کے حقیقی لطف اور لذت سے محرومی ہے، ایسے افراد دل کے اندھے ہیں، وہ ہر اعتبار سے قابل رحم ہیں، کیونکہ دنیا کی معمولی سے معمولی تکلیف و پریشانی پر وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں، غصہ اور چڑچڑاپن، ان کے مزاج کا حصہ بن جاتا ہے، وہ دنیا کے مفادات پر جان دینے کو تیار ہوتے ہیں، جبکہ محبوب حقیقی کا عشق، عاشق کو ان ساری چیزوں سے بلند کر دیتا ہے، وہ محبوب کے ذکر اور ان کے حسن کے مشاہدے کو ہی زندگی کی معراج سمجھتا ہے، دوسری صورت میں فرد عام طور پر نفس کے جنگل میں بھٹکتا رہتا ہے، پھر وہ نفس پرستی اور مادی دنیا کی ترقی کو ترجیح دیتا ہے، اسے ''حب جاہ'' اور ''حُب مال'' کے سوا کسی چیز میں کشش محسوس نہیں ہوتی، اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ مادی زندگی کو اپنا مقصود سمجھ کر، اپنی ساری توانائیاں اس کے حصول میں خرچ کر دیتا ہے، ''علم'' ''ذہانت'' اور ظاہری دینداری بھی، ایسا کرنے سے نہیں روک سکتی۔

جیں دن دا میں در تیرے تے سجدہ صحی ونج کیتا ہو
اس دن دا سر فدا اتھائیں میں بیا در بار نہ لیتا ہو
سردیوں سر آکھن ناہیں اسان شوق پیالہ پیتا ہو
میں قربان تنہاں توں باہو جنہاں عشق سلامت کیتا ہو

ترجمہ: اے اللہ پاک: جس دن سے میں نے آپ کے در پر صحیح طور پر سجدہ کیا ہے، اس دن سے اپنا سر وہیں فدا کر چکا ہوں، اب مجھے کسی اور در پر جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہم نے عشق پیالہ پیا ہے، اب اپنا سر تو دے سکتے ہیں، لیکن سر (پوشیدہ راز) کھول کر بیان نہیں کر سکتے، اے باہو! میں ان کے قربان جاؤں، جن کا عشق سلامت ہے، اور وہ اس میں کمال درجے پر جا پہنچے۔

تشریح:

اللہ کے عشق کی دنیا میں داخل ہونے کے بعد، حقیقی عاشق دوسروں کی غلامی سے آزاد ہو کر، صرف اللہ کا غلام بن جاتا ہے، وہ محبوب کے در کے علاوہ کسی اور کے سامنے سجدہ کرنے، اور ان سے دنیاوی فائدہ مانگنے سے بلند ہو جاتا ہے۔

''عشق'' فرد کو محبوب کیلئے ایسا فریفتہ بنا دیتا ہے کہ اسکی زندگی اور موت، غرض کہ اس کی زندگی کا ہر کام محبوب کی رضا حاصل کرنے میں صرف ہوتا ہے۔

عاشق، محبوب کی یاد میں گھلتا رہتا ہے، محبوب کے غم اور فکر میں تڑپتا رہتا ہے، اسکا یہ اضطراب ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا، جب وہ محبوبِ حقیقی کے انوار کی تجلیات سے فیضیاب ہوتا ہے تو اس نعمت کے حصول کے بعد، عاشق کو جو بے پناہ لطف و سرور حاصل ہوتا ہے، اس کی لذت اور سرور کا، یہ دنیادار اور نفس پرست انسان ذرہ برابر بھی ادراک نہیں کر سکتے، وہ محبوب کے راز فاش نہیں کرتا، ان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ایک تو اسلامی شریعت کا ظاہری تقدس مجروح ہوتا ہے، دوسرے محبوبِ حقیقی کے راز کا ظاہر کرنا، مزید رازوں سے محروم کرتا ہے، تیسرا یہ کہ، ایسا کرنے سے ''دعویٰ'' کا خدشہ لاحق رہتا ہے، اس لئے عام طور پر صوفی ان رازوں سے پردہ نہیں اٹھاتا۔

جو پاکی، بن پاک ماہی دے، سو پاکی جان پلیتی ہو
ہک بت خانے جا واصل ہوئے ہک خالی رہے مستی ہو
عشق دی بازی انھاں حاصل کیتی جنہاں سر دیندے ڈھل نہ کیتی ہو
ہرگز دوست نہ ملدا باہو باہو جنہاں ترٹی جوڑ نہ کیتی ہو

ترجمہ: جو پاکی اور طہارت، محبوبِ حقیقی کے پاک ذکر کے بغیر ہے، میں اسکو پاکی نہیں مانتا، ایسی پاکی کو ناپاکی سمجھنا چاہئے۔ کچھ افراد ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں کہ، اپنے دل کے شوق اور سچائی کے سبب، بت خانے میں رہتے ہوئے بھی واصل باللہ ہو گئے، اور کچھ ایسے

بھی بدنصیب ہیں، جو مسجد کے اندر رہتے ہوئے بھی اللہ کی معرفت اور روحانی ترقی سے محروم رہتے ہیں۔

جو اپنی جان کا نذرانہ دینے سے دریغ نہیں کرتے، سمجھ لو کہ، عشق کی بازی انہوں نے جیت لی۔ اے باہو! محبوب ان کو ملتا ہے، جنہوں نے دنیاوی لذتوں اور نفسانی خواہشوں سے کنارہ کر لیا۔

تشریح:

بت خانے والی تشبیہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے صحیح نہیں ہے، اللہ کے سچے عاشق کا بتخانے سے تعلق نہیں ہو سکتا، مسجد میں رہنا، بہت بڑی سعادت کی بات ہے، البتہ مسجد کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے کے باوجود، اخلاص اور یقین کی کیفیات کا نہ بڑھنا، سیرت و کردار میں پاکیزگی کا ہونا، اللہ کے ساتھ محبت کے تعلق میں مضبوطی اور ترقی کا فقدان، اور باطنی برائیوں کے تزکیے فکر نہ ہونا، ان باتوں سے فرد کی بے حسی ظاہر ہوتی ہیں، اور یہ چیزیں گناہ کے زمرے میں آتی ہیں، اگرچہ یہ بڑا گناہ ہے، لیکن نماز اور مسجد کے ساتھ تعلق، چاہے ظاہری نوعیت کا ہی کیوں نہ ہو، وہ سعادت سے خالی نہیں، نماز اور مسجد کی نورانیت، آخر کار اس پر اثر انداز ہو گی۔

جو دم غافل سو دم کافر، سانوں مرشد ایہہ پڑھایا ہو
ستیا سخن، کھل گیاں اکھیں اسان چت مولا ول لایا ہو
کیتی جان حوالے رب دے، اسان ایہڑا عشق کمایا ہو
مرن توں اگے مرگئے باہو! تاں مطلب نوں پایا ہو

ترجمہ: ہمیں ہمارے کامل مرشد نے یہ سبق پڑھایا ہے کہ، جو سانس بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر ہے، وہ کفر ہے۔ یہ قول سنتے ہی آنکھیں کھل گئیں، ہم نے اپنا دل اللہ کے ساتھ لگایا۔

اب ہم اللہ کے عشق میں ترقی کر کے اس منزل پر پہنچے ہیں کہ، اپنی جان ربّ تعالیٰ کے حوالے کر دی۔ اے باہو! ''موتو قبل ان تموتوا'' فرمان، ''موت سے پہلے مر جاؤ'' کے بموجب، ہم موت سے پہلے ہی مر گئے، تب ہی ہم نے اپنی مراد پالی۔

تشریح:

سچے عاشق کو کثرتِ ذکر و صحبت اہل اللہ کی برکت سے، کچھ ایسی چیزیں حاصل ہوتی ہیں، جن پر رشک ہی کیا جا سکتا ہے، ایک یہ کہ، اس کا دل ہمیشہ ''متوجہ الی اللہ'' رہتا ہے،

ذکر، اور ذکر کے اثرات اس پر غالب رہتے ہیں، غفلت طاری نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ، وہ مرنے سے پہلے مر جاتا ہے، یعنی دنیا کی چاہتیں اور نفس کی خواہشات سے دستبردار ہو کر، محض اللہ سے ملاقات کا اسے دھڑکا لگا رہتا ہے کہ، کہیں محبوب کے سامنے اسے شرمندہ نہ ہونا پڑے اور ذلت اور پشیمانی کا سامنا نہ ہو؟ یہ ایسی سعادتیں ہیں، جو کسی اہل اللہ (مرشد) کی معیت وصحبت اور کثرتِ ذکر کے نتیجے میں، سچے عاشق کو حاصل ہوتی ہیں، یہ ایسی عظیم نعمتیں ہیں، جن کے سامنے ساری دنیا کی نعمتیں بھی ہیچ ہیں۔

جنہاں عشق حقیقی کمایا مونہوں کچھ نہ الاون ہو
ذکر فکر وچ رہن ہمیشاں دم نوں قید لگاون ہو
نفسی، قلبی، روحی، سری، خفی، اخفی ذکر کماون ہو
میں قربان تنہاں توں باہو! جیہڑے اکس نگاہ جو اون ہو

ترجمہ: وہ طالب صادق جو اپنی طلب میں سچے ہیں اور وہی عشقِ حقیقی کے بلند درجے پر فائز ہیں، جو اپنی زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتے، وہ ہر وقت رب تعالیٰ کے ذکر وفکر میں مشغول رہتے ہیں۔

وہ اپنی آتی، جاتی سانس کے ساتھ، رب کے نام کا ورد کرتے ہیں، نہ صرف یہ، بلکہ ''نفسی'' قلبی ''روحی'' '' سری '' ''خفی'' ''اخفیٰ'' (ذکر کے مختلف اسباق) ہر قسم کے ذکر میں محو رہتے ہیں۔

اے باہو! میں ان پر قربان جاؤں، جو ایک نگاہ سے مردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں، طالب کو غفلت سے نکال کر ذکر حق کی راہ پر لگاتے ہیں۔

تشریح:

قلبی ذکر اور لطائف کے ذکر کے جاری ہوتے ہی، طالب پر جو ایمانی کیفیات غالب ہوتی ہیں، وہ بیان سے باہر ہیں، ذکر کی کثرت سے ایک تو غیر معمولی لطف اور لذت حاصل ہوتی ہے، دوسرے محبوب کی طرف سے طالب کو اپنی طرف کھینچا جاتا ہے، محبوب کی اسی کشش کی وجہ سے طالب، غفلت سے بلند ہو کر، ذکر میں محو ہو جاتا ہے، طالب پر پھر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ، دل خود بخود ذکر میں مصروف ہو جاتا ہے۔ سچا طالب، جب محبوب کی سچی طلب کی نیت سے کسی اہل اللہ کو دل دیتا ہے تو اس سچی طلب کی بدولت اللہ اس کے دل کو ذکر کے انوار سے فیضیاب کرتا ہے، جس سے اس کا مردہ دل منور ہو جاتا ہے، اب یہ ''دل'' زندوں میں شمار ہوتا ہے۔

جیوندے کی جانن سار مویاں دی سوجانے جو مردا ہو
قبراں دے وچ ان نہ پانی اتھے خرچ لڑیند گھردا ہو
اک وچھوڑا ماں، پیو، بھائیاں دوجا عذاب قبردا ہو
وان نصیب انہاں دا باہو! جیہڑا وچ حیاتی مردا ہو

ترجمہ: زندہ لوگوں کو مر جانے والوں کے حال کا کیا پتا، وہی اپنے حال سے واقف ہوتا ہے، جو دنیا سے جاتا ہے۔

قبروں میں کوئی دانہ پانی نہیں ہوتا، جس پہ گذارہ کیا جائے۔ وہاں جو خرچہ پانی چاہئے، وہ تو دنیا سے ہی اپنے ساتھ لے جانا پڑیگا، ایمان کا نور، اور نیک اعمال، جن سے قبر روشن ہو۔

ایک تو ماں باپ اور بہن بھائیوں کی جدائی ستاتی ہے، اور دوسرے (اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے) قبر کے عذاب کا خطرہ سامنے ہے۔ اے باہو! وہ لوگ خوش قسمت ہیں، جنہوں نے اپنی ہستی کو مٹا کر، اپنے وجود کی نفی کی، اور اپنی زندگی میں ہی خود کو مار دیا۔

تشریح:

مرنے کے بعد قبر میں، زندگی میں کئے ہوئے اعمال ہی کام آتے ہیں، اگر ایمان اور صالح اعمال کا نور موجود ہے تو بندے کی قبر کشادہ ہو جاتی ہے، ورنہ پشیمانی اور شرمندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اللہ کے دیئے ہوئے وقت اور صلاحیتوں کو درست طریقے پر استعمال کر کے، قبر کیلئے، آنیوالی زندگی کے کیلئے تیاری نہ کرنا، بہت بڑی نادانی ہے اور اپنی دائمی زندگی کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ فرد کو اگر یہ ادراک حاصل ہو جائے کہ، قبر کی زندگی کتنی خوفناک اور اذیتناک ہے، تو وہ ایک دن کیلئے قبر میں رہنے کے بدلے میں دنیا بھر کی دولت دینے کیلئے تیار ہو جائے۔

وہی افراد خوش قسمت ہیں، جو اپنی ہستی کو مٹا کر، محبوبِ حقیقی کیلئے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں، وہی افراد ہیں، جن کی محبوب دنیا میں بھی، قبر میں بھی، اور حساب کتاب والے دن بھی خبر گیری فرمائینگے۔

جیو ندیاں مر رہنا ہووے تاں ویس فقیراں بہئے ہو
جے کوئی سٹے گودڑ کوڑا وانگ اروڑی سہئے ہو
جے کوئی کڈے گالیاں مہنے اس نوں جی جی کہئے ہو

گلہ، الاہماں بھنڈی خواری یار دے پاروں سہئے ہو

قادر دے ہتھ ڈور اساڈی باہو جیوں رکھے تیوں رہئے ہو

ترجمہ: آپ اگر اپنی زندگی میں ہی مردہ لوگوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، تو فقیرانہ لباس پہن کر، اہل اللہ صحبت میں بیٹھو، پھر اگر کوئی تمہارے اوپر کچرا پھینکے تو اس بات کو تحمل سے برداشت کرو، اگر کوئی بدزبانی کرے، گالیاں دے، طنز کرے، تو خوش دلی سے اس کو ''جی، جی'' کہتے رہو۔ سب طعنے، گالیاں، ذلت وخواری، سچے محبوب کیلئے سہتے رہو۔

اے باہو: ہماری باگ تو، اس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، وہ ہمیں جس حال میں رکھنا چاہے، ہم اس پر راضی ہیں۔

تشریح:

سچے عاشق کو چاہئے کہ، وہ دنیا میں اس طرح رہے، جس طرح کوئی مردہ انسان ہوتا ہے، جس کے دل میں کوئی دنیاوی خواہش اور امنگ نہیں ہوتی، دنیا کے حوالے سے اسے محبوب کی طرف سے جو کچھ عطا ہو، وہ اس پر راضی رہتا ہے، لوگوں کی غلط سلط باتیں، گالیاں اور الزام سنکر چپ رہتا ہے، بلکہ، جواب میں دعائیں دیتا ہے، ہر الزام کو سہہ کر اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہتا، اپنے آپ کو پوری طرح اپنے محبوب کے حوالے کر دیتا ہے، طالب کو یہی زندگی زیب دیتی ہے، یہی اس کا طرۂ امتیاز ہونا چاہئے۔ طالب کو اپنا غصہ مار کر، صبر وشکر کو اپنی عادت بنا لینا چاہئے۔ البتہ جہاں، اللہ کا ناپسندیدہ عمل ہوتا دیکھے، وہاں غصہ کرنا چاہئے، لیکن ''مبتدی'' کے نفس کو، اللہ کیلئے غصہ کرنے کی حدود کا علم نہیں ہوتا، اسلئے اسکو ہر حال میں صبر کی تلقین کی جاتی ہے۔

جتھے رتی عشق وکاوے اوتھے مناں ایمان دیویوے ہو

کتب کتاباں، ورد وظیفے او ترک چا کیجیوے ہو

باہجھوں مرشد کجھ نہ حاصل توڑے راتیں جاگ پڑھیوے ہو

مریئے مرن تھیں اگے باہو۔ تاں رب حاصل تھیوے ہو

ترجمہ: زیادہ ایمان کے، مقابلہ میں رتی بھر عشق، زیادہ قیمتی ہے، عشق کے حصول کیلئے ورد وظائف، اور کتب کا مطالعہ کار آمد نہیں۔ کامل مرشد کی صحبت کے بغیر، کچھ حاصل نہیں ہوگا، چاہے ساری رات جاگ کر عبادت کرتے رہو۔

اے باہو! اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کا ''قرب'' اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب فرد، موت سے پہلے مر جائے۔ (نفس کو مار کر اسے فنا کر لے)۔

تشریح:

رسمی ایمان، حقیقی ایمان بن جائے، اس کیلئے عشق کے ذریعے سفر طئے کرنا پڑتا ہے۔ اللہ اور رسول اور آخرت پر ایمان لانا بہت بڑی نعمت ہے، ایسا فرد، ایمان سے محروم بڑے، بڑے ملحدوں، دانشوروں اور کافروں سے ہزار بار زیادہ افضل ہے، کیونکہ، کائنات کی خالق ہستی کا اثبات کرنا، توحید ورسالت کا اقرار کرنا، فرد کو اعتقادی طور پر، باغی بننے سے بچاتا ہے، انسان جس اللہ کی دھرتی پر رہتا ہے، جس خالق کی عطا کی ہوئی بے پناہ نعمتیں استعمال کرتا ہے، جس مالک نے اسے یہ جسمانی وجود عطا کیا ہے، زبانی یا اعتقادی طور پر، اسے نہ ماننا، یا سرے سے اللہ کا انکار کرنا، یا دوسروں کو اس کی ذات میں شریک کرنا، ایسا فرد، بڑا سرکش اور باغی ہے۔

توحید اور رسالت کو ماننے والے، صاحبِ ایمان ہیں، البتہ، توحید لسانی سے آگے بڑھکر، توحید حقیقی تک رسائی کے لئے، عشق حقیقی سے کام لینا پڑیگا، اور شیخ کی صحبت کے ذریعہ، عشق کی دنیا میں داخل ہو کر، محبوب کیلئے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں، اگرچہ اپنے طور پر عبادت ریاضت، اور مجاہدوں سے کام لینا نیکی اور سعادت کا کام ہے، لیکن ایسا کرنے سے دعویٰ اور تکبر کا خطرہ درپیش ہے، اس مقصد کیلئے، شیخ کی سرپرستی میں سفر کرنا ضروری ہے۔

''ایمان'' اور ''عشق'' کا ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس موازنہ سے ایمان کی اہمیت کم ہو جاتی ہے، اور ایمان سے محروم افراد کے عشق کو بھی، اللہ تعالیٰ سے حقیقی عشق کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ جب تصوف کے ذریعہ ایسا کیا جائے تو ''تصوف'' اسلام کا خادم ہونے کے بجائے، اسلام کی شکل بگاڑ دے گا، اس طرح تصوف اسلام پر حاوی ہو جاتا ہے، اللہ کے دین پر حاوی ہو جانے والا تصوف، حقیقی اہل اللہ کا تصوف نہیں ہو سکتا، صوفی شاعروں کے ایسے اشعار، اس قابل ہرگز نہیں ہیں کہ انہیں اہمیت دی جائے۔

جنگل دے وچ شیر مریلا باز پوے وچ گھردے ہو

عشق جیہا صراف نہ کوئی کجھ نہ چھوڑے وچ زر دے ہو

عاشقاں نندر، بکھ نہ کائی، عاشق مول نہ مردے ہو

عاشق جینعدے تاں ڈٹھوسے باہو جداں صاحب اگے سر دھردے ہو

ترجمہ: ''عشق حقیقی'' جنگل کے جانوروں میں میں ''شیر'' اور پرندوں میں ''باز'' کی مثل ہے، ''عشق'' جیسا کوئی ''صراف'' نہیں، جو سونے کو پگھلا کر کندن بناتا ہے، اور ذرا بھی میل باقی نہیں رہتی، عشق حقیقی سے باطنی صفائی اس طرح ہوتی ہے کہ انسان، اندر اور باہر سے بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

عشق کے نتیجہ میں فرد کی بھوک اور پیاس ختم ہو جاتی ہے، اس کے باوجود وہ مرتا نہیں، اے باہو! عاشقوں کو ہم نے، اس وقت زندہ ہوتے دیکھا، جب وہ، رب پاک کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

تشریح:

''عشق'' میں پک کر کندن ہو جانے والے صوفی کی کیا تعریف کی جائے، اس سے بڑا بہادر، اور شیر مرد، اور کون ہو سکتا ہے، وہ بھوک اور پیاس سے نہیں ڈرتا، وہ زیادہ کی ہوس اور معاشی فکر سے آزاد رہتا ہے۔ عاشق اپنے اندر کو اللہ کے ذکر سے اس طرح پاک وصاف کرتا ہے، کہ دل میں ذرا بھی میل باقی نہیں رہتی، دل خالص محبوب کیلئے ہو جاتا ہے۔

عاشق حقیقی کے دل میں محبوب کیلئے۔ جو تڑپ اور بے تابی موجود ہے، اس ''بے تابی'' کے ساتھ، جب وہ سجدہ کرتا ہے، تو دھرتی لرز جاتی ہے اور خود عاشق پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور محبوب پر فدائیت کے اس کے نئے رنگ سامنے آتے ہیں۔ نماز و سجدہ کی اصل حلاوت نفسی قوتوں کی فنائیت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

جے رب نہاتیاں دھوتیاں ملدا تاں ملدا ڈڈواں مچھیاں ہو
جے رب لمیاں والاں ملدا تان ملدا بھیڈیاں سسیاں ہو
جے رب راتیں جاگیاں ملدا تاں ملدا کال کڑچھیاں ہو
جے رب جتیاں ستیاں ملدا تاں ملدا داناں خصیاں ہو
انہاں گلاں رب حاصل ناہیں باہو! رب ملدا دلیاں اچھیاں ہو

ترجمہ: اگر، اللہ تعالیٰ، ظاہری صفائی سے ملتا، تو، مینڈک اور مچھلیوں کو ملتا، اگر اللہ بال بڑھانے سے ملتا تو، بھیڑ بکریوں کو ملتا، اگر رب پاک، محض راتوں کو جاگ کر گذارنے والوں کو ملتا، تو چمگادڑوں کو ملتا اگر اللہ جنسی جذبات کو فنا کرنے سے ملتا تو وہ خصی بیلوں کو ملتا۔ اے باہو! اللہ ان چیزوں سے نہیں ملتا، بلکہ اس تک رسائی تو قلب سلیم کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

تشریح

یہاں عارف شاعر نے یہ بنیادی نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ سے وصال کیلئے، ''قلب سلیم'' کی ضرورت ہے، ''الا من اتی اللہ بقلب سلیم'' (قرآنی آیت) قلب سلیم، ایسے قلب کو کہا جاتا ہے، جو حُبِ جاہ، حُبِّ مال، اور حرص وہوس جیسی بیماریوں سے محفوظ اور پاک ہو، جس میں صبر وشکر اور زہد وقناعت ''جیسی صفات بدرجہ کمال موجود ہوں، ایسا قلب سلیم عام طور پر، طویل عرصے تک درد وعشق کی دنیا میں چلنے کے نتیجے میں ہی پیدا ہوتا ہے، قرآن پاک میں راتوں کو جاگ کر عبادت کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے، ایسے عبادت گذاروں کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے، اس لئے شب بیداری کرنے کی نفی کرنا صحیح نہیں، حقیقت یہ ہے کہ، دل کا تزکیہ، تصفیہ کرنے اور نفس کی اصلاح کے کئی طریقے ہیں، ان میں، قرآن سے والہانہ اور مستقل تعلق قائم کرنا، راتوں کا بڑا حصہ جاگ کر عبادت کرنا، اخلاص کے ساتھ خدمت خلق کے کام کرتے رہنا، ان کاموں سے بھی اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور قلب کی صفائی ہوتی ہے۔ لیکن دردِ عشق کے ذریعے فرد کو جو مقام ملتا ہے، وہ بلند ترین مقام ہے، اس نکتے کو سمجھنے سے کئی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

جنہاں شوہ الف تھیں پایا او پھول قرآن نہ پڑھدے ہو
اوہ مارن دم محبت والا دور ہویونیں پردے ہو
دوزخ بہشت غلام تنھاندے چاکیتو نے بردے ہو
میں قربان تنہا ندے باہو! جیہڑے وحدت دی وچ وڑ دے ہو

ترجمہ: جن لوگون نے محبوب حقیقی کے اسم ''اللہ'' کے ابتدائی ''الف'' کا راز جان لیا، یہی وہ افراد ہیں جو قرآن کی روح تک پہنچ جاتے ہیں۔

یہی افراد اللہ کے حقیقی محب ہیں، اور اس محبت سے ان کے دل کے سارے پردے ہٹ جاتے ہیں اور ان کے لئے دوسری دنیا کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اب جنت دوزخ ان کے ماتحت ہیں۔

اے باہو! میں ان پر قربان جاؤں، جو وحدت کے دریا میں غوطہ زن ہو کر وہاں سے نایاب موتی نکال لاتے ہیں۔

تشریح:

اسم ذات (اللہ) کا، کثرت سے ذکر، سب سے بڑی نعمت ہے، اس ذکر کی بدولت، اللہ تعالیٰ سے مناسبت کا تعلق پیدا ہوتا اور مستحکم ہو جاتا ہے، اکابر بزرگوں کے ہاں افراد کی اصلاح کیلئے جو لائحہ عمل موجود رہا ہے، اس میں شروع میں ''اللہ'' اور ''لاالہ الااللہ'' کے کثرت سے ذکر کی تعلیم ہوتی ہے، جب ذکر کے نور کی بدولت، اندر میں موجود سارا گند نکل جاتا

ہے، اور باطنی بیماریاں قابل ذکر حد تک دور ہو جاتی ہیں تو اس کے بعد ذکر کو کم کر کے مرید کو تاکید کی جاتی ہے کہ اب وہ قرآن کی تلاوت اور نفلی نمازوں کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرے، اس لئے کہ اب ان کی مزید ترقی، قرآن اور نفلی عبادات سے ہو گی، یہ وہ نکتہ ہے، جسے سمجھنا ضروری ہے، اس نکتے کو سمجھنے سے، صوفی کی روحانی ارتقا کے سفر اور سلسلے کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے، صوفی کی آخری منزل، قرآن اور نماز سے تعلق کو مستحکم کرنا ہے۔

جنت و دوزخ کو غیر اہم سمجھنا، یہ صوفی کی حالت سکر کی باتیں ہیں، جو قابل التفات نہیں۔ صوفی جب حالت صحو میں آتا ہے تو وہ اس طرح کی باتوں سے براءت کا اظہار کرتا ہے، اس لئے کہ قرآن جنت کی بشارتوں اور دوزخ کے انتباہات سے بھرا ہوا ہے۔

جیکر دین علم وچ ہوندا تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ہو
اٹھارہ ہزار جو عالم اوہ اگے حسین دی مردے ہو
جی کجھ ملاحظہ سرور دا کردے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ہو
جیکر مندے بعیت رسولی تاں پانی کیوں بند کردے ہو
پر صادق، دین تنہاندے باہو! جو سر قربانی کردے ہو

ترجمہ: اگر دین صرف علم تک محدود ہوتا تو، کربلا کا واقعہ پیش نہ آتا؟ اماموں کے سر نیزے پر نہ چڑھتے؟ اٹھارہ ہزار عالم، حضرت امام حسین کے اوپر قربان نہ ہوتے؟ اگر امام حسین کے مخالفوں کو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا احساس ہوتا، تو پھر وہ آل نبی کے خیمے نہ جلاتے؟

اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری کرتے، تو امام عالی کے گھرانے پر، پانی بند نہ کرتے؟ لیکن اے باہو! دین پر وہی لوگ قائم رہتے ہیں، جو دین کے ساتھ مخلص اور عاشق صادق ہوتے ہیں اور دین کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

تشریح:

اس شعر میں عارف شاعر نے سچے عشق کی نشاندہی کی ہے، اور عشق کی اہمیت بتائی ہے، کہ عشق کے بغیر، اقتدار کی ہوس حُبِّ جاہ سے بچاؤ کی کوئی صورت موجود نہیں، امام حسین رضہ اور ان کے خاندان کے افراد کو اقتدار کی خاطر شہید کرنا، یہ سب عشق سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ عشق سے محرومی امت میں اس طرح کے بڑے بڑے سانحوں کا باعث ہوئی ہے۔ اس لئے اللہ سے والہانہ عشق کے ذریعہ نفسی قوتوں کو فنا کرنا ضروری ہے، تاکہ فرد و افراد نفس کی اکساہٹ پر اس طرح کے سانحوں کا ذریعہ نہ بنیں۔

جد دا مرشد کاسہ دتڑا تہ دی ملی بے پرواہی ہو
کیہ ہویا جے راتیں جاگیوں جے مرشد جاگ نہ لائی ہو

راتیں جاگیں تے کریں عبادت دن نندیاں کریں پرائی ہو
کوڑا تخت دنیا دا باہو! تے فقر سچی بادشاہی ہو

ترجمہ: جب سے مرشد ہادی نے ہاتھ میں مجھے وحدت کا کاسہ دیا ہے، تب سے میں ہر چیز سے بے نیاز ہو گیا ہوں، اے بندہ خدا! تم راتوں کو جاگ کر، منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے، جب تک مرشد، ہادی تمہاری رہنمائی نہ کرے۔

تم راتوں کو جاگ کر عبادت تو کرتے ہو، لیکن اس پر غرور بھی کرتے ہو اور دن لوگوں کی غیبت میں گذارتے ہو، اس طرح کی برائیوں سے تم اپنے نیک اعمال کو ضایع کر دیتے ہو۔

اے باہو! دنیاوی اقتدار اور ساز و سامان، سب آنکھوں کا دھوکہ ہے، اس پر تکبر اور غرور کرنا نادانی ہے، سچی بادشاہی تو صرف، ''فقر'' سے وابستہ ہے۔

تشریح:

راتوں کو جاگ کر عبادت کرنا، یہ بہت اعلیٰ درجہ کا کام ہے، لیکن اگر یہ عبادت، عشق کے زیر اثر ہو اور کسی اہل اللہ کے ذریعہ ہو تو فرد کے لئے خود پرستی و خود نمائی سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اہل اللہ کی صحبت کی وجہ سے فرد اللہ کی جلالی صفات کے عکس سے گذرنے لگتا ہے جس سے بتدریج اس کی باطنی بیماریوں کا قلعہ قمع ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اسے روزمرہ زندگی میں اپنی باطنی بیماریوں کا شدت سے مشاہدہ بھی ہونے لگتا ہے۔

جاں تائیں خودی کریں خود نفسوں، تاں تائین رب نہ پانویں ہو
شرط فنانوں جانیں ناہیں تے نام فقیر رکھاویں ہو
موئے باہجھ نہ سوہندی الفی اینویں گل وچ پانویں ہو
نام فقیر تد سوہندا باہو! جد جیوندیاں مرجاویں ہو

ترجمہ: اے طالب صادق! جب تک تم اپنے نفس کو مار کر اپنی ''خودی'' (یعنی خود پرستی) کو فنا نہیں کرتے، اس وقت تک تمہیں حق تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا، اور تم ''فنا'' کے ابتدائی اصول سے بھی آشنا نہیں ہو سکتے (یعنی موتوا قبل ان تموتوا) اور تم نے اپنا نام ''فقیر رکھ'' لیا ہے۔

حقیقی موت کے بعد ہی جسم پر کفن سجتا ہے، جب کہ تم نے ایسے ہی سادہ سلا ہوا کفن جیسا پیرہن اپنے گلے میں ڈال دیا ہے۔

اے باہو! ''تم فقیر'' تو اس وقت ہو گے، جب تم جیتے جی مر جاؤ گے۔

تشریح:

محبوب کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ نفسانی قوتیں ہیں، جن میں، تکبر، حرص و ہوس اور دنیا کی محبت جیسے طاقتور جذبات شامل ہیں، یہی طاقتور جذبات، فرد کو محبوب سے

قریب ہونے نہیں دیتے، کیونکہ یہ شہ زور جذبات آسانی سے مطیع نہیں ہوتے، ''درد عشق'' ایک انمول نعمت ہے، جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ، فرد کے باطن میں موجود بلکہ، دل میں آویزاں مادی بت پاش، پاش ہوتے رہتے ہیں، اور طالب کو روزانہ ان کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے، جب خواہشات کے طوفان تھم جاتے ہیں۔ حرص وہوس کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں، دعویٰ کا مزاج مضمحل ہو جاتا ہے، اپنی عاجزی اور نفیٔ ذات کی حالت مستحکم ہو جاتی ہے تو گویا فرد موت سے پہلے مر جاتا ہے، طالب پر حقیقی فقیر ہونے کا لقب اسی وقت صادق آتا ہے، اس سے پہلے طالب نفسی قوتوں کی یلغار میں رہتا ہے۔

جد جلیندیاں جنگل بھوندیاں میری ہکا گل نہ پکی ہو
چلے چلئے ملے حج گذاریاں میری دل دی دوڑ نہ ڈگی ہو
تریہے روزے پنج نمازاں ایہہ بھی پڑھ پڑھ تھکی ہو
سبھے مردا ں حاصل ہویاں باہو! جاں کامل نظر مہر دی تکی ہو

ترجمہ: میرے دل کی مراد بحر و بر، اور پہاڑ و جنگل ڈھونڈتے ہوئے، صحرا اور بیاباں میں سفر کرتے ہوئے بھی پوری نہ ہوئی۔ میں نے چلے بھی کاٹے، حج بھی ادا کیا، اس کے باوجود میری پیاس نہ بجھی، میرے دل کی پیاس ختم نہ ہوئی، میں نے رمضان کے تیس روزے بھی رکھے، پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھتا رہا، لیکن ان ریاضتوں کے باوجود مجھے روحانی طور پر سکون حاصل نہ ہوا اور روح کو طمانیت حاصل نہ ہوئی، میرے دل کی مراد تو اے باہو، اس وقت پوری ہوئی جب کامل مرشد نے مجھ پر کرم کی اک نگاہ ڈالی۔

تشریح:

اپنے طور پر عبادت کرنے اور چلے کاٹنے کی بھی اہمیت مسلمہ ہے، اللہ کی عبادت جو کوئی بھی کریگا، وہ فائدے میں رہیگا، اس کی اصلاح بھی ہوگی اور دل کو سکون بھی نصیب ہوگا ''روزے، نماز اور حج'' کی نفی کرنا، یا اس کی اہمیت کو کم کرنا، یہ اسلامی تقدس کو مجروح کر سکتا ہے، کیونکہ، سچا صوفی اللہ سے بیحد ڈرتا ہے، اور وہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت میں ہمیشہ پیش پیش رہتا ہے، البتہ، ''سکر'' کی حالت میں اس سے، اس طرح کی شاعری سرزد ہو جاتی ہے، جس کیلئے اسے معذور سمجھا جائیگا۔ یہاں اہل اللہ کے فیض نظر کی جو بات فرمائی گئی ہے، وہ بالکل بجا ہے کہ ہولناک باطنی بیماریوں کا ادراک اور ان سے بچاؤ کی صورت عام طور پر اہل اللہ کی صحبت اور ان کے فیض نظر کے بغیر نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ ذکر و فکر اور راہ عشق میں طویل عرصہ تک چلتے رہنے کے نتیجہ میں بے پناہ روحانی قوتوں کے حامل ہو جاتے ہیں، طالب جوں ہی ان سے محبت کا تعلق قائم کرتا ہے۔ اسے نئی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

اہل علم واہل ودانش، علم و عقل کی دوڑ میں جتنی بھی پیش قدمی کریں، وہ خود بینی، خود نمائی، خود پرستی اور نفسانیت سے بچ سکیں، بہت مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں اہل اللہ کی صحبت ان کے لئے نئی معنوی زندگی ثابت ہوتی ہے۔

جاں، جاں ذات نہ تھیوے، تاں کم ذات سدیوے ہو
ذاتی نال صفاتی ناہیں تاں، تاں حق لبھیوے ہو
اندر بھی ہو ، باہر بھی ہو باہو کتھ لبھیوے ہو
جیں دے دل وچ ، حب دنیا دی باہو اوہ مول فقیر نہ تھیوے ہو

ترجمہ: جب تک طالب صادق، ''حق تعالیٰ'' تک رسائی حاصل نہیں کرتا، تب تک وہ اپنے مقصود تک نہیں پہنچ سکتا، تب تک وہ کم ذات ہی سمجھا جائے گا۔

جب تک اس میں ''ذاتی'' کے ساتھ ''صفاتی'' خوبیاں اور اوصاف پیدا نہیں ہوتے، اس وقت تک رب تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔

جب فرد کے دل کے اندر اور باہر سے ''اللہ ہو'' کی صدا سنائی دیے، تو وہ آخر اللہ کو کہاں تلاش کرے۔؟ جب دل سے ''ہو'' کے ذکر کی تکرار سنائی دے، تو پھر باہو کہاں ملے گا؟

اے باہو! جب تک، فرد کے دل پر دنیا کی محبت غالب رہیگی، وہ فقیر نہیں بن سکتا اور فقیری کی سعادت کو نہیں پا سکتا۔

تشریح:

جب تک کوئی فرد، اللہ کی اطاعت پر آمادہ نہیں، اللہ سے مخلص، اور اس کا وفادار نہیں، اس وقت تک وہ حقیر اور ذلیل ہے، جب غیر معمولی مجاہدوں اور فضل خاص سے وصال کا مقام حاصل ہوتا ہے، اس کے بعد کہیں جا کر مقصود حاصل ہوتا ہے، اللہ سے وصال کے مقام تک رسائی سے پہلے، طالب میں اوصاف حمیدہ پیدا ہو سکیں، مشکل ہے، (تخلقوا باخلاق اللہ) اللہ والے اخلاق تو نفس کو فنا کرنے سے ہی پیدا ہو سکتے ہیں۔

فقیر کا تمغہ تو اس فرد پر سجتا ہے، جو دولت اور دنیا کو حقیر سمجھتا ہو، جس کے دل میں سرے سے دولت کی محبت موجود نہ ہو، دولت کی چاہت، اسے جمع کرنے کی حرص دنیا داروں کی طرح شان وشوکت کے ساتھ زندگی گذارنے کی خواہش، اور روش، حاصل شدہ مال ودولت میں، اللہ کی مخلوق کو شریک نہ کرنے کی ادائیں یہ ساری چیزیں ''فقیر'' کے منافی ہیں، ایسے افراد چاہے بزرگی اور پیر طریقت اور رہبر شریعت کے دعویدار ہی کیوں نہ ہوں۔ یہاں یہ نکتہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ، اگر جائز طریقے سے دولت حاصل ہو تو اسے اپنی ذاتی سہولیات کیلئے استعمال کرنا، بزرگی کے منافی نہیں ہے، بہتر

اور مناسب سواری بھی ضروری ہے، ضرورت کے تحت اچھا اور بہتر مکان بنایا جاسکتا ہے، اچھا کھانا بھی کھایا جاسکتا ہے، کام کاج کیلئے خدمتگار بھی رکھے جاسکتے ہیں۔

اسلامی شریعت نے ان ساری چیزوں کی اجازت دی ہے اور بعض بزرگوں نے شریعت کی دی ہوئی اس رعایت سے فائدہ بھی اٹھایا ہے، لیکن اس معاملے میں، بزرگوں کی اکثریت، عزیمت کی راہ پر گامزن رہی ہے، اور انہوں نے سادہ طرز زندگی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ دنیاوی آسائشوں سے دستبردار ہونا ہی ''فقر'' ہے، اور بزرگان کا اصل ورثہ فقر ہی تو ہے۔ البتہ موجودہ دور کے بعض مشہور پیروں کی طرح سرمایہ دارانہ شان ومان کی گنجائش کا ہونا تصوف میں اس کی سرے سے گنجائش نہیں ہے۔

جس دل اسم اللہ دا چمکے عشق بھی کردا ہلے ہو
بھار کستوری دے چھپدے ناہیں بھانویں دے رکھئے سئو پلے ہو
انگلی پچھے دن ناہیں چھپدے دریا نہیں رہندے ٹھلے ہو
اسیں اوسے وچ اوہ اسان وچ باہو! یاراں یار سولے ہو

ترجمہ: جس دل پر اللہ کے اسم کی چمک موجود ہے، وہ دل، عشق کی نئی نئی واردات کا مرکز بن جاتا ہے۔

خوشبو کی مہک کو چھپایا نہیں جاسکتا، چاہے اس پر سینکڑوں پردے کیوں نہ ڈالے جائیں۔ سنہرے سورج کی روشنی اور اجلے دن کو انگلیوں کی اوٹ میں نہیں چھپایا جاسکتا، نہ ہی پرجوش دریا کی شہ زور لہروں کو انگلیوں کی مدد سے روکا جاسکتا ہے۔

اے باہو! ہماری حالت یہ ہے کہ ہم محبوب میں اور محبوب ہمارے اندر سمایا ہوا ہے۔ (صرف اندر میں جھانکنے کی ضرورت ہے)۔ اس طرح ہم ایک دوسرے سے متصل ہیں۔

تشریح:

اسم ذات (اللہ) کا ذکر جب دل سے جاری ہونے لگتا ہے تو دل، درد عشق سے بے تاب ہونے لگتا ہے، اور تجلیات کے زیر اثر دل، زیروزبر ہونے لگتا ہے۔

اسم ذات کا ذکر اپنے ساتھ بے پناہ واردات وکیفیات لاتا ہے، عشق کے اس سمندر میں، طالب مسلسل غوطہ زن رہتا ہے اور سمندر کی گہرائیوں تک پہنچ کر واپس آتا ہے۔ طالب کا روزانہ یہ عمل جاری ہوتا ہے اور طویل عرصے تک جاری رہتا ہے، تاآنکہ، سمندر خود قلب میں موجزن ہوجائے، جب طالب اس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اسکی ذات، اہل دنیا کے لئے فیض رسانی کا ذریعہ بن جاتی ہے، اسکی صحبت کے ذریعے بے شمار افراد، اللہ کے عشق کی راہ پر چلنا شروع کردیتے ہیں، اور اس طرح افراد، معاشرے کے مفید انسان بن جاتے ہیں۔

محبوب کی والہانہ محبت طالب کو محبوب سے اس قدر متصل کردیتی ہے کہ محبوب اور محب کے درمیاں غیریت کا پردہ ہٹ جاتا ہے اور محب میں محبوب کے لئے والہانہ پن اور فدایانہ رنگ پیدا ہوجاتا ہے۔

چڑھ چناں تے کر رشنائی رب دا ذکر کریندے تارے ہو
گلیاں دے وچ پہرن نمانے لعلاں دے ونجاری ہو
شالا مسافر کوئی نہ تھیوے ککھ جنہاں تو بھارے ہو
تاڑی مار اڈا نہ باہو! اسان آپے اڈن ہارے ہو

ترجمہ: اے چاند، تم بھی بلند ہو کر اجالا بکھیرو، تارے بھی رب کا ذکر کرنے میں مصروف ہیں، یہ بھی اللہ کی قدرت اور اس کی حکمت ہے کہ، انمول موتیوں کے کاروباری گلیوں میں حالت مسکینی میں پھرتے رہتے ہیں۔

کاش، کوئی راہ سلوک کا مسافر نہ ہو، مسافری بڑی آزمائش ہے، (''روح'' کیلئے یہ دنیا مسافر خانہ ہے، اس لئے روح یہاں اللہ کے ذکر کے بغیر مضطرب رہتی ہے) معمولی تنکا بھی، ان سے زیادہ وزن دار ہے۔ اے باہو! تم ہمیں تالی بجا کر اڑنے پر مجبور نہ کرو، ہم تو ویسے ہی اڑنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔

تشریح:

سچے ''صوفی اور فقیر'' بظاہر سادہ وضع قطع میں اتنے مسکین لگتے ہیں کہ، انہیں پہچاننا ہی مشکل ہوتا ہے، اس اعتبار سے اللہ والوں کے ساتھ، محبوب حقیقی کا معاملہ عجیب وغریب ہوتا ہے، وہ ان کو فقیرانہ حال میں رکھتا ہے، دنیاوی زیب وزینت اور وجاہت کے ہر سامان سے دور رکھتا ہے، انکے لباس اور شکل وشباہت سے یوں لگتا ہے، جیسے ان سے زیادہ مسکین، سادہ اور فقیر، علمی اور عقلی اعتبار سے تہی دامن شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ اللہ والے فقیری حال میں رہتے ہوئے، اپنے اندر دنیا بھر سے زیادہ قیمتی لعل وجواہر رکھتے ہیں، یہی فقیر ہیں، جو انسانیت کی رہنمائی کرکے، انہیں صحیح طور پر زندگی گذارنے کا گر سکھاتے ہیں، اور اللہ کی دھرتی پر عاجز انسان کی حیثیت سے زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔

آخر میں عارف شاعر کہتے ہیں کہ تالی بجا کر ہمارے دل کے سازوں کو نہ چھیڑو، ہمارے دل کے ساز تو ویسے ہی محبوب کے لئے بجتے رہتے ہیں، خوبصورت آواز یا تالیوں کی گونج سے ہمارے دل وروح میں مزید طوفان برپا نہ کرو، اس لئے کہ اس سے دل وروح محبوب کے لئے مچل کر بے قابو ہوجاتے ہیں، ہمارے دل کو بے قابو نہ ہونے دو۔

چڑھ چناں تے کر رشنائی تارے ذکر کریندے تیرا ہو
تیرے جیہے چن کئی سئے چڑھدے سانوں سجناں باہجھ ہنیرا ہو
جتھے چن اساڈا چڑھدا اوتھے قدر نہیں کجھ تیرا ہو
جس دے کارن اسان جنم گنوایا باہو! او یار ملے اک پھیرا ہو

ترجمہ: اے چاند! تم آسمانِ دنیا پر طلوع ہو کر روشنی پھیلاؤ، تارے تمہیں یاد کر رہے ہیں۔ تمہارے جیسے چاہے سینکڑوں چاند طلوع ہوں، لیکن ہمیں محبوب کے سوا ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔ جہاں ہمارا چاند چڑھتا ہے، وہاں تمہاری کوئی اہمیت اور قدر نہیں ہے۔

اے باہو! ہم نے جس کیلئے یہ زندگی صرف کی، کاش وہ محبوب ہمیں ایک بار اپنے مشاہدہ سے سرفراز فرمائے۔

تشریح:

دنیا میں محبوب حقیقی کے انوار سے زیادہ کوئی نور نہیں ہو سکتا۔ سورج یا چاند، یا تاروں کی روشنی، عاشق کے دل میں محبوب کیلئے جلائی ہوئی آگ کی روشنی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اسی لئے حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ، ''میں کائنات کی کسی شئے میں نہیں سما سکتا، سوائے مؤمن بندے کے دل میں'' اگر لوگوں کو اسم ذات، اللہ، کے ذکر کے ذریعے حاصل شدہ ''نور'' کا معمولی ادراک بھی حاصل ہو جائے تو وہ اپنی قیمتی زندگی کو، دنیاوی دولت، اور سامانِ آسائش کی تاریکی کے حصول میں ضایع نہ کریں، چونکہ، عاشق صادق کو اس بات کا ادراک حاصل ہے، اس لئے وہ، محبوب حقیقی کے انوار حسن کے مشاہدے کے سوا، اپنے وقت کو فضول کاموں میں صرف نہیں کرتا، عاشق کی بس ایک ہی آرزو ہوتی ہے کہ اسے محبوب کا مشاہدہ حاصل ہو، اگرچہ اس کے دل پر محبوب کے انوار کی چمک ہوتی رہتی ہے، لیکن اس سے اس کی تسکین نہیں ہوتی۔

حافظ پڑھ ، پڑھ کرن تکبر ملاں کرن وڈیائی ہو
ساون مانھ دے بدلاں وانگے پھرن کتاباں چائی ہو
جتھے ویکھن چنگا، چوکھا پڑھن کلام سوائی ہو
دو نہیں جہانیں مٹھے باہو! جنہاں کھادی ویچ کمائی ہو

ترجمہ: حافظ، قرآن حفظ کر کے تکبر کرنے لگ جاتے ہیں، عالم، علم حاصل کر کے غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں، انکا ایسا حال ہو جاتا ہے کہ، برسات کے موسم میں، بھرے ہوئے بادلوں کی طرح، کتابوں کا بار اٹھائے پھرتے ہیں، جہاں پر ترنرالہ ملنے کی امید ہو، وہاں اللہ کا کلام خوبصورت انداز سے پڑھتے ہیں۔ اے باہو! حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ، اپنی عمر بھر کی کمائی، دنیا کی حقیر خواہشوں کی تکمیل میں صرف کر دیتے ہیں، وہ دونوں جہانوں میں ناکامی و نامرادی سے دوچار ہیں۔

تشریح:

قرآن پاک حفظ کرنا اور دینی علوم حاصل کرنا، قابلِ تحسین بات ہیں، اس سے فرد وافراد میں اہل دنیا سے بے نیازی، عاجزی اور اللہ کی ذات پر توکل کی صفات پیدا ہونی چاہئیں، حلم، تدبر اور منکسر المزاجی کی عادت مستحکم ہونی چاہئیں، لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا، اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ افراد میں، علم کے حصول کے بعد، فخر و غرور پیدا ہو جاتا ہے، انانیت پیدا ہو جاتی ہے، اس کا سبب نعوذ باللہ قرآن کریم اور دینی علوم کا حصول نہیں ہے، بلکہ اس کا سبب نفسانی قوتوں کا غلبہ اور قرآن کی روح تک پہنچنے میں ناکامی ہے، اس کمی اور کوتاہی کو دور کر کے، خود داری، خود شناسی، اور خدا شناسی حاصل کرنے کیلئے مجاہدوں کا ہونا ضروری ہے، اس کے بعد ہی یہ علوم خیر و برکت کا باعث بن سکتے ہیں۔

خام کی جانن سار فقر دی جیہڑے محرم ناہیں دل دے ہو
آپ مٹی تھیں پیدا ہوئے خامی بھانڈے گل دے ہو
لعل جواہراں دا قدر کمیہ جانن جو سوداگر بل دے ہو
ایمان سلامت سوئی نیسن باہو! جیہڑے بھج فقیراں مل دے ہو

ترجمہ: وہ طالب، جو اپنی طلب میں ناقص اور خام ہیں، وہ فقیری کو کیا جانیں، وہ دل میں چھپے ہوئے اسرار کو کیا جانیں۔ ان کی مثال تو مٹی اور پانی سے بھرے ہوئے برتن کی طرح ہے، بھلا جو لوگ، کانچ کے سوداگر ہوں، وہ انمول ہیرے، موتی اور لعل و جواہر کی قدر کیا جان سکتے ہیں۔

اے باہو! اس دنیا سے وہی افراد ایمان کی سلامتی کے ساتھ رخصت ہوں گے، جو بھاگ کر درویشوں اور اہل اللہ سے اپنا تعلق قائم کرتے ہیں اور ان کی صحبت سے پوری طرح فیضیاب ہوتے ہیں۔

تشریح:

''خام'' کو پک کر کندن بننے کیلئے، طویل عرصے تک، دردِ عشق کی آگ میں جلنا پڑتا ہے، دو چار برس کے مجاہدوں سے یہ نفس ہر گز مطیع نہیں ہوتا۔ ایسے افراد، جو نفس کے خلاف طویل عرصے تک مجاہدے کرنے اور باقائدہ سلوک کا سفر بخوبی طئے کرنے سے پہلے، بزرگی کے مقام پر فائز ہوتے ہیں، وہ نفس کے مکر وفریب اور طریقۂ واردات کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ایسے افراد، جو اپنے نفس کے معاملات کو نہیں سمجھ سکتے، وہ دوسروں کی اصلاح کیا کر سکیں گے؟ یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ بزرگی اور تصوف کے نام پر خام افراد، مسند نشینی پر فائز ہیں، جس سے اللہ والوں کا ادارہ تصوف بدنام ہو رہا ہے۔

اہل اللہ کی طویل عرصہ کی صحبت اور مجاہدوں کی برکت سے نفس، نفس مطمئنہ کی صورت اختیار کرتا ہے، اس طرح اللہ کی ذات سے توقع ہے کہ ایسے افراد ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوں گے۔

دل دریا سمندروں ڈونگے کون دلاں دیاں جانے ہو
وچے بیڑے، وچے جھیڑے وچے ونجھ مہانے ہو
چوداں طبق دلے دے اندر جتھے عشق تنبو ونج تانے ہو
جو دل دا محرم ہو وے باہو سوئی رب پچھانے ہو

ترجمہ: دل کی دنیا سمندر سے بھی زیادہ گہری ہے، دل کے اسرار کا پوری طرح ادراک مشکل ہے، دل کی وسعت اور گہرائی کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا، دل کے اندر سمندر کی موجوں سے بچاؤ کے سامان بھی ہیں تو، خوفناک بھنور بھی اور ماہر مچھیرے بھی، چودہ طبق، یعنی پوری کائنات اسی ''دل میں سمائی ہوئی ہے، یہی دل عشق کا مرکز ہے۔

اے باہو! دل کا زاردان ہی رب تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے، جس نے اپنی معرفت حاصل کی، وہی اپنے رب کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

تشریح:

دل کی دنیا اتنی وسیع ہے کہ ساری کائنات کی وسعت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے، دل میں کائنات کی اشیاء بھی موجود ہیں، تو نفسی اور شیطانی قوتیں بھی پوری قوت سے موجود ہیں، ساتھ ساتھ رحمانی اور ملکوتی قوتیں بھی دل میں سمائی ہوئی ہیں۔

محبوبِ حقیقی کے ذکر سے جب دل، نفسانی اور شیطانی قوتوں سے آزاد ہو جاتا ہے، تو وہی دل اللہ کے انوار حسن سے فیضیاب ہوتا ہے اور اس میں رحمانی قوتوں کے ایسے نقوش دکھائی

دیتے ہیں، جن کا مادّی آنکھوں سے تصور بھی ممکن نہیں، دل کو عشق کا مرکز بنانے سے ہی سارے راز آشکار ہوتے ہیں، جو دل کے بینا ہوتے ہیں، وہی محبوبِ حقیقی کی محبت کی دولت سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں، دل کی روشنی سے محروم افراد کو محبوب کی معرفت کی سعادت حاصل ہو سکے، ممکن ہی نہیں۔

دل دریا سمندروں ڈونگھا غوطہ مار غواصی ہو
جیں دریا ونج نوش نہ کیتا رہسی جان پیاسی ہو
ہر دم نال اللہ دے رکھن ذکر فکر دے آسی ہو
اس مرشد تھیں زن بہتر باہو! جو پھند فریب لباسی ہو

ترجمہ: دل کی دنیا سمندر سے بھی زیادہ گہری ہے، اے غوطہ خور! اس میں غوطہ لگا کر، گوہر مقصود تلاش کر، جس نے اس دریا کا پانی نوش نہ کیا، اس کی پیاس بجھنے کا نام نہیں لے گی، ذکر وفکر سے محبوبِ حقیقی کے قرب ووصال کی آرزو رکھنے والے، اپنی ہر سانس کے ذریعہ محبوب سے تعلق قائم کر لیتے ہیں۔

اے باہو! اس دھوکیباز پیر سے تو وہ عورت اچھی ہے، جو دکھاوے کیلئے مرشدوں جیسا لباس پہن کر پھرتی ہے۔

تشریح:

سچے عاشق کا تو کام ہی یہی ہے کہ وہ ذکر وفکر کے ذریعے، دل میں غوطہ زن ہو کر قیمتی موتی نکال کر لائے اور دل میں پوشیدہ قوتوں سے آشنا ہو، تاکہ اللہ کی جو مخلوق ''نفس'' اور عقل محض کے بہکاوے میں آکر گمراہی سے دوچار ہے، اس کی اصلاح کی صورت پیدا ہو اور اللہ کی محبت کے حامل افراد اللہ کی محبت کے ذریعے، محبوب کے انوارِ حسن سے فیضیابی کی راہ اختیار کر سکیں۔

محبوب حقیقی کے مشاہدے کے بغیر فرد روحانی اور جوہری صلاحیتوں کے اعتبار سے، انسان کہلانے ہی کا مستحق نہیں'' ایسے افراد حقیقی دانش سے محروم ہوتے ہیں۔

بزرگی کا دعویٰ کرنے والے ایسے افراد، جو دل کو منور اور پاکیزہ بنائے بغیر، بزرگی کی مسند پر فائز ہیں، وہ نفس پرست ہیں۔ اور ان کا مقصد، لوگوں سے پیسے بٹور کر دولتمند بننا ہے۔

بد قسمتی سے موجود دور میں تصوف وبزرگی کے نام پر ہر طرف یہی کاروبار جاری ہے اور تصوف دکانداری کی صورت اختیار کر چکا ہے، جو اس دور کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

اصلاح وتزکیہ اور سلوک کے مراکز اگر حصول دولت کے مرکز بن جائیں تو پھر فقر کا حصول کیسے ہو؟

اسم ذات (اللہ) کے ذکر کے ذریعے دل میں غوطہ زنی کرنے والے فضول کاموں میں وقت ضایع کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے، ان کی نظر میں ہر لمحہ انتہائی قیمتی ہوتا ہے، جسے محبوب کے ذکر اور اس کے انورِ حسن سے بہرہ یابی کے سوا، دوسرے کاموں میں صرف کرنا بیوقوفی ہے۔

متوسط صوفی ایک ایک لمحہ کی قدر کرتا ہے، اس طرح اپنے قیمتی وقت کو پوری طرح استعمال کرکے، محبوب کا وصال حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، اور، ''فنا'' سے ''بقا'' والی حالت میں واپس آتا ہے، یہ ایسی حالت ہے، جس سے ساری سعادتیں وابستہ ہیں، جب تک وہ اس مقام تک نہیں پہنچتا، تب تک وہ مستقل طور پر ذکر و فکر میں مصروف رہتا ہے۔

تصوف، محبوب کے لئے جن غیر معمولی مجاہدوں کا متقاضی ہے، مادہ پرستی کا موجود ماحول اس راہ میں شدید رکاوٹ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر شخصیت فتنہ کا موجب بن جاتی ہے۔ دولت اور مرید بنانے کی دوڑ کی ساری کشمکش اسی کا نتیجہ ہے۔

دل دریا خواجہ دیاں لہراں گھسن گھیر ہزاراں ہو
رہن دلیلاں وچ فکر دے بے حد بے شماراں ہو
ہک پردیسی، دوجا تریجا بے سمجھی دیاں ماراں ہو
ہسن کھیڈن سب بھلیا باہو! جد عشق چنگھائیاں دھاراں ہو

ترجمہ: دل کی وسعت اور گہرائی لامحدود ہے، اس کا کوئی شمار نہیں، اسمیں خضر کی لہریں بھی موجود ہیں، تو ہزاروں مدّوجزر بھی، میں تو اسی فکر اور درد میں غلطان ہوں کہ دل کے اس بحر بے کنار میں، موجود طوفانی لہروں کا مقابلہ کیسے ہو، جو محبوب کے راستہ کی حائل بن کر سامنے آئی ہیں، ایک تو پردیسی، دوسرے درد کا مارا ہوا اور پرکش دشمن کا سامنا، تیسرے سادگی وسادہ لوحی، اے باہو! جب سے حقیقی عشق کی لذت حاصل ہوئی ہے، اس وقت سے، ہنسنا کھیلنا بھول چکا ہوں۔

تشریح:

دل کا سمندر اتنا وسیع اور لامحدود ہے، کہ حد وحساب سے باہر، دنیا کا سمندر، دل کے سمندر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، دل کے اس سمندر میں کئی دنیائیں آباد ہیں،

جن میں ملکوتی قوتیں بھی شامل ہیں۔ دل میں جتنی بھی غوطہ زنی کی جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ دل کی لامتناہی دنیا سے آگاہی کیلئے، خضر جتنی عمر بھی ناکافی ہے۔

دل میں محبوب کے لئے ہونے والے مجاہدوں کو ناکافی سمجھتے ہوئے، صوفی تھک جاتا ہے اور خود کو محبوب کے سپرد کر دیتا ہے کہ وہی دل کو شاداب اور آباد کریگا، وہی دل کو سکون دیکر، دل کی پیاس بجھائے گا۔ ورنہ معاملہ فرد کے بس سے باہر ہے۔

محبوب سے عشق کا تعلق مستحکم کرنے کے بعد، عاشق کو ہنسنا سب بھول جاتا ہے۔ ہنسی مذاق، یا حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ وغیرہ سے اسے بیزاری ہوتی ہے، عاشق کی دنیا نازک اور حساس ہوتی ہے، اس کے احساسات کو عشق سے ناآشنا افراد سمجھ ہی نہیں سکتے، جب تک فنائے نفس کا مقام طے نہیں ہوتا، اس وقت تک صوفی کی ساری جہد وجہد کا مرکز محبوب ہی رہتا ہے۔ حالت بقا میں آنے کے بعد وہ دوسروں کی تربیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ صوفی کے مجاہدے جتنے بڑھتے جاتے ہیں، اسی قدر ایک تو نفس کے اندر پوشیدہ بتوں کی نئی نئی نوعیت اس کے سامنے آتی رہتی ہے۔ دوم یہ کہ نفس سے معرکہ آرائی میں وہ اپنی قوتوں کی بے بسی کا مشاہدہ کرکے خود کو مکمل طور پر محبوب حقیقی کے سپرد کر دیتا ہے۔

دلے وچ دل جو آکھیں سو دل دور دلیلوں ہو
دل دا درد اگوہاں کچے کثرت کنوں قلیلوں ہو
قلب کمال جمالوں جسموں جوہر جاہ جلیلوں ہو
قبلہ قلب منور ہو یا باہو! خلوت خاص خلیلوں ہو

ترجمہ: تم اپنی سوچ کے مطابق، جس چیز کو ''دل'' کہتے ہو، وہ ''دل'' نہیں ہے۔ اصل دل تو ذکر اور فکر کے ذریعہ محبوب کے اخذ انوار اخذ کا مرکز ہے اور عقل واستدلال سے بہت بلند ہے۔

دل کے درد عشق کو بڑھاتے رہو، اسے اپنے پیمانوں سے ناپنے کی بجائے عشق کو اصل منزل تک پہنچاؤ ''قلب'' تو محبوب کے جمال اور کمال کا مرکز و مجموعہ ہے، اور یہ اوصاف اس کے جاہ وجلال کے جوہر ہیں۔ اے باہو! خلوت میں (تنہائی میں) ذکرِ الٰہی کرنے سے، قلب روشن ہو کر قبلے کی طرح منور ہو گیا ہے۔

تشریح:

دل کا کام صرف جسم کو خون فراہم کرنا نہیں ہے، بلکہ دل کا یہ عمل تو مادّی نوعیت کا ہے، یہ تو اس کی کارکردگی کا ایک پہلو ہے، دل کی سب سے بڑی خصوصیت اور صلاحیت،

جس میں انسان، ساری مخلوق سے ممتاز ہے، وہ یہ ہے کہ ''دل'' اللہ تعالیٰ کے انوار کا منبع ہے، حدیث قدسی ہے کہ، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ، ''میں،'' مؤمن بندے کے دل کے سوا، کائنات کی کسی چیز میں نہیں سما سکتا۔ دل کی اس صلاحیت کا ادراک کتابی علم یا عقل واستدلال سے نہیں ہو سکتا، اس کے لئے دل کے آئینے کو صاف کرنا پڑتا ہے۔ اور ذکر وفکر کے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں۔

انسان کا اصل جوہر ''دل'' ہی ہے، دل میں موجود ان جوہری صلاحیتوں کو بیدار کئے بغیر، تخلیقِ کائنات کے راز کو سمجھنا مشکل ہے۔

دل کالے کولوں منہ کالا چنگا جے کوئی اس نوں جانے ہو
منہ کالا دل اچھا ہووے تاں دل یار پچھانے ہو
ایہہ دل یار دے پچھے ہووے متاں یار وی کدی پچھانے ہو
سئے عالم چھوڑ مسیتاں نٹھے باہو! جد لگے نہیں دل ٹھکانے ہو

ترجمہ: دل کالا ہو، اس سے تو بہتر ہے کہ چہرہ کالا ہو، اگر کوئی اس راز کو جاننا چاہے تو جان لے کہ، دل کا سیاہ ہونا، گمراہی اور جہالت کی نشانی ہے۔

اگر کسی کا چہرہ کالا ہو، اور دل صاف ہو تو وہ، اپنے دل کی روشنی میں، محبوبِ حقیقی کے انوار کو پہچان لے گا۔

دل کو ربّ تعالیٰ کی رضا اور ہدایت پر کاربند رکھو، اس کی اطاعت پر چلتے رہو، کبھی تو وقت آئے گا، جب وہ تمہیں اپنا وصال نصیب فرمائے گا، دل کو اس کا مقصود حاصل ہوئے بغیر عالم اپنے علم پر غرور میں ڈوبے رہتے ہیں۔

تشریح:

اصل بینائی، دل کی بینائی ہے، فرد کا دل اجلا اور صاف ہے، جس کا دل پاک ہے، اس کا اگر رنگ کالا بھی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جس فرد کا دل سیاہ ہو تو وہ ہر قسم کی روشنی سے محروم رہتا ہے، وہ انسانی جوہروں سے بھی محروم رہتا ہے، بظاہر چاہے وہ کتنا ہی علم اور ذہانت کا حامل ہو اور اسے بڑے بڑے اعزازات کیوں نہ حاصل ہوں، اگر دل روشن نہیں تو اس کیلئے یہ ساری چیزیں تاریکی کا باعث ہیں، اس صورت میں پھر اسے مادی مفاد کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آئیگی، کیونکہ، سیاہ دل سے، سیاہ کردار ہی ظاہر ہوگا، سیاہ دل کے حامل فرد سے انسانیت کے حوالے سے خیر وبھلائی کی امید رکھنا فضول ہے، ایسا فرد، خود غرض اور نفس پرست ہوتا ہے اور جو فرد دل کا اجلا بن جاتا ہے، صاحبانِ علم وذہانت، اس کی غلامی اختیار

کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن دل کا زنگ اتار کر، اسے پاک کرنا اور محبوبِ حقیقی کے انوار کا مرکز بنانا، کوئی آسان کام نہیں ہے، اس کیلئے اپنی زندگی کا بڑا حصہ مجاہدوں وریاضتوں میں خرچ کرنا پڑتا ہے، بلکہ اس مقصد کے لئے صوفی کو آگ کے سمندر سے گذرنا پڑتا ہے۔

دل تے دفتر ، وحدت والا، دائم کریں مطالعا ہو
ساری عمراں پڑھدیاں گذری جہلاں دے وچ جالیا ہو
اِکو اسم اللہ دا رکھیں، اپٹا سبق مطالعا ہو
دونہیں جہان غلام تنہاندے باہو ! میں دل اللہ سنبھالا ہو

ترجمہ: دل کی گہرائیوں میں، وحدت کا سارا خزانہ موجود ہے، ہمیں ہر وقت تنہائی میں اس کا مطالعہ کرنا چاہئے، فرد عام طور پر اپنی پوری زندگی، دنیاوی علم کے حصول میں گذار دیتا ہے، جس نے دل میں موجود لوح کا مطالعہ نہ کیا، اس نے گویا اپنی ساری زندگی جہالت میں گذار دی، بہت سارے علوم سے تو بس ایک لفظ (اللہ) کا سبق ہی کافی ہے، جس کا ہر فرد کو ہر دم مطالعہ اور ورد کرنا چاہئے۔

اے باہو! وہ افراد جنہوں نے اپنے دل میں اللہ کے اسم کو راسخ اور مستحکم کیا، وہ دونوں جہانوں کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے۔

تشریح:

''زندگی کی تبدیلی کے سلسلے میں، دل کی فیصلہ کن اہمیت،'' کے بارے میں، قرآن پاک میں بہت ساری آیتیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کے دل میں بے شمار صلاحیتیں رکھی ہیں، ان صلاحیتوں کو بیدار کرنے سے دل کا آئینہ صاف ہوتا ہے اور دل کے اس آئینے میں زندگی کے سارے رنگ اور نقوش واضح نظر آتے ہیں۔

محبوبِ حقیقی کی تجلی کا مرکز بھی ''دل'' ہی ہے، اگرچہ علم سے بھی دل کو رہنمائی ملتی ہے اور حق اور سچ کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہے۔ لیکن صالح عمل کیلئے علم کافی نہیں ہوتا، کیونکہ، ''علم'' کا زیادہ تر تعلق عقل سے ہے، ''عقل'' ایک مادی چیز ہے، عقل کو جب خالی علم مل جاتا ہے تو دل کی صلاحیتوں سے محروم عقل، اس علم کو اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے اور مادی مقاصد کے حصول کیلئے استعمال کرتا ہے، یہ ایک عام مشاہدہ کی بات ہے، جب ''دل'' کو، ذکر وفکر کے ذریعے، اللہ کی تجلیات کے انوار سے بھر دیا جاتا ہے، تو وہ دل، دنیا سے دستبردار ہو کر، محبوب کا مطیع بن جاتا ہے، اس سلسلے میں، اسم ذات کا ذکر، یعنی اللہ کے نام کا ذکر، سب سے زیادہ مؤثر ہے۔

دونوں جہانوں کی سعادت اسم ذات کے ذکر سے ہی وابستہ ہے، اس لئے کہ اسی اسم کی حامل ہستی سارے حسن کی مالک ہستی ہے اور کائنات میں موجود روشنی کا مرکز ہے، اس مرکز سے تعلق مستحکم کرنے کے نتیجہ میں فرد سراپا حسن بن جاتا ہے۔

درد اندر دا اندر ساڑے باہر کراں تاں گھائل ہو
حال اساڈا کیویں اوہ جانن جو دنیا تے مائل ہو
بحر سمندر عشقے والا ہر دم رہندا حائل ہو
پہنچ حضور آسان نہ باہو ! اسان نام تیرے دے سائل ہو

ترجمہ: دل کا درد ایسا ہے، جسے اندر میں دباؤں تو اندر آتش عشق سے جلتا ہے، اگر ظاہر کروں تو زخمی ہوتا ہے۔ ہمارے دل کے اسرار و رموز وہ کیسے جان سکتے ہیں، جو حب دنیا سے سرشار ہیں۔

عشق کا گہرا اور وسیع سمندر، ہر لمحہ موجزن ہے، اس پر کوئی زور نہیں چلتا۔

اے باہو! منزل مقصود پر پہنچنا کوئی آسان کام نہیں ہے، اے رحم کرنے والی ہستی! ہم گنہگار، آپکے در کے سائل ہیں، بس آپ ہی کا سہارا ہے۔

تشریح:

عاشقوں کے دل میں ہر دم، محبوب کیلئے بے چینی اور اضطراب رہتا ہے، دنیادار، یا ظاہری علم کے حامل افراد، عاشق کے دل میں موجود، محبوب کیلئے کرب، بے تابی اور شدید والہانہ جذبات کو نہیں سمجھ سکتے، عشق ایک سمندر ہے، جس میں عاشق ہمہ وقت غوطہ زن رہتا ہے اور عشق کی شوریدہ لہریں اسے زیر و زبر کرتی رہتی ہیں۔ عشق کی راہ، کوئی آسان راہ نہیں ہے، منزلِ مقصود پر پہنچنے کیلئے، محبوب کے خاص فضل کے سوا، کوئی چارہ کار نہیں۔

طالب، عشق کا سمندر محبوب حقیقی کے سہارے ہی طے کرتا ہے، جب وہ سمندر کی طوفانی لہروں کا شکار ہوتا ہے (اور اکثر ہوتا رہتا ہے) تو اس وقت وہ محبوب کی طرف رحم کی، نگاہوں سے دیکھکر اس کے سامنے آہ وزاری کرنے لگتا ہے، اس طرح محبوب اس کی دستگیری کر کے ان طوفانی لہروں سے پار کر لیتا ہے۔

درد منداں دے دھوئیں دکھدے، ڈردا کوئی نہ سیکے ہو
انہاں دھوئیاں دے تاء تکھیرے محرم ہو وے تاں سیکے ہو

چھک شمشیر کھڑا ہے سرتے ترس پوس تاں تھیکے ہو
ساہورے کڑیئے اپنے ونجناں باہو ! سدا نہ رہندے پیکے ہو

ترجمہ: عاشق صادق اور سچے طالبوں کے دل کی تپشِ عشق سے لوگ عام طور پر دور بھاگتے ہیں، عام دنیادار ان کے قریب آتے ہوئے ڈرتے ہیں، اس دھوئیں کی تپش بہت تیز ہوتی ہے، جو حال محرم ہوں، وہی اس کی حرارت کو برداشت کر سکتے ہیں، کیونکہ، اس گرمی میں انکے لئے سکون اور راحت ہے۔

تلوار بردار جلاد (موت کا فرشتہ) ہر وقت ہمارے سر پر کھڑا ہے، ربّ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے، ورنہ چھٹکارا مشکل ہے۔ اے باہو! لڑکیوں کو تو آخر ایک دن اپنے سسرال جانا ہوگا، ہمیشہ تو اپنے میکے میں نہیں رہ سکتیں۔

تشریح:

عاشقوں نے اللہ کے عشق کی جو آگ جلائی ہے، اس آگ کی حرارت اتنی تیز ہے کہ وہ، فرد کی نفسانی قوتوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے اور اسکو خالص اللہ کا بنا دیتی ہے، لیکن بدقسمتی سے، اللہ والوں کی خانقاہ میں آکر، اس آگ سے حرارت حاصل کرنے اور خود پر عشق کو طاری کرنے کیلئے افراد میں طلب موجود نہیں، خاص طور پر ''عقل'' اور ''علم'' کے حامل افراد، عشق کی دنیا میں داخل ہونے کیلئے تیار ہی نہیں۔

ہر انسان کو آخر ایک دن اس دنیا سے جانا ہے، یہ زندگی ہمیشہ رہنے والی نہیں، اس یقین کے باوجود، محبوب حقیقی کے ساتھ، عشق کا تعلق قائم نہ کرنا، یہ انسانی مزاج کا سب سے بڑا المیہ ہے، راہ عشق میں اول تو آتے نہیں، جو آتے ہیں، وہ دو قدم چل کر مشکلات سے گھبرا کر راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔ بہت کم افراد ہیں جو راہ عشق کی مشکلات کو صبر و حوصلہ کے ساتھ طے کرنے پر آمادہ ہیں، ایسے افراد ہی سعادت دارین کے حامل ہیں۔

درد منداں دا خون جو پیندا کوئی برہوں باز مریلا ہو
چھاتی دے وچ کیتس ڈیرا جیویں شیر بیٹھا مل بیل ہو
ہاتھی مست سندوری وانگوں کردا پیلا پیلا ہو
اس پیلے دا وسواسی نہ کیجئے پیلے باہجھ نہ ہوندا میلا ہو

ترجمہ: عاشقوں کے دل میں، درد و فراق نے بسیرا کر لیا ہے، اور یہ ہجر و فراق، ایک خونی باز کی مثل اس کا خون چوستا ہے۔

عشق کی اس جانگدار کیفیت نے میرے سینے میں اس طرح گھر کر لیا ہے، جیسے شیر، جنگل پر قابض ہو جائے، یہ درد عشق مست ہاتھی کی طرح، بار بار حملہ آور ہوتا ہے۔ تم ان مصیبتوں اور تکلیفوں کی پرواہ نہ کرو، انہیں برداشت کرو، اور سارے مراحل طئے کرنے کے بعد ہی وصال کی منزل حاصل ہو گی۔

تشریح:

وصال کی منزل حاصل کرنے کیلئے عاشق کو خون کے سمندر سے گذرنا پڑتا ہے، اور محبوب کی جلائی ہوئی آگ کے اُلاؤ میں جلنا پڑتا ہے۔

محبوب سے عشق اور محبت کا دعویٰ کرنے کے بعد، عاشق کو امتحان کی جس بھٹی سے گذارا جاتا ہے، وہ اتنا بڑا امتحان ہے کہ اس سے بڑا امتحان کوئی نہیں ہو سکتا، محبوب نے اپنے وصال کی قیمت ہی یہ رکھی ہے کہ، عاشق کو روزانہ سولی پر چڑھنا پڑتا ہے، برسوں تک ان مراحل سے گذرنے کے بعد کہیں جا کر اسے وصل کے مقام تک رسائی ہوتی ہے۔ عشق کی حقیقت اور، اس کی قدر و قیمت، عاشق ہی جان دے سکتے ہیں۔

ایک زندگی کی قربانی دے کر ہی اسے محبوب کی طرف سے سو نئی زندگیاں عطا فرمائی جاتی ہیں، لیکن افراد کے لئے ایک زندگی کی قربانی دینا دشوار تر نظر آتا ہے۔

دین تے دنیا سکیاں بھینیاں تینوں عقل نہیں سمجھیندا ہو

دونوں اکس نکاح وچ آؤن، تینوں شرع نہیں فرمیندا ہو

جیویں اگ تے پانی تھاں اکے وچ واسا نہیں کریندا ہو

دونہیں جہانیں مٹھا باہو! جیہڑا دعوے کوڑ کریندا ہو

ترجمہ: ''دین'' اور ''دنیا'' دو سگی بہنوں کی مثل ہیں، لیکن عام لوگوں کو شاید اس بات کا شعور اور ادراک نہیں، شریعت کے فرمان موجب، دو سگی بہنوں کا نکاح ایک فرد سے نہیں ہو سکتا، جس طرح آگ اور پانی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، اسی طرح، ''دین اور دنیا دونوں (کی محبت)'' کا بھی ایک جگہ رہنا ناممکن ہے، اے باہو، جو یہ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ، ''ہم نے دین اور دنیا (کی محبت کو) بخوبی یکجا کیا ہے، تو وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

تشریح:

بزرگان دین اور صوفی شعراء کے کلام میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دنیا اور دولت کو اہمیت دینا، آسائشات کے حصول کیلئے فکر مند رہنا، مال و دولت کے حصول کے لئے مریدوں سے طمع رکھنا، وسیع اور خوبصورت بنگلے اور شاندار گاڑیوں کا اہتمام

کرنا اور ملازموں اور خادموں کے گھیرے میں رہنا بڑی نادانی ہے اور اپنے قیمتی وقت زیاں بھی، ان کے کلام اور ملفوظات میں مالداروں اور دنیا داروں سے مشابہت سے ممانعت کی گئی ہے، کیونکہ انکی نظر میں بزرگی کی روح ''فقر'' اور ''زہد'' ہے، اگر نہ چاہنے کے باوجود دولت جائز ذرائع سے آنے لگے تو، بزرگی اور فقر کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی بنیادی ضرورت کے علاوہ باقی دولت اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے کے کاموں میں خرچ کی جائے، مالداروں کا سا شان و شوکت اختیار کرنے سے پرہیز کیا جائے، اہل تصوف کا یہ امتیاز رہا ہے کہ وہ دولت سے سمجھوتہ کرنے کیلئے تیار ہی نہیں۔

دنیا زن گھر منافق دے یا گھر کافر دے سوہیندی ہو

نقش نگار کرے بہتیرے زن خوباں سب مونہندی ہو

بجلی وانگوں کرے لشکارے سردے اتوں جھوندی ہو

حضرت عیسیٰ دی سلھ وانگوں باہو! راہ ویندیاں نوں کوہندی ہو

ترجمہ: دنیا اور اس کا مال و متاع ایسی عورت کی مثل ہے، جو کسی ایک کے پاس نہیں ٹکتی، یہ تو صرف کسی منافق یا کافر کے گھر میں سجتی ہے، دنیاوی لذتیں، دولت اور ہار سنگھار کی چیزیں، ہر جائی عورت کی طرح دل کو بہلاتی ہے، اور سب کو اپنی طرف راغب کرتی ہے، اسکی دلفریب ادائیں آنکھوں کا دھوکہ ہیں، بجلیاں گراتی ہوئی اسکی تجلیاں، لوگوں کے ہوش اور عقل کو سلب کرنے کیلئے کافی ہیں۔ (اس سے صرف وہی لوگ بچ سکتے ہیں، جو زندگی کو فانی اور دنیا کو مسافر خانہ سمجھتے ہیں) اے باہو! یہ دولت، حضرت عیسیٰ کی صلیب کی طرح راہ چلتے لوگوں کو ذبح کرتی ہے۔

تشریح:

دولت اور دنیا کی برائی کیلئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ افراد کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اسکے ذکر سے دور کرتی ہے، دنیا کی کشش اور اسکی لذت سے بچنا، اللہ کے کثرتِ ذکر کے نور کے بغیر ناممکن ہے، اہل اللہ، دنیا کے مکر و فریب سے بخوبی آشنا ہیں، اسلئے وہ ضرورت سے زائد دنیا سے دور رہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایک بار دنیا کو اپنے قریب لانے کے بعد دنیاوی مصروفیات اور جھنجھٹوں سے بچنا بڑا مشکل کام ہے، دنیاوی ساز و سامان اور لذت کی چیزوں نے لوگوں کو دیوانہ بنا کر، ان کے دل سے صحیح اور غلط کی پہچان ہی مٹا دی ہے۔

دنیا ڈھونڈن والے کتے، دردر پھرن حیرانی ہو

ہڈی اتے ہوڑ تنہا ندی لڑدیاں عمر وہانی ہو

عقل دے کوتاہ سمجھ نہ جانن پیون لوڑن پانی ہو

باہجھوں ذکر ربے دے باہو کوڑی رام کہانی ہو

ترجمہ: دنیاوی دولت کے حریص، کتے کی مثل ہیں، جو اسکی تلاش میں، در، در حیران وپریشان پھرتے ہیں، مال ومتاع کے طالب، ان کتوں کی پوری زندگی ایک ہڈی پر لڑتے ہوئے گذر جاتی ہے، یہ کم عقل دنیادار سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی محنت سے اپنا رزق حاصل کر رہے ہیں، حالانکہ جتنا رزق ان کے نصیب میں ہے، اللہ نے وہ پہلے سے انکی تقدیر میں لکھ دیا ہے۔

اے باہو! اللہ کا ذکر ہی اصل اور زندگی کا حاصل ہے، باقی ساری چیزیں لایعنی ہیں۔

تشریح:

اللہ والوں پر دنیا کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ اس حقیر ''دنیا'' کی حیثیت اس ہڈی سے زیادہ نہیں، جس پر کتے ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے رہتے ہیں، ایسے افراد جو دنیا پر فدا ہیں اور دنیا پر گرتے اور مرتے ہیں، انکا حشر ان کتوں جیسا ہوتا ہے، جو ساری زندگی ایک دوسرے سے ہڈیاں چھیننے میں گذار دیتے ہیں، ہر فرد کی تقدیر میں اسکا رزق لکھ دیا گیا ہے، اللہ کی ذات پر بھروسا کر کے جائز روزی کیلئے جدوجہد کرنا فرض ہے، جبکہ دولت کو جمع کرنے کیلئے اپنی ساری توانائیاں خرچ کر دینا دانشمندی ہرگز نہیں۔ اہل اللہ پر دنیا کی یہ حیثیت کہ وہ عارضی ہے، فانی ہے، چند لمحوں سے زیادہ نہیں، وہ واضح اور مشاہد ہوتی ہے، اس لئے ان کے دل میں دولت کے لئے گنجائش ہی نہیں ہوتی اور وہ دوسروں کو بھی فانی دنیا سے محبت نہ کرنے اور اس میں توانائیاں صرف نہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

ددھ تے دہی ہر کوئی رڑکے عاشق بھاء رڑکیندے ہو

تن چٹورا من مند ھانی آہیں نال ہلیندے ہو

دکھاں دانیترا کڈھے لشکارے غماں پانی پیندے ہو

نام فقیر تنہا ندا باہو! جیہڑے ہڈاں توں مکھن کڈھیند کے ہو

ترجمہ: دودھ اور دہی سے تو ہر کوئی مکھن نکالتا ہے، لیکن عاشق اپنے عشق کی تپش سے یہ کام لیتے ہیں، وہ اپنے تن کو دودھ بلورنے والا آلہ بنا کر اسکو اپنی آہوں سے رگڑتے ہیں، وہ

اپنے دکھوں کی مندھانی کو رسی کی طرح چلاتے ہیں، جس سے لشکارے نکلتے ہیں، پھر مکھن کو دھونے کے لئے غموں کا پانی شامل کرتے ہیں۔ اے باہو! فقیر تو وہ ہیں، جو اپنی ہڈیوں سے مکھن نکالتے ہیں۔

تشریح:

اس شعر میں محبوب حقیقی کے وصال کیلئے، عاشق کے شدید مجاہدوں، ان تھک جدوجہد اور محبوب کیلئے فداکارانہ کاوش کی جو عکاسی کی گئی ہے، وہ بے مثل ہے، محبوب کی قدر حقیقی عاشق ہی جانتے ہیں، وہ محبوب سے وصال کے لئے اپنی ساری توانائیاں خرچ کر کے شب وروز ایک کر کے راہ سلوک میں چلتے ہیں۔

محبوب نے اپنے وصال کی بہت بڑی قیمت رکھی ہے، وہ یہ ہے کہ عاشق صادق طویل عرصے تک فراق میں تڑپتا رہتا، اور محبوب کے تیر سہتا رہتا ہے، جب وہ فنائیت کے سارے مرحلے طئے کر کے خود کو مکمل طور پر محبوب کے سپرد کر دیتا ہے، تب کہیں جا کر اسے وصل کی سعادت عظمیٰ حاصل ہوتی ہے، اس دوران وہ روزانہ زندہ ہونے اور مرنے کی حالت سے دوچار ہوتا ہے۔

درد منداں دیں آہیں کولوں پہاڑ پتھر دے جھڑ دے ہو

درد منداں دیاں آہیں کولوں بھج نانگ زمین وچ وڑ دے ہو

درد منداں دیاں آہیں کولوں اسمانوں تارے جھڑدے ہو

درد منداں دیاہ آہیں کولوں باہو! عاشق مول نہ ڈر دے ہو

ترجمہ: دردمندوں کی آہوں اور صداؤں میں اتنی تاثیر ہوتی ہے کہ اس سے پہاڑوں کے پتھر بھی ٹوٹ کر گر جاتے ہیں، اہل درد کی آہوں سے سانپ جیسے موذی جانور بھی بھاگ کر دھرتی میں چھپ جاتے ہیں، اہل درد کی صداؤں اور آہوں میں اتنی تاثیر ہے کہ ان سے آسمان کے تارے بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔

اے باہو! اللہ کے سچے عاشق ان آہوں اور اندر سے نکلنے والی صداؤں سے سے بالکل ڈرنے والے نہیں ہیں۔

تشریح:

محبوب کے غم کے فراق میں عاشق کے دل سے جو آہیں اور صدائیں نکلتی ہیں، ان سے اشیائے کائنات لرز جاتی ہیں، محبوب کو یہ آہیں اور فریادیں اور صدائیں سب سے زیادہ پسند ہیں، محبوب حقیقی نے یہ کائنات صرف اسی لئے سجائی ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ کون بندے

ہیں، جو اس کے عشق و محبت میں فنا ہوتے ہیں، محبوب کیلئے عاشق کی آہیں اور فریادیں اندر ہی اندر ہوتی ہیں، چونکہ متوسط صوفی کا ظرف چھوٹا ہے، اس لئے وہ درد سے بے تاب ہوتا ہے، سوزِ درد سے وہ فریاد کرنے پر مجبور ہوتا ہے، اسکی آہوں میں جو سوز ہوتا ہے، وہ ایسا سوز ہے، جو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ متوسط صوفی کی محبوب کیلئے فریفتگی قابل دید ہوتی ہے، وہ دن رات محبوب کے لئے تڑپتا رہتا ہے، محبوب کو اسکا اضطراب اور بیقراری کا منظر پسند ہے۔

دلیلاں چھوڑ وجودوں ہو ہوشیار فقیرا ہو
بنھ توکل پنچھی اڈ دے پلے خرچ نہ زیرا ہو
روز روزی اڈ کھان ہمیشہ نہیں کردے نال ذخیرا ہو
مولا خرچ پہونچا وے باہو! جو پتھر دے وچ کیڑا ہو

ترجمہ: اے راہ حق کے مسافر! اے فقیر! تم ہوشیاری سے کام لو اور دل سے فضول وہم اور وسوسے نکال دو، قیل و قال میں وقت نہ گنواؤ، پرندوں پر تو نظر ڈال کر دیکھو، وہ کس طرح اپنے رب کے بھروسے پر اڑتے ہیں، اپنے ساتھ کھانے کے لئے ایک دانہ بھی لیکر نہیں اڑتے، ان کو رازق پر اتنا توکل ہوتا ہے کہ، وہ روز اپنی روزی تلاش کر کے، دانہ چگ کر رات کو اپنے گھونسلے میں آکر آرام کرتے ہیں، وہ کل کیلئے چند دانے بھی بچا کر نہیں رکھتے، تمہیں بھی اپنے پروردگار پر ایسا ہی بھروسا کرنا چاہیے۔

اے باہو! اللہ تعالیٰ تو اس کیڑے کو بھی رزق عطا کرتا ہے جو پتھر کے اندر بیٹھا ہوتا ہے۔

تشریح:

عارف شاعر، طالب کو تقلین کرتے ہیں کہ رزق کے سلسلے میں پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جو خالق پرند چرند کا روزی رساں ہے اور کائنات کی ان گنت مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے، کیا وہ تمہیں رزق عطا نہیں دے گا؟ روزی کے سلسلے میں فضول خیال اور وسوسے چھوڑ کر محبوب حقیقی پر مکمل بھروسہ کرو، وہ تمہارے لئے اس طرح رزق کا انتظام کریگا کہ تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ اس اعتبار سے عاشق، توکل کے جس مقام پر فائز ہیں ہم جیسے عام افراد اس کا تصور کرتے ہوئے بھی لرزنے لگتے ہیں، اس لئے کہ توکل کی زندگی ابتلا و آزمائش سے بھرپور ہے، محبوب کی طرف سے شروع میں طالب کے صبر و شکر کی بہت آزمائش ہوتی ہے، جب وہ اس آزمائش میں کامیاب ہوتا ہے تو اس کے لئے راستے کھول دیئے جاتے ہیں۔

دل بازار تے شہر دروازہ سینہ شہر وسیندا ہو
روح سوداگر نفس ہے راہزن جیہڑا حق داراہ مریندا ہو
جاں توڑی اے نفس نہ ماریں تاں ایہہ وقت کھڑیندا ہو
کردا ہے ویلا ضایع باہو! جان نوں تاک مریندا ہو

ترجمہ: انسانی جسم میں موجود سینہ کی مثال ایک شہر کی طرح ہے، دل اس شہر کا بازار ہے اور چہرہ اسکا دروازہ، روح کو اس شہر میں سوداگر کی حیثیت حاصل ہے، اس بازار میں ''نفسِ امارہ'' جیسا رہزن بھی موجود ہے، جو ''حق'' تک پہنچنے کے سارے راستے روک دیتا ہے، جب تک تم اس دشمن ''نفس امارہ'' کا قلع قمع نہ کروگے، اس وقت تک تم راہ حق کے صحیح مسافر نہیں بن سکتے۔

اے باہو! یہ ''نفس امارہ'' لوگوں کی زندگی کے قیمتی لمحات، بیکار کاموں میں صرف کر کے انہیں محبوب کے وصال جیسی لازوال نعمت سے محروم کر دیتا ہے۔

تشریح:

انسانی جسم کی مثال اس بڑے شہر کی سی ہے، جسمیں بے شمار مخلوق آباد ہو، انسانی جسم میں ''دل'' بھی ہے، اور ''روح'' بھی، ''عقل'' بھی ہے، اور ''نفس'' بھی، دل، روح اور عقل ان میں سے ہر ایک کی وسیع ترین دنیا ہے، نفس ایسا رہزن ہے، جو روح کی لطیف قوت کو اپنا زیر کر لیتا ہے، اور دل کو اپنا مطیع بنا لیتا ہے، ''روح'' جو محبوبِ حقیقی کیلئے اپنی پرواز کو جاری رکھنا چاہتی ہے، ''نفس'' روح کو مادی خواہشوں کی زنجیروں میں باندھ کر، اسکی پرواز کے راستے مسدود کر دیتا ہے، اس طرح نفس امارہ افراد کو ابدی خسارہ سے دوچار کر دیتا ہے۔ اس لئے کثرت ذکر و فکر کے ذریعہ اس دشمن کو زبر کرنا، دوسرے سارے کاموں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

ذاتی نال نہ ذاتی رلیا سو کم ذات سدیوے ہو
نفس کتے نوں بنھ کرا ہاں قیما قیم کجیوے ہو
ذات صفاتوں مہناں آوے جداں ذاتی شوق نہ پیوے ہو
نام تنہا ندا باہو! قبر جنہاندی جیوے ہو

ترجمہ: جب تک ''ذاتِ انسانی'' کو ''ذات الٰہی'' کا وصال حاصل نہ ہو، تب تک اسے حقیر اور کم ذات ہی سمجھا جائے گا، نفس کتے کو مار کر، اسے تابع کرنا چاہیے، تاکہ وصل کی راہ میں حائل رکاوٹ باقی نہ رہے۔ جو لوگ نفس کی فنائیت اور اپنے وجود کی نفی کی راہ پر گامزن نہیں ہوتے، انہیں حق کے سامنے شرمندگی کا سامنا کرنا ہوگا۔

اے باہو! سچے فقیر تو وہی ہیں، جو قبروں میں بھی ذکر کے نور کی وجہ سے زندہ رہتے ہیں۔

تشریح:

سچے عاشق وہی ہیں، جو طویل عرصے تک سرکش نفس کے ساتھ شدید مقابلہ کر کے، اسے اللہ کی اطاعت میں دیتے ہیں، اور نفس کو ''نفسِ مطمئنہ'' کے مقام پر پہنچاتے ہیں، حقیقی بہادر اور انسانیت کا اصل جوہر ایسے ہی طالب ہیں، دنیا میں سارا فساد اسی نفس کی وجہ سے برپا ہے، اس نفس کو مطیع کرنا بہت ضروری ہے، اسے مطیع کئے بغیر نہ تو اس کی ناپاکی سے بچا جا سکتا ہے، نہ ہی محبوب حقیقی کا قرب حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے کہ نفس، فرد کو محبوب کے مدِّ مقابل لا کھڑا کرتا ہے، اس نفس کو مہذب بنانے میں ساری توانائیاں خرچ کرنی چاہئیں، تاکہ کل کو حشر کے میدان میں محبوب کے سامنے شرمندگی سے بچا جا سکے، اس مقصد کے لئے دوسرے سارے کاموں کو ثانوی حیثیت دینی چاہیے۔

ذکر فکر سبھ ارے اریرے جاں، جان فدا نہ فانی ہو
فدافانی تنہاں نوں حاصل جیہڑے وسن لامکانی ہو
فدا فانی انہاں نوں ہویا جنہاں چکھی عشق دی کانی ہو
باہو! ہودا ذکر سڑیندا ہر دم، یار نہ ملیا جانی ہو

ترجمہ: ذکر و فکر سب راہِ حق کے ابتدائی مراحل ہیں، جب تک جان فدا نہ ہو، سفر مکمل نہیں ہوتا، راہِ حق میں جان فدا کرنا، یعنی فنا فی اللہ ہو جانا، کوئی آسان کام نہیں ہے، جو لامکان میں بستے ہیں، فنا فی اللہ کا درجہ تو ان اللہ والوں کو ملتا ہے، فنا فی اللہ کی سعادت ان کو ملتی ہے، جو اپنے دل پر ہمہ وقت محبوب کے تیر برداشت کرتے رہتے ہیں۔

اے باہو! ''ہو'' کا ذکر ہر دم فرد میں عشق پیدا کرتا رہتا ہے، جس سے محبوب کے قرب و وصال کی منزل تک رسائی حاصل ہو گی۔

تشریح:

ذکر و فکر کا دورانیہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے، محبوب کیلئے طالب کے دردِ عشق میں اسی رفتار سے اضافہ ہوتا جاتا ہے، دردِ عشق ہی طالب کو فنا کے مقام تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے، اس دوران طالب مسلسل محبوب کیلئے عشق کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔

مبتدی طالب کو شروع میں ذکر و فکر میں لذت حاصل ہوتی ہے، پھر جوں جوں وہ آگے بڑھتا جاتا ہے، دردِ عشق اسے بے تاب کر دیتا ہے اور محبوب کے شانِ جلال کی صفات کے عکس سے اسکی زندگی اضطراب سے بھر جاتی ہے، اسی طرح نفس کی فنائیت کے ساتھ ساتھ عشق کے مراحل بھی طئے ہوتے جاتے ہیں۔

ذکر کنوں کر فکر ہمیشاں ایہد لفظ تکھا تلواروں ہو
کڈھن آہیں تی جان جلاون فکر کرن اسراروں ہو
ذاکر سوئی جیہڑے فکر کماون ہک پلک نہ فارغ یاروں ہو
فکر دا پھٹیا کوئی نہ جیوے پٹے مڈھ پہاڑوں ہو
حق دا کلمہ آکھیں باہو ربّ رکھے فکر دی ماروں ہو

ترجمہ: ذکر کے ساتھ فکر بھی کرنا چاہئے، ''فکر'' تلوار سے بھی زیادہ تیز ہے، فکر ایک سربستہ راز ہے، جسکو اختیار کرنے والے، ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں، فریادیں کرتے ہیں، ہر دم سلگتے اور روتے رہتے ہیں۔

''ذاکر'' وہی ہیں، جو ذکر کے ساتھ فکر بھی کرتے ہیں، اور ایک لمحہ بھی محبوب کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، انکے لئے باطن میں حیران کن نظارے ہیں، فکر تو اس حالت کا نام ہے، جسکا زخمی کبھی زندہ نہیں رہتا، وہ تو پہاڑوں کو متزلزل کر سکتا ہے۔

اے باہو! حق کا کلمہ ذکر کرتے رہو، ربّ پاک تمہیں فکر کی مشقت برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔

تشریح:

ذکر کے ساتھ فکر جس کو روحانی اصطلاح میں ''مراقبہ'' بھی کہا جاتا ہے، ضروری ہے، ''مراقبہ'' اندر میں غوطہ زن ہو کر، محبوب کے انوار حسن سے بہرہ ور ہونے اور محبوب کی تجلیات کے ذریعے نفس کے تزکئے کا ذریعہ ہے، مراقبہ کرنے سے سالک پر عجیب و غریب اسرارِ الٰہی ظاہر ہوتے ہیں، اندر کی دنیا کے ان گِنت راز اس پر افشاں ہوتے ہیں، نفس

کی معرفت کے ساتھ محبوب کی معرفت کے ارتقائی مراحل طے ہوتے ہیں، ''مراقبہ'' سالک کے دردِ عشق کو بلندیوں پر پہنچاتا ہے، اللہ کی ہستی جو ساری کائنات کو باقی رکھنے کا ذریعہ ہے، جس سے ساری کائنات کا حسن قائم ہے، اس ہستی کے اسم ذات کے قلبی ذکر (جسے مراقبہ بھی کہتے ہیں) سے فرد غیر معمولی توانائیوں کا حامل ہو جاتا ہے۔ اس فکر یعنی اسم ذات کے مراقبہ کے جتنے بھی فوائد بیان کئے جائیں کم ہیں۔

راہ فقر دی پرے پریرے اوڑک کوئی نہ دسے ہو
ناں اوتھے پڑھن پڑھاون کوئی ناں اوتھے مسئلے قصے ہو
ایہہ دنیا بت پرستی مت کوئی اس تے دسے ہو
موت فقیری جیں سر آوے باہو! معلم تھیوے تسے ہو

ترجمہ: راہ فکر کی مسافت بہت دور اور انتہائی طویل ہے، نہ اسکی کوئی حد ہے، نہ ہی اسکے بارے میں پوری طرح آگائی ہو سکتی ہے، نہ اس راہ میں پڑھنے پڑھانے کا کام ہوتا ہے، اور نہ ہی مسئلے مسائل یا قصے وغیرہ بیان ہوتے ہیں، مادی دنیا سے دل لگانا، بت پرستی کے مثل ہے، دل کو دنیاوی خواہشوں سے خالی کر کے، جس نے زندگی بسر کی، وہی کامیاب ہے۔

اے باہو! جسے فقر کی حالت میں موت آجائے، اسکی لذت سے صرف وہی آشنا ہیں، یہ باتیں صرف وہی جان سکتے ہیں، جو فقر کی مسافت سے واقف ہیں۔

تشریح:

دنیا جہاں سے بے پرواہ ہو کر، محبوب سے دل لگانے کا نام ''فقر'' ہے، بظاہر کچھ بھی نہ ہونے کے باوجود صاحبان فقر کا دل ہمیشہ لذت کی کیفیت سے سرشار رہتا ہے، محبوب کی طرف سے انہیں وہ کچھ عطا ہوتا ہے کہ دنیادار انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

سچا عاشق ساری دنیا کے بدلے میں ''فقر'' کے کچھ اجزاء بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اہل دنیا ہر وقت دنیا پر ٹوٹ پڑتے ہیں، جب کہ صاحب فقر، دولت اور دنیا سے بے پرواہ ہو کر، اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں کہ، وہ محبوب کی معیت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ فقر کی اس زندگی کو وہ اپنے لئے سعادت دارین سمجھتے ہیں۔

ان کے دل میں دنیا کے حوالے سے کوئی حسرت نہیں ہوتی، انہیں ایک ہی حسرت ہوتی ہے کہ محبوب کے لئے ذکر و فکر کے جو مجاہدے ہونے چاہئے، اس کا معمولی حق بھی وہ ادا نہ کر سکے۔

راتیں رتی نندر نہ آوے، دیہاں رہے حیرانی ہو
عارف دی گل عارف جانے کیا جانے نفسانی ہو
کر عبادت پچھو تاسیں تیری ضایع گئی جوانی ہو
حق حضور انہاں نوں حاصل باہو،
جنہاں ملیا شاہ جیلانی ہو

ترجمہ: طالب صادق اور سچے عاشق کو، نہ رات کو نیند آتی ہے، نہ دن کو چین ملتا ہے، وہ ہر وقت عالمِ حیرت میں گم رہتا ہے۔ عارفوں کے یہ مخفی راز، عارف ہی جان سکتے ہیں، نفس کا مطیع بندہ ان اسرار و بھید کو نہیں پا سکتا۔

اے غافل، غفلت کی نیند سے بیدار ہو! عبادت کر کے اپنے رب کو راضی کر۔ اگر تمہاری جوانی اسی طرح غفلت میں ضایع ہو گئی، تو بہت پچھتاؤ گے۔

اے باہو! جن کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی جیسا کامل مرشد ملا، وہی قربِ حق اور وصالِ الٰہی کی منزل کو پہنچ سکتے ہیں۔

تشریح:

محبوبِ حقیقی، اپنے چاہنے والوں پر، اپنی جلالی تجلیاتِ کے انوار گراتا ہے تو، انکی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ بے چینی میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن رہتا ہے۔ نیند میں بھی اسکے لبوں پر محبوب کے نام کی پکار جاری ہے، جب تک جسم میں خون کا آخری قطرہ بھی موجود ہے، تب تک، محبوب حقیقی کیلئے اسکے مجاہدے جاری ہیں، ان کے مجاہدوں کا کا یہ منظر دیکھتے ہوئے، محبوب چاہتا ہے کہ، وہ میرے لئے خود کو آخری حد تک فنا کریں، تاکہ درمیاں میں حائل سارے فاصلے ختم ہو جائیں۔

راتیں نین رت پنجوں روون تے دیہاں عمرہ غم دا ہو
پڑھ توحید وڑیا تن اندر سکھ آرام نہ سمدا ہو
سر سولی تے چا ٹنگیونے ایہو راز پرم دا ہو
سدھا ہو کہیو وے باہو! قطرہ رہے نہ دم دا ہو

ترجمہ: راتوں کو آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں، اور دن دکھوں میں گذرتا ہے، ''توحید'' یعنی عشق الٰہی میں ''وحدت'' کا سبق، دل میں اس طرح گھر کر گیا ہے کہ

سکھ و آرام کی نیند ختم ہو گئی ہے، یہ عشقِ الٰہی ہی کا کرشمہ ہے کہ، عاشق، ہنستے کھیلتے سولی پر چڑھ جاتے ہیں، عشق کی عظمت اور حرمت کی وجہ سے ہی عاشق بہادری سے محبوب کے لئے فدا ہو جاتے ہیں، اے باہو! اسم ذات کا اس طرح ذکر کرو کہ سانس کا سفر جاری رہے۔

تشریح:

عاشقوں کی ساری جدوجہد، دوئی و دورنگی کو دور کر کے، خالص اللہ کا ہو جانے اور اللہ کا رنگ غالب کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ توحید کی حقیقت اور اس کی روح تو عارف ہی سمجھ سکتے ہیں۔

عاشقوں کو اپنے نفس پر توحید کا نقش مستحکم کرنے، اور اللہ کے سوا سب کی خدائی کا انکار کرنے کیلئے جو مجاہدے کرنے پڑتے ہیں، وہ جان توڑ مجاہدے ہوتے ہیں۔ اپنی ذات پر عبدیت کا رنگ غالب کرنے اور اس رنگ کو مستحکم کرنے کیلئے، جوں ، جوں فرد کے مجاہدے بڑھتے ہیں، اسی شدت سے اس پر نفس کی قوتیں حملہ آور ہوتی رہتی ہیں، طویل عرصے کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد کہیں جا کر توحید میں رسوخ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ زبانی طور پر توحید کا دعویٰ کرنا تو آسان ہے، لیکن حقیقت میں توحید پرست بن جانا، دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔

رات اندھیری کالی دے وچ عشق چراغ جلاندا ہو

جیندی سک وچ دل چانیوے توڑیں آواز نہیں سنا ندا ہو

اوجھڑ جھل تے مارو بیلے ایتھے ہر دم خوف شیناندا ہو

تھل جل جنگلی گئے جھگیندے باہو! کامل نینہہ جناندا ہو

ترجمہ: دنیا کی اندھیری رات میں عشق نے چراغ جلا کر روشنی کی۔ عشق کی صدا سننے میں نہیں آتی، لیکن اس کا سوز اور تپش دل کو آتش عشق میں جلاتا رہا ہے، یہ دنیا آزمائش گاہ ہے، جہاں قدم قدم پر خطرناک جنگل اور بیاباں ہیں، جن میں خوفناک شیر و درندے رہتے ہیں۔ اے باہو! جو عشق میں صادق ہیں، وہ کسی خطرے اور مصیبت سے نہیں گھبراتے، وہ سارے جنگل، پہاڑ اور دریاؤں کو بڑے حوصلے اور ہمت سے پار کر جاتے ہیں۔

تشریح:

''عشق'' دراصل محبوب کے انوار کے ساتھ، زندگی کے سفر کو طئے کرنے کا ذریعہ ہے، عشق کے بغیر زندگی میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے، کوشش کے باوجود اس اندھیرے میں فرد کو کوئی چیز واضح نظر نہیں آتی، عشق کی چنگاری سے ہی یہ اندھیرے دور ہو سکتے ہیں، عشق کی پکار سننے میں نہیں آتی، لیکن عشق، طالب کو، محبوب کیلئے سراپا مضطرب بنا دیتا ہے، سراپا

بے تابی طالب کے وجود کو سوز سے سرشار کر دیتی ہے، اور دل کو سوختہ کر کے، ایسا بنا دیتی ہے کہ اب وہ ہر وقت محبوب پر جان نچھاور کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

دنیا، ''دارالفتن'' ہے، یہاں قدم، قدم پر امتحان اور آزمائشوں کا سامنا ہے، دنیا کا جنگل، لاتعداد خوفناک جانوروں سے بھرا ہوا ہے، جو انسان، اور انسانیت کو نشانہ بناتے رہتے ہیں، افراد کو ان درندوں سے عشقِ الٰہی ہی بچا سکتا ہے، کیونکہ۔ عشق، محبوب کے سائے میں پناہ لینے کا ذریعہ ہے۔

رحمت اس گھر وچ وسے جتھے بلدے دیوے ہو

عشق ہوائی چڑھ گیا فلک تے کتھے جہاز گھتیوے ہو

عقل فکر دی بیڑی نوں چا پہلے پور بوڑیوے ہو

ہرجا جانی وسے باہو جت ول نظر کیجیوے ہو

ترجمہ: اس گھر پر اللہ کی رحمت ہو، جس گھر میں عشقِ الٰہی کے دیئے جلتے ہیں، اور وہ ذکر الٰہی سے نور ہے۔ عشق الٰہی تو ایسی چیز ہے، جو فرد کی پرواز فلک تک پہنچا دیتی (روح کا اصل وطن عالم بالا ہی ہے) اب اس ہستی کا جہاز کہاں رکے گا؟

جب وحدت کا دریا جوش میں ہو تو، اس وقت عقل اور فکر کی کشتی کو پہلی ہی موج میں غرق کر دو۔ اے باہو! کائنات کی ہر چیز محبوب کا جلوہ گر ہے، میں جہاں بھی دیکھتا ہوں، مجھے محبوب ہی محبوب، (اور اس کی نشانیاں ہی) نظر آتی ہیں اور محبوب کے انوار ہی نظر آتے ہیں۔

تشریح:

ذکر کے ذریعے عشق کی راہ میں چلنے سے زیادہ سعادت کی کوئی راہ نہیں ہو سکتی، ایسے افراد کے گھر بھی ذکر کے نورانی اثرات سے پُر نور ہو جاتے ہیں، عشق کے ذریعے فرد، محبوب کی طرف، جس تیز رفتاری سے پرواز کرتا ہے، وہ کسی اور طریقے سے ممکن ہی نہیں ہے۔

عشق کی دنیا، عقلیت کی سمجھ سے باہر ہے، عشق کی دنیا میں داخل ہوتے وقت عقل و خرد کو خیر باد کر دینا چاہیے، تاکہ عقل، راہ عشق میں حائل نہ ہو، لیکن جب، عشق کے ذریعے راہ سلوک کا سفر طے ہو جاتا ہے، نفس کا قابل ذکر حد تک تزکیہ ہو جاتا ہے، اس کے بعد عقل کے استعمال سے کارنامے سرانجام ہوتے ہیں، اس لئے کہ اب عقل، عشق کے زیر اثر حکمت و فراست کی حامل ہو جاتی ہے۔

روزے نفل نمازاں تقوے، سبھو کم حیرانی ہو
انہاں گلاں رب حاصل ناہیں خود خوانی، خود دانی ہو
ہمیشہ قدیم، ہر دم نال رہیا اس یارنوں یار نہ جانیں ہو
ورد وظیفے تھیں چھٹ رہسی باہو! جد ہو رہیں فانی ہو

ترجمہ: روزے، نفل نمازیں، تقویٰ اور پرہیزگاری، یہ ساری ظاہری عبادتیں (جو دل کی حاضری کے بغیر، بے دلی سے ہوں) ایمان میں ارتقا کی بجائے، دل کی حیرانی کا باعث بنتی ہیں۔ تم خود بھی یہ باتیں جانتے ہو کہ، (رسمی) عبادت سے رب نہیں ملتا، وہ پاک ذات، جو ازل سے قائم اور دائم ہے، وہ بڑی عظمت اور شان کی ذات ہے اور جو ہر دم بندے کے ساتھ ہے، لیکن بندہ، اس محبوب کو نہیں پہچانتا، وہ اس کی معیت سے غافل ہے، جو ہر گھڑی، ہر لمحہ بندے کا ساتھی، محافظ اور مددگار بھی ہے۔

اللہ کی پاک ذات کی معرفت کے لئے ضروری ہے کہ، پہلے اپنی معرفت حاصل ہو اور اپنی ذات کا مطالعہ کر کے اس سے آگاہی حاصل ہو۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ ''جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔''

اے باہو! جب عشق حقیقی میں فنا ہو کر بندہ اپنے وجود کی نفی کے مقام تک پہنچ جاتا ہے، تو پھر اسے وظیفوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

تشریح:

اس شعر میں عارف شاعر نے بہت سی باتیں بیان کی ہیں، جن کی وضاحت ضروری ہے، ایک یہ کہ، محبوبِ حقیقی، ظاہری عبادت، روزے، نفل نمازوں اور تقویٰ سے نہیں ملتا۔ دوسرے یہ کہ، فنا کے درجے پر رسائی کے بعد، ظاہری عبادت کی ضرورت نہیں رہتی، عارف شاعروں کے اس قسم کے اشعار، دراصل ''حالتِ جذب'' اور ''حالتِ سکر'' کی کیفیت کے اشعار ہیں، جب غیر معمولی تجلیات کے زیر اثر، ان پر حالتِ جذب کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اسطرح کے اشعار ان سے صادر ہوتے ہیں۔

ایسے اشعار سے اسلامی تقدس مجروح ہوتا ہے، اسلئے وہ مسترد ہیں۔ اور حالتِ سکر میں ہونے کے سبب، ایسے صوفی شعراء کو معذور سمجھا جاتا ہے اور حالت صحو میں آنے کے بعد وہ خود بھی اپنی اس طرح کی چیزوں پر حیرت زدہ ہوتے ہیں اور ان سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، اس وضاحت کے بعد، پہلے شعر کی حقیقی توجیہہ یہ ہے کہ، محض ظاہری عبادت پر اکتفا کرنے سے، نفسی قوتیں مطیع نہیں ہوتیں، اس کیلئے عرصے تک آتشِ عشق میں جلنا پڑتا ہے۔

دوسرے نکتے کی تشریح یہ ہے کہ، فنا کے درجے پر رسائی کے بعد، ظاہری عبادت، حقیقی عبادت بن جاتی ہے، اس میں مشقت اور تکلیف کا احساس باقی نہیں رہتا، اور نفس کو محبوب کی عبادت میں انتہائی راحت اور لذت حاصل ہوتی ہے۔

زبانی کلمہ ہر کوئی پڑھدا دل دا پڑھدا کوئی ہو
جتھے کلمہ دل دا پڑھئے اوتھے ملے زبان نہ ڈھوئی ہو
دل دا کلمہ عاشق پڑھدے کیہ جانن یار گلوئی ہو
ایہہ کلمہ سانوں پیر پڑھایا باہو! میں سدا سہاگن ہوئی

ترجمہ: زبان سے تو فرد ''کلمہ طیب'' پڑھتا ہے، لیکن دل کی حضوری سے کلمہ پڑھنے والے کم ہیں۔ جہاں دل سے کلمہ پڑھا جاتا ہے، وہاں زبان کو ہلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ دل کی گہرائیوں سے کلمہ تو صرف سچے عاشق ہی پڑھتے ہیں، بے حس افراد، اس کلمہ کی حقیقت اور اور اس کی روح کو کیا جانیں؟

اے باہو! یہ سچا اور انمول کلمہ، (جسمیں زبان کے اقرار کے ساتھ، قلب بھی اسکی تصدیق کرتا ہو) ہمیں ہمارے ہادی مرشد نے پڑھایا ہے، جس سے ہماری روح اور وجود، دونوں سیراب ہو گئے۔

تشریح:

دل پر کلمہ کی محنت کرنے سے، دل غیروں سے آزاد ہو کر، خالص محبوب کا ہو جاتا ہے، اور ہر دم محبوب پر جان نچھاور کرنے کو تیار رہتا ہے۔ ذکر کے ذریعے کلمے کی تکرار، نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ دل، اللہ کے سوا، غیروں کی محبت سے سرشار رہتا ہے، ایسا دل آخرت کے بجائے، دنیا کی محبت میں مستغرق ہو کر اسکے حصول کی جدوجہد کو ہی کو مقصود سمجھتا ہے، فرد کے لئے اس سے بڑی محرومی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کلمہ کی روح تک رسائی اہل اللہ کی صحبت اور ان کو اپنا دل دینے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوتی ہے، راہ سلوک کا ہر طالب یہی شاہدی دیتا ہے کہ صحبت اہل اللہ کے بغیر اس کے لئے نفسی کدورتوں سے بچکر، توحید کی حقیقت تک رسائی دشوار تر تھا۔

زاھد زھد کریندے تھکے روزے نفل نمازاں ہو
عاشق غرق ہوئے وچ وحدت اللہ نال محبت رازاں ہو

مکھی قید شہد وچ ہوئی کیا اڈسی نال شہبازاں ہو

جنہاں مجلس نال نبی دے باہو سوئی صاحب ناز نیازاں ہو

ترجمہ: زاھد، زھد، تقویٰ، روزے، نماز اور وغیرہ میں مصروف ہیں، لیکن وہ روحانی منزل سے کافی دور ہیں، لیکن عاشق صادق، دریائے وحدت میں غرق ہو کر، اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف ہیں۔

بھلا، دنیا کی طلب میں مصروف، اور مٹھاس کی متلاشی ''شہد کی مکھی'' یعنی ''مال ومتاع کا حریص انسان'' اگر، شہد کی مٹھاس کے ساتھ چپک جائے، تو کیا وہ مکھی شہبازوں کے ساتھ سے پرواز کر سکے گی، غرض کہ، دولت اور دنیا کی حرص اور لالچ سے دامن بچایا جائے، تاکہ روحانی ترقی اور عروج حاصل ہو، اور بلند درجے تک رسائی ہو۔ اے باہو! جن لوگوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ روحانی نسبت ہے، وہی اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں، اور وہ عجز اور نیاز کے ساتھ روحانی مجلس کے انوار سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

تشریح:

یہاں پر شاعر نے روزے، نماز کی پابندی کرنے والے، اہلِ تقویٰ کے بارے میں کہا ہے کہ، یہ ساری چیزیں سچی روحانیت پیدا نہ کر سکیں، حالانکہ، حقیقت یہ ہے کہ، نماز روزے میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ، ان سے افراد میں حقیقی تقویٰ پیدا ہو، اور ہر طرح کی برائی سے بچنے کی توفیق حاصل ہو، نماز اگر خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کی جائے، اور اگر کثرت کے ساتھ روزے رکھے جائیں، تو نفس کی کدورتوں اور برائیوں سے بچنے اور تزکئے کے لئے، یہ سب سے زیادہ مؤثر ہیں۔ قرآن اور حدیث میں ان پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا، اس کا سبب یہ ہرگز نہیں کہ، نماز اور روزے میں نفس کے تزکئے اور برائیوں سے بچاؤ کی خصوصیت موجود نہیں۔ قرآن میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ، ''**ان الصلواۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر**'' (بیشک نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے)۔

قرآن مجید میں نماز کے علاوہ کثرتِ ذکر کا بھی حکم دیا گیا ہے، سبب یہی ہے کہ نماز، ذکر کی محدود اور متعین خوراک ہے، اس محدود خوراک سے نفس کا پوری طرح تزکیہ نہیں ہوتا، ذکر کے ساتھ، اگر اللہ والوں کی صحبت کے ذریعے، درد عشق بھی موجود ہو تو نفس کی اصلاح کا سفر جلد طئے ہوتا ہے، اور روحانی ترقی بھی تیزی سے حاصل ہوتی ہے۔

سبق صفاتی سوئی پڑھدے جو وت پئے ذاتی ہو

علموں علم انھاں نوں ہویا جیہڑے اصلی تے اثباتی ہو

نال محبت نفس کٹھونے کڈھ قضادی کاتی ہو

بہرہ خاص اونہاں نوں باہو ، جنہاں لدھا آب حیاتی ہو

ترجمہ: جنہوں نے ذاتی سبق یاد کیا ہو گا، وہی صفاتی سبق یاد کر سکیں گے، ظاہری علم سے حقیقی علم تک وہی افراد پہنچ سکیں گے، جنہوں نے حقیقی اثباتی علم، پہلے ہی حاصل کیا ہو گا، یہ وہ عظیم افراد ہیں، جنہوں نے اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر، قضائی چھری سے اپنے نفس کو ذبح کیا۔

اے باہو! معرفت کا کمال ان کو حاصل ہوتا ہے، جنہوں نے آبِ حیات پی لیا ہو، یعنی اپنے وجود کو فنا کر کے، واصل باللہ ہو کر بلند مرتبے پر فائز ہو گئے ہوں۔

تشریح:

ذاتی سبق سے مراد، اسم ذات کا ذکر ہے، اسم ذات کے ذکر میں اللہ تعالیٰ کے سارے صفاتی نام آجاتے ہیں، جنہوں نے اللہ کے اسم ذات پر پر محنت کی، انہوں نے گویا سارے صفاتی ذکر کر لئے۔

اللہ کے اسم ذات کے ذکر کی کثرت سے فرد کو جو توانائی ملتی ہے، وہ کسی اور طریقے سے ملنی مشکل ہے، قرآن پاک میں ہے، وذکر اسم ربک و تبتل الیہ تبتیلا۔ (ترجمہ، سب سے کٹ کر یکسوئی سے اپنے رب کے اسم کا ذکر کرو)۔ جب نفس کی فنائیت حاصل ہوتی ہے تو فرد کو گویا آب حیات کی نعمت عظمیٰ عطا ہوتی ہے، اس لئے کہ اس کے بعد نفس کی سرکشی کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونا آسان ہو جاتا ہے۔

سوز کنوں تن سڑیا سارا میں تے دکھاں ڈیرے لائے ہو

کوئل وانگوں کوکیندی وتاں مولا مینھ وسائے ہو

بول پپیہارت ساون آئی متاں ناں ونجن دن ضائے ہو

ثابت صدق تے قدم اگوہاں باہو! رب سکدیاں دوست ملائے ہو

ترجمہ: عشق الٰہی کی تپش اور سوز سے سارا وجود جل رہا ہے، میرے دل غموں اور دکھوں نے گھر بن گیا ہے، کوئل کی طرح درد بھری آواز نکلتی رہتی ہے، اے مولا! اب تو

مجھ پر رحمت کی بارش ہو، ساون کی آئی ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ دن ایسے ہی ضایع ہو جائیں۔ اے باہو! راہ عشق میں ثابت قدم رہ کر، قدم آگے بڑھانا کامیابی کے لئے پہلی شرط ہے۔

یہی استقامت ہے جسے دیکھکر محبوب مہربان ہوتا ہے اور اپنے چاہنے والوں کو اپنے وصل کی نعمتِ عظمیٰ سے فیضیاب کرتا ہے۔

تشریح:

یہ متوسط صوفی کے حالات کی عکاسی ہے، جسمیں وہ محبوبِ حقیقی کے التفات اور فضل کا بے چینی سے منتظر رہتا ہے کہ جس آتشِ عشق میں وہ جل رہا ہے (جس کی وجہ سے اسے نہ دن کو سکوں ہے نہ رات کو) محبوب اپنے فضلِ خاص سے، اسے اس الاؤ سے نکال کر، حالتِ وصال عطا فرمائے۔ جسمیں عاشق پر ہر وقت حالت سکینیت طاری رہتی ہے۔ لیکن نفسی قوتوں کی فنائیت کے مقام تک رسائی سے پہلے، طالب کو نفسی قوتوں کے اس الاؤ میں مسلسل جلنا پڑتا ہے۔

سے روزے سئے نفل نمازاں سئے سجدے کر کر تھکے ہو
سئے واری مکے حج گذارن دل دی دوڑ نہ مکے ہو
چلے چلئے۔ جنگل بھونان اس گل تھیں نہ پکے ہو
سبھے مطلب حاصل ہوندے باہو، جد پیر نظر اک تکے ہو

ترجمہ: سینکڑوں روزے رکھے، سینکڑوں نمازیں پڑھیں، اور سینکڑوں سجدے کر، کر کے تھک گئے، بہت سے حج بھی کئے، لیکن دل کی تشنگی دور نہ ہوئی۔ ہم نے چلے بھی کاٹے، جنگل میں بھی بھٹکتے رہے، لیکن اس سے بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ اے باہو! ہمارے من کی مرادیں تب پوری ہوئیں، جب کامل مرشد نے مہر و کرم کی نظر ڈالی۔

تشریح:

اس شعر میں عارف شاعر نے، عرفان اور راہِ سلوک کے دائرے سے باہر کی گئی عبادت مثلاً، روزے، نماز، حج وغیرہ کے متعلق یہ مشاہدہ بیان کیا ہے کہ، اس سے نفس کی شیطانی قوتیں مطیع نہیں ہوتیں، اسی شعر میں، نماز، روزہ، اور حج وغیرہ کے غیر اہم ہونے کا تاثر ملتا ہے، جو صحیح نہیں، عشق میں فنائیت کی وجہ سے صوفیوں سے اس قسم کا کلام صادر ہوتا ہے، جو اسلامی شعائر کے خلاف ہے، جس پر وہ، قابل تعذیر نہیں ہیں، بلکہ، لائقِ معافی ہیں، کیونکہ محبوبِ حقیقی کی تجلی، عارضی طور پر انکے ہوش و حواس کو سلب کر دیتی ہے۔

اس نکتہ کو سمجھکر شریعت کے تقدس کو قائم رکھنا ایمان کے لئے ناگزیر ہے۔ طالب، مربی اور شیخ کامل کی صحبت کے جو اثرات اپنی زندگی میں محسوس کرتا ہے، وہ حیرت انگیز ہیں، اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اس کے لئے اپنا دل شیخ کامل کے حوالے کرنا پڑتا ہے۔

سن فریاد پیراں دیا پیرا میری عرض سنیں کن دھر کے ہو
بیڑا اڑیا میرا وچ کپراندے جتھے مچھ نہ بہندے ڈر کے ہو
شاہ جیلانی محبوب سبحانی میری خبر لیو جھٹ کر کے ہو
پیر جنہاندے میراں باہو اوہ کندھی لگ دے ترکے ہو

ترجمہ: اے پیروں کے پیر! شیخ عبدالقادر جیلانی! میری فریاد سنیے، میری عرض کو غور سے سنئے۔ میری کشتی دریاء کی طوفانی موجوں میں اس طرح پھنسی ہے، کہ جہاں سرکش موجوں کے غلبہ سے مگرمچھ بھی آتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

اے پیران پیر جیلانی، محبوب سبحانی! جلد ہی روحانی طور میری خبر گیری کیجئے، اور میری مدد کیجئے۔ اے باہو! جنکا مرشد، پیر جیلانی ہو، وہ اللہ کی مدد سے، ساری طوفانی لہروں سے سلامتی سے نکل آئیں گے۔

تشریح:

عاشق، روح کو لطیف بنا کر، اسے مادی کثافتوں سے پاک وصاف کر کے، اپنی پرواز کو بلند رکھتے ہیں، اگر انکی روحانی کشتی کہیں پھنس جائے تو، اکابر بزرگوں کی ارواح، آکر انہیں اس الجھن سے چھٹکارا دلاتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ، اکابر بزرگوں کے ساتھ، انکے روحانی، اور وجدانی طور سے تعلقات قائم رہتے ہیں، راہِ سلوک میں مشکل وقتوں میں ان بزرگوں کی ارواح، اللہ کے حکم سے انکی مدد کرتی ہیں، تصوف کی دنیا، چونکہ ایک مشاہداتی دنیا ہے، اس مشاہداتی دنیا میں جو افراد مادی دنیا سے اپنے تعلق کو کم کر کے، جسم کو بھوکا رکھکر، شب و روز ذکرِ الٰہی کے ذریعے اپنے سفر کو جاری رکھتے ہیں، انہیں پاکیزہ روحانی شخصیات سے وجدانی طور پر واسطہ پڑتا ہے، اللہ کی طرف سے انکو ملے ہوئے مراتب کی آگاہی ہوتی ہے، ایسے عاشقوں کی طرف سے، اکابر بزرگان کی ارواح کو صدا دینا، اور روحانی طور پر مدد کی درخواست کرنا، یہ انکا روحانی طور مشاہداتی عمل ہے، جسکا بدعت یا گمراہی وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، البتہ عام لوگوں میں جہالت کی وجہ سے اس سے گمراہی پیدا ہوتی ہے اور لوگوں کے عقیدے خراب ہوتے ہیں۔

سن فریاد پیراں دیا پیرا، میں آکھ سناواں کینوں ہو
تیرے جیہا مینوں ہور نہ کوئی میں جیہاں لکھ تینوں ہو
پھول نہ کاغذ بدیاں والے درتوں دھک نہ مینوں ہو
میں وچ ایڈ گناہ نہ ہوندے باہو! توں بخشیندوں کینوں ہو

ترجمہ: اے پیران پیر، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ! میری فریاد سنیے، آپکے سوا میں کس کو اپنا حال سناؤں؟

آپ جیسا رہنما میرے لئے کوئی نہیں، جبکہ، میرے جیسے آپکے در کے لاکھوں گدا ہیں۔ (آپ کے روحانی فیض کے طالب ہیں) میری سیاہ کاریوں کو نہ دیکھیں، نہ ہی مجھے اپنے دروازے سے دھتکاریں۔ اس عاصی کیلئے آپ ہی بخشش کا ذریعہ ہیں، اگر میں اتنا گنہگار نہ ہوتا، تو آپ اللہ تعالیٰ سے کس کی بخشش کرواتے؟

تشریح:

(اس شعر کی تشریح بھی، پہلے والے شعر جیسی سمجھی جائے) البتہ، یہاں کچھ نکتے مزید پیش کئے جاتے ہیں، بات دراصل یہ ہے کہ، اللہ کی وسیع تر غیر مادی اولطیف دنیا کو سمجھنے میں اصل رکاوٹ، مادی چیزیں ہیں، جو فرد کے دل پر مادی نوعیت کے حجاب ڈال دیتی ہیں۔ جو عاشق کم سونے، کم کھانے، کم بولنے، اور لوگوں سے میل جول کم کرنے کے اصولوں پر عمل کرتے ہیں، اور ساتھ ہی ذکر وفکر میں مداومت اختیار کرتے ہیں اور زندگی کا بیشتر حصہ، غیر معمولی روحانی مجاہدوں میں گذارتے ہیں، وہ وجدانی اور روحانی اعتبار سے، اِس دنیا سے زیادہ، اُس دنیا کے باسی بن جاتے ہیں، اُس دنیا کو ''روحانی'' یا ''ملکوتی'' دنیا کا نام دیں، یا کچھ اور، ان افراد پر دوسری دنیا کے حقائق واضح ہو جاتے ہیں۔ مادی دنیا سے اپنا تعلق کمزور کرنے، ذکر وفکر کے ذریعے اپنی پرواز کو بلند کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہے، ایسے عاشقوں کو اکابر بزرگان سے روحانی طور گہرا تعلق پیدا ہو جاتا ہے، خوابوں کے ذریعے بزرگوں کی زیارت کے ساتھ ساتھ، مراقبے کی حالت میں ''کشف''، ''الہام''، اور ''القاء'' وغیرہ کا ہونا شامل ہوتا ہے یہ روحانی استغراق کا نتیجہ ہے، ان چیزوں کا انکار کرنا درست نہیں۔

جتھے رتی عشق وکاوے اوتھے مناں ایمان دیویوے ہو
کتب کتاباں، ورد وظیفے او ترک چا کیجیوے ہو

باہجھوں مرشد کجھ نہ حاصل توڑے راتیں جاگ پڑھیوے ہو
مریئے مرن تھیں اگے باہو۔ تاں رب حاصل تھیوے ہو

ترجمہ: بمقابلہ، من بھر ایمان کے، ایک رتی عشق، زیادہ قیمتی ہے، اس کو حاصل کرنے کیلئے ورد وظائف، اور کتب کا مطالعہ کارآمد نہیں۔ کامل مرشد کی ہدایت کے بنا، کچھ حاصل نہیں ہوگا، چاہے ساری رات جاگ کر پڑھتے رہو۔

اے باہو! ربّ تعالیٰ کی پاک ذات کا ''قرب'' تب حاصل ہوتا ہے، جب فرد، مرنے سے پہلے مر جائے۔ (نفس کو مار کر فنا کر لے)

تشریح:

رسمی ایمان، حقیقی ایمان بن جائے، اس کیلئے، عشق کے ذریعے سفر طئے کرنا پڑتا ہے۔ اللہ اور رسول، اور آخرت پر ایمان لانا بھی بڑی نعمت ہے، ایسا فرد، ایمان سے محروم بڑے بڑے ملحد دانشوروں اور کافروں سے ہزار بار زیادہ افضل ہے، کیونکہ، کائنات کی خالق ہستی کا اثبات کرنا، توحید ورسالت کا اقرار کرنا، فرد کو اعتقادی طور پر، باغی بننے سے بچاتا ہے، انسان، جس اللہ کی دھرتی پر رہتا ہے جس خالق کی عطا کی ہوئی بے پناہ نعمتیں استعمال کرتا ہے، جس مالک نے اسے یہ جسمانی وجود عطا کیا ہے۔

سئو ہزار تنہاں تو صدقے جیہڑے مونہوں نہ بولن پھکا ہو
لکھ ہزار تنہاں توں صدقے جیہڑے گل کریندے ہکا ہو
لکھ کروڑ تنہاں توں صدقے جیہڑے نفس رکھیندے جھکا ہو
نیل پدم تنہاں توں صدقے باہو! جیہڑے ہو ون سون، سداون سکا ہو

ترجمہ: میں سینکڑوں ہزاروں بار ان لوگوں پر قرباں ہوں، جو کبھی کسی سے بدزبانی نہیں کرتے یعنی (ہر حال میں صبر اور تحمل کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں)۔ لاکھوں اور ہزاروں بار ان پر قربان جاؤں، جو اپنے ربّ سے کئے ہوئے وعدے پر ثابت قدم ہیں اور ایک ہی سچی بات کہتے ہیں، لاکھوں کروڑوں بار ان خاص بندوں پر قربان، جو اپنے نفس کو سرکش ہونے نہیں دیتے، اسے دبا کر رکھتے ہیں۔

اے باہو! اربوں، کھربوں، بلکہ نیل پدم بار، ان خاص الخاص بندوں پر قربان جاؤں، جو خالص سونے کی طرح انمول ہوتے ہوئے، خود کہ سِکہ کہلاتے ہیں (جو معرفت کے اونچے مقام پر فائز ہوتے ہوئے، خود کو معمولی اور حقیر جانتے ہیں۔)

تشریح:

یہاں عارف شاعر، ان وفا شعار عاشقوں کو مبارکباد دیتا ہے، جو محبوب کیلئے مجاہدوں، ریاضتوں اور فنائیت کی راہ پر مستقل مزاجی سے گامزن ہیں اور جو اپنے نفس کو محبوب حقیقی کا مطیع بنانے کیلئے جانفشانی سے محنت اور کوشش میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ ایسے عاشقوں سے زیادہ، دنیا میں اور کون خوشنصیب ہو سکتا ہے، کیونکہ دنیا پر نچھاور ہونے کی خواہش سے دستبردار ہونا اور نفس کی خواہشوں سے بلند ہونا، دنیا کا مشکل ترین کام ہے، جو عاشق، اپنی ریاضتوں اور مجاہدوں سے ایسا کرنے میں کامیاب ہیں، وہ انسانیت کیلئے مثالی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ واقعی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ یہی افراد انسانیت کا جوہر ہیں اور دنیا انہی کے دم قدم سے قائم ہے۔

سینے وچ مقام ہے کیندا سانوں مرشد گل سمجھائی ہو
ایہو ساہ جو آوے جاوے ہور نہیں شئے کائی ہو
اس نوں اسم اعظم آکھن، ایہو سر الٰہی ہو
ایہو موت حیاتی باہو، ایہو بھیت الٰہی ہو

ترجمہ: سینے کے اندر کس کا کیا مقام ہے؟ یہ بات ہمیں ہمارے مرشد نے سمجھائی ہے، اس نے ہمیں بتایا کہ، سینے کے اندر، سانس کا سفر (اللہ کے نام کا) جاری ہے، اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔

اسی کو اسم اعظم بھی کہتے ہیں، اور یہی اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ رازوں میں سے ایک ''راز'' ہے، یہی موت اور حیات ہے، اے باہو! یہی اسم اعظم اللہ کے خفیہ بھیدوں میں سے ایک بھید، اور سر الٰہی ہے۔

تشریح:

دل کی غذا، اللہ کا ذکر ہی ہے، جو دل، اللہ کے ذکر سے مانوس ہو جائے، وہی صحیح معنیٰ میں لائقِ تحسین ''دل'' ہے۔ اس دل کی زندگی اور اس کی سلامتی اللہ کے ذکر سے وابستہ ہے۔ ایسا اہل دل، اگر ذکر سے معمولی سی بھی غفلت کا مظاہرہ کریگا، تو اسکو اپنے دل پر مردنی طاری ہونے کا مشاہدہ ہوتا ہوا نظر آئیگا یعنی، اس وقت اس کے دل پر مادی نوعیت کے پردے حائل ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی کشش کی وجہ سے، اس سے دل پر انوار کا نزول منقطع ہو جاتا ہے، سکون اور سکینت باقی نہیں رہتی، یہ دل ''اسم اعظم'' کے ذکر سے زندہ اور توانا ہے، اسم اعظم کا ذکر، دل کو لطیف سے لطیف تر بناتا رہتا ہے۔

عاشقوں کو اللہ کی طرف سے جو سب سے بڑی نعمت عطا ہوئی ہے، جس پر ہزاروں دنیائیں قربان کی جاسکتی ہیں، وہ ہے ''اسم اعظم کے ذکر کے دوام کا ملکہ''۔ عاشقوں کی حقیقی زندگی کا راز یہی ہے، ان کا تجربہ اور مشاہدہ یہی ہے کہ، ان کے لئے تھوڑی دیر کیلئے بھی اسم ذات کے ذکر سے غافل ہونا، دل کی مُردگی کا سبب بنتا ہے اور اس ذکر سے محرومی تو ان کے دل میں قیامت کا سا حشر برپا کرنے کا موجب بنتی ہے، اسلئے عاشق، دنیاوی فضول مصروفیات سے دور بھاگتے ہیں اور وہ بیکار باتوں میں مشغول ہونے کے متحمل نہیں ہوتے۔

شور شہر تے رحمت وسے، جتھے باہو جالے ہو
باغباناں دے بوٹے وانگوں طالب نت سنبھالے ہو
نال نظارے رحمت والے کھڑا حضوروں پالے ہو
نام فقیر تنہا ندا باہو! جیہڑا گھر وچ یار وکھالے ہو

ترجمہ: شور کوٹ شہر پر، اللہ کی رحمت برسے، جہاں پر باہو رہتا ہے۔ اپنے مریدوں، اللہ کے طالبوں کو، ''تزکیہ نفس'' کا سبق یعنی ذکر دیتا ہے اور سیدھے راستے پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے، اس طرح ان کی دیکھ بھال کرتا ہے، جسطرح، باغبان اپنے پودوں کی حفاظت کرتا ہے۔ ساتھ ہی رحمت و شفقت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اے باہو! فقیر تو وہ ہیں، جو طالب کو اس مقام پر پہنچاتے ہیں، جہاں وہ محبوب حقیقی کے مشاہدہ سے فیضیاب ہو سکیں۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ، اللہ کا ہر ولی اور عارف اپنے ساتھ وابستہ افراد کی اصلاح نفس اور تزکیہ کا خصوصی اہتمام کرتا ہے۔ مریدوں کی تربیت کے کام کو وہ اپنے فرائض میں شمار کرتا ہے، بلکہ یہ کام اس کے مقاصد زندگی میں شامل ہے، جو افراد بزرگ کی خانقاہ سے وابستہ ہوتے ہیں، وہ ان کی سب سے زیادہ توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ وہ ان سے اپنی اولاد سے زیادہ محبت کرتا ہے، اس لئے کہ اللہ کی راہ میں مجاہدے کر کے، نفس کو پامال کر کے، اسے مکمل طور پر اللہ اور رسول کی اطاعت میں دینے کا جذبہ رکھنے والے افراد ہی انسانیت کا اصل سرمایہ ہیں۔ یہ دنیا اس طرح کے افراد کے دم قدم سے ہی قائم و دائم ہے۔

ایسے طالب صادق، جو مرشد کی خانقاہ میں آنے کے لئے زیادہ وقت نہیں نکال سکتے، لیکن وہ اللہ کی محبت کے لئے بے تاب ہیں، کامل مرشد ان کے جذبہ محبت کو دیکھکر انہیں بھی گھر بیٹھے اپنے فیض سے نواز کر حالتِ وصال تک پہنچاتا ہے۔ واضح ہو کہ اس طرح کی صلاحیتوں کے

طالب کم ہی ہوتے ہیں۔ تصوف میں بزرگ کی صحبت اور ان سے رابطہ کو سب سے زیادہ فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔

شریعت دے دروازے اچے راہ فقر دا موری ہو
عالم فاضل لنگھن نہ دیندے جو لنگھدا سو چوری ہو
پٹ پٹ اٹاں وٹے مارن درد منداں دے کھوری ہو
راز ماہی دا عاشق جانن باہو! کیہ جانن لوک اتھوری ہو

ترجمہ: شریعت کے دروازے اونچے اور وسیع ہے، جبکہ ''فقر'' کی راہ ایک تنگ گلی کے مثل ہے۔ علم اور فضل کے حامل افراد، فقیروں کو یہاں سے گذرنے نہیں دیتے، جو بھی یہاں سے گذرتا ہے، چوری چھپے ہی گذرتا ہے، بیدرد لوگ ان کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر مارتے ہیں، کیونکہ وہ، فقر کے اونچے رتبے کو نہیں پہچانتے۔

اے باہو! محبوب حقیقی کے راز کو تو صرف عاشق ہی جانتے ہیں۔ یہ نادان لوگ اسے کیا جانیں۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے متوسط صوفی کی حالت بیان کی ہے، جو محبوب کے عشق میں بے تاب ہو کر، کبھی صداؤں پر صدائیں بلند کرتا ہے، کبھی اس پر مدہوشی طاری ہو جاتی ہے، کبھی شدید اضطراب کی وجہ سے وہ آپے میں نہیں رہتا۔ محبوب کا جلال، اسے زیر و زبر کرتا رہتا ہے، اپنی اس حالت کو چھپانے کیلئے متوسط صوفی گوشہ نشین رہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

لوگ عام طور پر متوسط صوفی کو مجنون یا نیم مجنون سمجھکر اس سے چھیر خانی کرتے رہتے ہیں، اہل علم اور اہل دانش بھی متوسط صوفی کو مذاق کا نشانہ بناتے ہیں۔ چونکہ متوسط صوفی محبوب کے زیادہ سے زیادہ انوار کا طالب ہوتا ہے، جب کہ اس کا ظرف اس قابل نہیں ہوتا، اس لئے اس کی حالت قابل رحم ہوتی ہے۔

صفت ثنائیں مول نہ پڑھدے جو جا پہنچے وچ ذاتی ہو
علم و عمل انہاں وچ ہووے جیہڑے اصلی تے اثباتی ہو
نال محبت نفس کٹھونے گھن رضا دی کاتی ہو
چوداں طبق دلے دے اندر باہو! پا اندر وچ جھاتی ہو

ترجمہ: جو لوگ، ذات الٰہی سے واصل ہو چکے ہیں، وہ ذات اور صفات کی بحث و تکرار میں نہیں پڑتے، علم و عمل کے حقیقی صاحب یہی ہیں، جو نفس کو فنا کر کے، حق تک پہنچ چکے ہیں۔ وہ اللہ کی محبت میں سرشار ہو کر، اللہ کی رضا کی چھری سے اپنے نفس کو ذبح کر چکے ہیں۔ اے باہو! تم اپنے باطن میں جھانک کر دیکھو، چودہ طبق، تمہارے اس دل میں موجود ہیں، بلکہ ساری کائنات تمہارے دل میں سمائی ہوئی ہے۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ سچے عاشق، ذات وصفات کی بحث میں نہیں پڑتے، وہ قیل قال سے بہت بلند ہیں، وہ محبوبِ حقیقی کے انوارِ حسن کے مشاہدے میں ہر آں مستغرق رہتے ہیں، ان کا دل اس کام میں اتنا مصروف رہتا ہے کہ، انہیں بیکار اور غیر ضروری بحثوں میں پڑنے کے لئے وقت ہی نہیں ہوتا۔ ان کے مجاہدوں کا ہدف، نفسی قوتوں کو پامال کرنا اور اپنے آپ کو محبوب کیلئے خالص بنا کر، اس کی درگاہ میں پیش کرنا ہے، یعنی خالص اللہ کا ہو جانا ہے، یہ ان کی زندگی کا بنیادی ہدف، بلکہ نصب العین ہے، جب ذکر و فکر کے انوار اور دردِ عشق کی دنیا میں طویل عرصے تک چلتے رہنے سے، نفسانی قوتیں فنا ہوتی ہیں تو ملکوتی قوتوں سے رابطہ مستحکم ہو جاتا ہے، اور دوسری دنیا کے مشاہدے میں حائل حجابات دور ہو جاتے ہیں، بلکہ سب سے بڑی سعادت یہ حاصل ہوتی ہے کہ، ''موتوا قبل ان تموتوا'' مرنے سے پہلے مر جانے کا منظر غالب ہو جاتا ہے۔

صورت نفس امارہ دی، کوئی کتا گلر کالا ہو
کوکے، نوکے تے لہو پیوے منگے چرب نوالا ہو
کھبے پاسوں اندر بیٹھا دل دے نال سنبھالا ہو
ایہہ بدبخت ہے وڈا ظالم باہو! اللہ کرسی ٹالا ہو

ترجمہ: نفس امارہ کی صورت کالے کتے کی سی ہے، جو ہر وقت بھونکتا رہتا ہے، اور کھانے کیلئے تر نوالا مانگتا رہتا ہے۔

یہ کتا ''نفسِ امّارہ'' سینے کے اندر، دل کے ساتھ، بائیں طرف بیٹھا ہے۔

اے باہو! ''نفس امارہ'' کا یہ کتا بڑا بدبخت اور ظالم ہے، اللہ تعالیٰ اس سے اپنی حفاظت میں رکھے۔

تشریح:

اللہ والوں کو، اپنے اندر میں غوطہ زن ہو کر، جو تجربات ہوتے رہتے ہیں، ان تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے، نفس کو کتے سے تشبیہ دینا، کچھ غلط نہ ہوگا۔ یہ کتا ہر وقت بھونکتا رہتا ہے، صبح وشام یہ افراد کو کاٹتا رہتا ہے، انانیت، خود غرضی، ضد، دوسروں کی تحقیر وتذلیل، جذبہ برتری، حسد اور جلن جیسی بیماریاں، اس نفس امارہ کی بنیاد میں شامل ہیں، المیہ تو یہ ہے کہ جو اس کا نشانہ بنتے ہیں، انہیں اپنے نقصان کا فہم وادراک ہی نہیں۔ اس کے زہریلے دانتوں سے، افراد سرتاپا زہریلے بن جاتے ہیں، اس طرح پورا معاشرہ فساد سے عبارت ہو جاتا ہے۔

نفس امارہ کی ان خرابیوں کی وجہ سے ہی صوفیاء کرام کے جہاد کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا ہدف اپنا نفس ہی ہوتا ہے، اس سے مقابلہ میں کامیابی کو وہ سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں اور محبوب کا بہت بڑا انعام بھی۔

ضروری نفس کتے توں قیما قیم کیجیوے ہو
نال محبت ذکر اللہ دا دم دم پیا پڑھیوے ہو
ذکر کنوں رب حاصل تھیندا ذاتوں ذات دسیوے ہو
دونہیں جہان غلام تنھاندے باہو! جنہاں ذات لبھیوے ہو

ترجمہ: یہ ضروری ہے کہ، ''نفس امارہ'' کے کتے کو فنا کیا جائے، تاکہ محبوب کی راہ میں اصل رکاوٹ باقی نہ رہے، نفس کی فنائیت کے بعد، ہی اللہ کی حقیقی محبت نصیب ہوتی ہے اور ہر سانس میں اللہ کے ذکر کی سعادت عطا ہوتی ہے، ذکر ہی محبوب کے قرب خاص کا ذریعہ ہے، فرد کو ہر چیز میں اللہ کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے یعنی طالب صادق کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اے باہو! یہی خوش نصیب افراد ہیں، جنہیں دونوں جہانوں کی سعادت حاصل ہے، فنافی اللہ کے بعد ہی یہ سعادت عطا ہوتی ہے۔

تشریح:

کثرت ذکر کے نور سے، جب نفس کا گند نکل جاتا ہے، اور اندر کا کتا مر جاتا ہے، تو مخلص بندے کو ہر لمحہ اللہ کی معیت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ، ویسے تو بندے کو، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی معیت اور اور اس کا ساتھ نصیب ہوتا ہے، لیکن عام طور اسے اللہ کی معیت کا دھیان نہیں ہوتا۔ نفس امارہ کے غلبہ کے نتیجہ میں اگر ہم کوئی بُرا کام کرتے ہیں، تو اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ لوگوں کو ہماری بُرائی کا پتہ نہ چلنے پائے، ہمیں اللہ تعالیٰ

سے اتنا خوف دامنگیر نہیں ہوتا، جتنا لوگوں کا ہوتا ہے، ذکر کے نور کی برکت سے بندے کا دل، ہر دم اللہ کے ساتھ رہتا ہے۔ اور اللہ کی معیت کا احساس، اس کے دل کو لذتِ انوار سے سرشار رکھتا ہے۔ ذکر میں مدائمت کی سعادت کے جتنے بھی فوائد بیان کئے جائیں، کم ہیں۔

طالب غوث الاعظم والے شالا کدی نہ ہو ون ماندے ہو
جیندے اندر عشق دی رتی سدا رہن کرلاندے ہو
جینوں شوق ملن دا ہو وے لے خوشیاں نت آندے ہو
دونہیں جہان نصیب تنھاندے باہو! جیہڑے ذاتی اسم کماندے ہو

ترجمہ: اللہ کرے حضرت غوث العظم کے طالب کبھی اداس نہ ہوں، جن کے اندر رتی برابر بھی عشق موجود ہے، وہ سدا روتے رہتے ہیں۔

راہ حق کے سچے طالب، جو محبوبِ حقیقی سے ملنے کے مشتاق ہوتے ہیں، وہ بڑی خوشی سے معرفت کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔

اے باہو! دونوں جہانوں کی مسرت اور راحت انہی کو نصیب ہوتی ہے، جو اللہ کی راہ میں فنا ہوتے ہیں، اور اللہ کے اسم ذات کے ذکر پر مداومت اختیار کرتے ہیں۔

تشریح:

عشق والوں کی محبوب کیلئے درد سے بھری ہوئی صدائیں کسی بھی مرحلے پر آکر ختم نہیں ہوتیں۔ کیونکہ محبوب کی ہستی لازوال ہے، اور انسان کے قلب کی صلاحیت محدود ہے، ''محدود قلب'' محبوب کے لازوال حسن کے مشاہدے، یا محبوب کی شانِ جلال کی تجلی سے بیتاب ہو کر، تڑپتا اور فریاد کرتا رہتا ہے، اس وقت اس کا اضطراب دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

تاہم منتہی صوفی کی محبوب کے لئے بے تابی اور بے ساختہ صداؤں میں کمی آجاتی ہے اور اس کی ساری بے تابی اور سارا رونا دھونا اندر ہی ہوتا ہے، وہ محبوب کی شان عظمت اور اپنی سیاہ کاری پر اندر ہی اندر روتا رہتا ہے۔

طالب بن کے طالب ہوویں اوسے نوں پیا گانویں ہو
سچا لڑ ہادی دا پھڑ کے اوہو توں ہو جانویں ہو
کلمے دا توں ذکر کماویں کلمے نال نہانویں ہو
اللہ تینوں پاک کریسی باہو! جے ذاتی اسم کما نویں ہو

ترجمہ: اے راہِ حق کے طالب! تم سچی طلب کے ساتھ محبوبِ حقیقی کے طالب بن جاؤ، اس کے بعد ہی مقصود حاصل ہوگا۔

اس کے لئے تمہیں شیخ کامل کا دامن پکڑنا ہوگا، وہی تمہیں منزلِ مقصود تک پر پہنچائے گا، تم ''کلمہ طیب'' کا ذکر کرتے رہو اور اس کلمہ کے ذکر سے روحانی پاکیزگی حاصل کرو، اللہ کے اسم ذات ''اللہ'' کا ذکر بھی کرتے رہو، اے باہو! اس پاک نام کے ذکر کی برکت سے اللہ تمہیں پاک وصاف کریگا۔

تشریح:

تزکیہ نفس کے لئے کسی ''اللہ والے کی مسلسل صحبت،'' اور اللہ کے ذکر میں مداومت،'' (چاہے وہ لاالہ الا اللہ کا ذکر ہو، یا اللہ کے اسم ذات کا ذکر ہو) یہ دونوں چیزیں مؤثر کردار ادا کرتی ہیں، عشق کا سفر ان دونوں چیزوں سے ہی طئے ہوتا ہے، البتہ تیسری چیز، جو ان دونوں کا لازمی نتیجہ ہے، وہ ''دردِ عشق'' اور محبوب کیلئے بیتابی ہے، جس میں طالب اور عاشق طویل عرصے تک مبتلا رہتے ہیں۔

ظاہر دیکھاں جانی تائیں نالے دسے اندر سینے ہو

برہوں ماری میں نت پھراں، میتوں ہنسن لوک نابینے ہو

میں دل وچوں ہے شوہ پایا، لوک جاون مکے مدینے ہو

کہے فقیر میراں دیا باہو! سب دلاں دے وچ خزینے ہو

ترجمہ: میں محبوب کا ظاہری مشاہدہ کرتا ہوں، ساتھ ہی مجھے دل میں بھی جلوے نظر آتے ہیں۔ میں ہجر وفراق کے دکھوں کا مارا ہوا ہوں اور اس کے غم میں مستغرق ہوں، جب کہ نادان لوگ میرے حال پر ہنستے رہتے ہیں۔

میں نے تو اپنے محبوب کو اپنے دل میں ہی پایا ہے، جبکہ لوگ مکے اور مدینے میں تلاش کرتے ہیں، یہ فقیر باہو کہتا ہے کہ، سارے خفیہ خزانے دل کے اندر موجود ہیں۔

تشریح:

یہ شعر بھی حالت جذب اور حالتِ سکر کی کیفیت میں کہا گیا ہے، حالت صحو میں آنے کے بعد صوفی اپنے اس طرح کے شعروں کی نفی کرتے ہیں۔ کیونکہ، محبوب حقیقی کے ساتھ محبت کی وجہ سے ان پر شریعت اور شرعی احکامات کے تقدس کا احساس غالب رہتا ہے۔ کثرت ذکر کے نتیجہ میں طالب پر انوار کے نزول وورود اور انوار کی سلبی کے حالات عرصہ تک جاری

رہتے ہیں، اس سے طالب پر کبھی حیرت اور کبھی بے پناہ مسرت غالب رہتی ہے۔ اس طرح کے اشعار اس خاص حالت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

علموں باجھوں فقر کماوے کافر مرے دیوانہ ہو

سئے ورھیاں دی کرے عبادت رہے اللہ کنوں بیگانہ ہو

غفلت کنوں نہ کھلس پردے دل جاہل بت خانہ ہو

میں قربان تنہاں توں باہو! جنہاں ملیا یار یگانہ ہو

ترجمہ: جو شخص علم کے حصول کے بغیر، فقر حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، وہ کافر یا دیوانہ ہو جاتا ہے۔ علم سے عاری فرد، سو برس بھی عبادت کرتا رہے، تو بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بیگانہ رہے گا۔ (شرعی) علم کے بغیر دل سے غفلت کے پردے نہیں ہٹائے جاسکتے، ایسے جاہل دل کے حامل افراد کے دل کی مثال بتخانہ کی سی ہے۔

اے باہو! میں ان خوش قسمت افراد پر فدا ہو جاؤں، جنہوں نے اپنے بے مثل، یکتا اور یگانہ محبوب تک رسائی حاصل کی۔

تشریح:

اس شعر میں عارف شاعر نے علم کی حقیقت واضح کر دی ہے، کہ ایسے صوفی، جو اسلامی شریعت کے علم سے محروم ہیں، انکے گمراہ ہونے کے خطرات زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے کہ عشق کے ذریعے اندر میں ڈوب کر، تحت الشعور میں موجود بے پناہ قوتوں سے واسطہ پڑتا ہے، اور کشف اور القاء بھی ہوتا ہے، علم نہ ہونے کی وجہ سے اس کشف میں اغوائے شیاطین کا بھی امکان موجود ہوتا ہے اور شرعی علم نہ ہونے کی وجہ سے فرد ذہنی طور پر دوراہے پر کھڑا ہو جاتا ہے عارف نے یہ نکتہ بیان کر کے ہم سب کی بہتر رہنمائی فرمائی ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عارف شاعر نے دوسرے اشعار میں ''علم'' کی جو نفی کی ہے، وہ، علم کی مطلق نفی نہیں، بلکہ ایسا علم، جس میں تقویٰ اور معرفت شامل ہو، اس کی مذمت مقصود ہے۔

یہ عارف شاعر کا حالت صحو اور حالت بقا کا شعر ہے، جس سے حالت سکر والے اشعار کی از خود نفی ہو جاتی ہے۔ اللہ کا ولی دراصل نبوی علوم ونبوی اخلاق کا حامل ہوتا ہے اور وہ ہر سنت پر عامل ہوتا ہے، اس لئے وہ شرعی علم اور اسلامی شریعت کے منافی باتیں حالت صحو میں ہر گز نہیں کہہ سکتا۔

عقل فکر دی جا نہ کائی جتھے وحدت سر سبحانی ہو

نہ اوتھے ملاں پنڈت جوشی ناں اوتھے علم قرآنی ہو

جد احمد، احد دکھالی دتا تاں کل ہووے فانی ہو

علم تمام کیتونے حاصل باہو! کتاباں ٹھپ آسمانی ہو

ترجمہ: ''وحدت الٰہی'' اور ''سر سبحانی'' کا جو مرتبہ ہے، وہاں تک عقل اور فکر کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ نہ وہاں ظاہری پنڈت اور جوتشی پہنچ سکتے ہیں، وہاں قرآن کا ظاہری علم بھی زیادہ فائدہ نہیں دے سکتا۔ راہِ طلب میں جب احمد، احد دکھائی دیں تو سب فانی ہو جائے۔

اے باہو! اللہ کے عارف تو آسمانی کتابوں میں موجود باطنی علم کو عرفان کے ذریعے حاصل کرتے ہیں، اس طرح وہ، سارے آسمانی کتابوں کی روح تک پہنچ جاتے ہیں۔

تشریح:

حالتِ سکر اور حالتِ استغراق کا شعر ہے، جسکو صوفیوں کی ''شطحیات'' کہا جا سکتا ہے۔ صحو کی حالت میں آنے کے بعد، سچے صوفیاء اپنے اس قسم کے کلام اور ان نکتوں سے دستبردار ہوتے ہیں اور توبہ تائب ہوتے ہیں، کیونکہ مغلوب الحالی والا دور، صوفی کی معذوری کا دور ہوتا ہے۔

موجودہ دور میں تصوف کے نام پر بے شمار گروہ موجود ہیں، جو اسلامی شریعت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے، تصوف کو، اسلام کو نقصان پہنچانے، اور اسلامی تعلیمات سے دور کرنے کے مکروہ مقاصد کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔

عشق موذن دتیاں بانگاں کنیں بلبل پیوسے ہو

خون جگر دا کڈھ کراہاں وضو صاف کیتوسے ہو

سن تکبیر فنا فی اللہ والی مڑن محال تھیوسے ہو

پڑھ تکبیر تھیوسے واصل باہو! تداں شکر کیتوسے ہو

ترجمہ: عشق نے مؤذن بن کر اذانیں دیں، تو ان اذانوں کی آواز، عشق کے متوالی بلبل کی کانوں تک پہنچ گئی۔

عشق کی اس نماز کیلئے عاشق، اپنے خونِ جگر سے طہارت (وضو) کرتے ہیں، جب ''فنا فی اللہ'' کے تکبیر کی آواز، عاشق کے کانوں میں پڑتی ہے تو اس کیلئے راہ حق سے واپس لوٹنا

محال ہے۔ اے باہو! معرفت الٰہی کے طالب، تکبیر پڑھکر حق سے واصل ہوئے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

تشریح:

عشق کے سفر میں طالب کو جسم وجان کی قربانی دینی پڑتی ہے، ہر پسندیدہ چیز سے دستبردار ہونا پڑتا ہے، محبوب کیلئے خون کا آخری قطرہ تک بہانا پڑتا ہے، کیونکہ عشق، نام ہے محبوب کی راہ میں مسلسل چلتے رہنے کا، عشق میں تھکاوٹ کا نام لینا بھی گناہ ہے، عاشقوں کی نماز، ایسی ہوتی ہے، کہ وہ ہر چیز سے بے تعلق و بے نیاز ہو کر پوری یکسوئی سے، محبوب کے حضور، میں حاضری ہوتی ہے، وہ رسمی نماز نہیں ہوتی، عشق طالب کو بالآخر ایک دن محبوب تک پہنچا ہی دیتا ہے، اس طرح اس کے سارے دکھ درد دور ہو جاتے ہیں، اس سعادت پر وہ محبوب کیلئے ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔

محبوب تک رسائی یا محبوب سے وصال اور فنائیت کا مطلب نفس کی خواہشوں سے دستبردار ہو کر، محبوب کی اطاعت اور اس کی رضا پر راضی رہنے کے مزاج کا پختہ ہونا ہے۔

عاشق پڑھن نماز پرم دی جیں وچ حرف نہ کوئی ہو

جیہاں کیہاں نیت نہ سکے اوتھے درد مندال دل ڈھوئی ہو

اکھیں نیرتے خون جگر دا اوتھے وضو پاک کریوئی ہو

جیبھ ہلے تے ہونٹ نہ پھڑکن باہو! خاص نماز سوئی ہو

ترجمہ: عاشق صادق، عشق الٰہی میں اس طرح نماز ادا کرتے ہیں، جس میں حروف نہیں ہیں۔ عام افراد کو یہ سعادت حاصل نہیں، یہ شرف تو صرف اہل درد اور اہل عشق ہی کو نصیب ہوتا ہے۔

عاشقوں کی نماز کے وقت جو حالت ہوتی ہے، وہ یہ ہے آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، وضو کی طہارت کے لئے انہیں خون جگر سے کام لینا ہوتا ہے۔

اے باہو! عاشقوں کی نماز میں نہ زبان حرکت کرتی ہے، نہ ہونٹ ہلتے ہیں، نہ ہی کوئی آواز پیدا ہوتی ہے۔

تشریح:

یاد رہے کہ صوفی، قلبی ذکر کے نور سے، اپنے تعلق کو اللہ سے مستحکم کرنے میں لگا رہتا ہے، اور نفسی قوتوں کو محبوبِ حقیقی کی اطاعت میں دینے کیلئے کوشاں رہتا ہے۔ اوپر کے شعر میں جس نماز کا ذکر ہے، اسے نماز کہنا تو صحیح نہیں، اس لئے کہ نماز تو اسلامی شریعت میں وہی

ہے، جس میں رکوع اور سجود ہیں، قلبی ذکر کو نماز کہنا، یا دردِ عشق کے ذریعے محبوب سے میلاپ حاصل کرنے والے مجاہدوں کو نماز سے تشبیہ دینا غلط ہے، نماز فرض ہے، جو کسی بھی صورت میں معاف نہیں، نماز کی فیصلہ کن اہمیت ہے، نماز کو کسی بھی صورت میں غیر اہم سمجھنا جائز نہیں، وہ صوفی، جو نماز جیسے فرض کو چھوڑ دیتے ہیں اور قلبی ذکر ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اگر وہ ''استغراق'' کی حالت میں نہیں تو پھر وہ اسلامی شریعت کے رو سے گنہگار ہیں، اسلامی شریعت کے کسی بھی فرض کو چھوڑنے والا اللہ کا ولی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے ولیوں کو اللہ کا قرب اور مخلوق میں مقبولیت کا جو شرف حاصل ہے، وہ اخلاص اور استقامت کے ساتھ اللہ کے دین پر عمل کرنے اور اس کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں پر چلنے کے نتیجے میں ہی حاصل ہوا ہے۔ اس نکتے کو سمجھنا ضروری ہے، ورنہ صاحب سکر بزرگوں کے اس طرح کے کلام سے بے عمل اور گمراہ صوفیوں کو نماز جیسے فرض سے پہلو تہی کرنے کا جواز ملتا ہے۔

عاشق ہوویں تے عشق کماویں دل رکھیں وانگ پہاڑاں ہو
لکھ لکھ بدیاں تے ہزار الاہے کر جانیں باغ بہاراں ہو
منصور جیہے چک سولی دتے جیہڑے واقف کل اسراراں ہو
سجدیوں سر نہ چایئے باہو! توڑے کافر کہیں ہزاراں ہو

ترجمہ: عشقِ الٰہی میں ترقی کرنا چاہو تو اس کے لئے حوصلہ سے کام لو، اور اپنے دل کو پہاڑوں کی طرح مستحکم رکھو۔

اہلِ دنیا چاہے کتنا ہی بُرا کہیں، طعنے دیں، یا الزامات واتہامات عائد کریں، اس کے باوجود عشق سے کسی صورت دستبردار نہ ہوں، دنیا تو منصور حلاج جیسی برگزیدہ شخصیت کو سولی پر چڑھا دیتی ہے، جو اسرارِ الٰہی کے رازدان تھے۔

اے باہو! اگر تمہیں ساری دنیا بھی کافر کہے تو، سجدے سے سر ہرگز نہ اٹھانا۔

تشریح:

چونکہ عشق، محبوب سے یکسو ہونے کی خاطر، دنیا ومافیہا سے دستبردار ہونے کا نام ہے، اس لئے، عاشقوں پر مصیبتوں کے پہاڑ گرتے رہتے ہیں، اس لئے اسے اپنا حوصلہ بلند رکھنا چاہئے، اگر حوصلہ بلند نہیں تو، طالب جلد ہی دل شکستہ ہو کر راہ فرار اختیار کرتا ہے، ایسا کرنے سے اس کے پاس دین ومذہب کا جو تھوڑا بہت سرمایہ موجود تھا، وہ بھی سلب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ، محبوب سے محبت کے رشتے کی قدر نہ کرنے کی یہی سزا ملتی ہے کہ اس سے

حاصل نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ منصور حلاج کے ساتھ جو معاملہ ہوا، وہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے عقل وہوش کی حالت میں انا الحق کا نعرہ لگایا۔

عشق میں طالب پر حالت سکر کا غلبہ ہوتا ہے (یہاں اس حالتِ سکر کی بات کی گئی ہے)۔

عاشق عشق ماہی دے کولوں نت پھرن ہمیشاں کھیوے ہو
جنہاں جیندیاں جان ماہی نوں دتی اوہ دونہیں جہانیں جیوے ہو
شمع چراغ جنہاں دل روشن اوہ کیوں بالن دیوے ہو
عقل فکر دی پہنچ نہ کائی باہو! اوتھے فہم کچیوے ہو

ترجمہ: عاشق صادق، ہمیشہ عشقِ الٰہی میں مست رہتے ہیں۔ وہ عاشق جو جیتے جی، اپنا جسم وجان محبوب پر نچھاور کر دیتے ہیں، انہیں سعادت دارین نصیب ہوتی ہے، جن کا دل نور حق سے روشن ہو، انہیں (مصنوعی) دیئے جلانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

اے باہو! عشقِ حقیقی کے بلند مقام تک، عقل وفکر کی رسائی ممکن نہیں۔ فانی انسان کا فانی فہم وادراک، اس مقام سے آشنا ہو، ممکن نہیں۔

تشریح:

''عشق'' کا سفر ''دل'' کے ذریعے طئے ہوتا ہے، چونکہ ''عقل'' مادے کی پیداوار ہے، اس لئے مادّی عقل، عشق کی قوت اور اس کی حقیقت سے ناواقف ہے، البتہ عشق کے ذریعہ جب عقل کو قلب سلیم کے اجزا حاصل ہوتے ہیں تو عقل بھی سلیم ہو جاتا ہے، اس وقت دل کی معیت کی وجہ سے اس کی سوچ بلند ہو جاتی ہے، عشق کے ذریعے دونوں جہانوں کی سعادت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ، عشق سارے بتوں سے دستبردار ہو کر، خالص محبوب کا ہو جانے کا نام ہے، ایسے افراد کے لئے دونوں جہانوں کی کامیابی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے، جس کا اگر کسی کو ادراک ہو جائے، تو وہ دنیا کو لات مار کر، محبوب کیلئے مجاہدوں کے لئے تیار ہو جائے۔

عاشق راز ماہی دے کولوں کدی نہ ہوون واندے ہو
نیند حرام تنہاں تے ہوئی جیہڑے اسم ذات کماندے ہو
ہک پل مول آرام نہ کر دے دن رات وتن کرلاندے ہو
جنہاں الف صحیح کر پڑھیا باہو! واہ نصیب تنہاندے ہو

ترجمہ: عاشق صادق، اللہ کی معرفت کیلئے ہر وقت مجاہدوں میں مشغول رہتا ہے۔ محبوب کے لئے اس کے یہ مجاہدے اسے ہر وقت بے چین رکھتے ہیں، اسم ذات کے ذکر میں فنا ہو جانے والوں کی نیند نہیں ہوتی، آرام سے انہیں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ شب و روز بیقراری اور حالت اضطراب میں رہتے ہیں اور فراق کے غم میں روتے رہتے ہیں۔

اے باہو! وہی افراد خوشنصیب ہیں، جنہوں نے ''الف'' یعنی اسم ذات ''اللہ'' کی قدر کر کے اس ذکر کو مزاج کا حصہ بنالیا ہے۔

تشریح:

''اللہ کے ذکر کے ذریعے، عشق کی دنیا میں سفر کرتے ہوئے صوفی ایک لمحہ بھی آرام نہیں کرتے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ، عشق انہیں ہر وقت بیچین رکھتا ہے، انہیں ہر وقت محبوب کی فکر دامنگیر رہتی ہے۔ محبوب کے علاوہ، دوسروں کی فکر اور ان کا احساس باقی نہیں رہتا، یا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ محبوب کی فکر ان پر غیر معمولی طور پر غالب رہتی ہے، ان کے سارے مجاہدے اس کے لئے ہوتے ہیں، البتہ جسمانی طور پر آرام کرنا، یہ تو فرد کا فطری تقاضا ہے، جس کے بغیر کوئی بشر رہ نہیں سکتا۔ لیکن متوسط صوفی کے مجاہدے ایسے ہیں، جنہیں سن کر فرد سراپا حیرت ہو جاتا ہے۔

عاشق دا دل موم برابر معشوقاں دل کاہلی ہو
طاماں دیکھے تر ترتکے جیوں بازاں دی چالی ہو
باز بیچارہ کیونکر اڈے پیریں پیوس دوالی ہو
جیں دل عشق خرید نہ کیتا باہو! دوہاں جہانوں خالی ہو

ترجمہ: عاشق کا دل موم کی طرح نرم ہوتا ہے، اسے محبوب تک پہنچنے کی بے چینی ہوتی ہے، وہ محبوب تک رسائی کیلئے ذرائع کی تلاش میں ہوتا ہے، اسے محبوب سے وصال کی اس طرح آرزو ہوتی ہے، جس طرح باز کو شکار دیکھکر ہوتی ہے اور باز بیچارہ کیسے اڑ سکے گا، کیونکہ اس کے پاؤں میں تو حرص دنیا کی زنجیر پڑی ہوئی ہے۔

اے باہو! جس دل میں ''عشق'' کا سچا سودا نہ سمایا، وہ دونوں جہانوں میں محروم رہے گا۔ کیونکہ، سچے عشق کی مدد سے ہی یہ زنجیر توڑی جاسکتی ہے۔

تشریح:

یہاں محبوب کے لئے صوفی کی حالت اضطراب کو، انتہائی خوبصورت مثال سے بیان کیا گیا ہے۔ زخمی باز، اڑ سکے، ممکن نہیں، اسی طرح، فرد، اس دنیا میں مادی آنکھوں سے محبوب

کا مشاہدہ کر سکے، ناممکن ہے، تاہم، فرد دل کی آنکھوں سے محبوب کی تجلیات سے فیضیاب ہو سکتا ہے، طالب، محبوب کی تجلیوں کا بھوکا ہے، اس کی یہ تشنگی دن بدن بڑھتی جاتی ہے، اسلئے وہ ہمیشہ بیچین و بیقرار رہتا ہے، اور محبوب کے سامنے گڑگڑاتا اور فریاد کرتا رہتا ہے۔

عشق کے بغیر نفسی قوتوں سے آشنا ہونا اور انہیں پوری طرح محبوب کی اطاعت میں دینا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔

عشق سے محروم افراد عام طور سعادت دارین سے محرومی کے خطرات سے دوچار ہوتے ہیں، عاشق، نفس کی جن بے پناہ قوتوں سے آشنا ہوتا ہے، اگر راہ سلوک سے باہر کے عالم و دانشور پر یہ نکتہ آشکار ہو جائے تو وہ جان فدا کر کے بھی عشق کی راہ اختیار کرے۔

عاشقاں ہکو وضو کیتا جو روز قیامت تائیں ہو
وچ نماز رکوع سجودے رہندے سنج صباحیں ہو
ایتھے اوتھے دونہیں جہانیں سب فقر دیاں جائیں ہو
عرش کولوں سئے منزل اگے باہو پیا کم تنہائیں ہو

ترجمہ: عاشق سچے ہیں، انہوں نے اپنے نفس کو مار کر، دنیاوی نجاست اور کثافت سے پاک ہو کر، ایک ہی بار، ایسا وضو کیا ہے، جو قیامت تک برقرار ہے، اور اس دائمی وضو سے وہ ساری زندگی، عشقِ الٰہی سے سرشار نمازیں اور رکوع و سجود ادا کرتے رہتے ہیں۔

یہ صوفی فقیر، زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر، دونوں جہانوں میں آباد ہیں، اور ہر وقت ذکر و فکر و عبادت میں مصروف ہیں۔

اے باہو! ان فقیروں کی پرواز تو عرش سے بھی آگے ہے۔

تشریح:

عشق کے وضو سے رکوع اور سجود کرنے کا مطلب یہ ہے کہ، وہ ہر وقت محبوبِ حقیقی کی طرف متوجہ رہتے ہیں، اور تزکیۂ نفس اور روحانی پاکیزگی حاصل ہونے کی وجہ سے، وہ ہر قسم کی گندگی اور دنیاوی حرص و لالچ کی فکر سے محفوظ رہتے ہیں، ان کا دل محبوب کے سوا، دوسروں کی غلامی سے آزاد ہو چکا ہے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے، جس سے زیادہ، دنیا کی اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی، عشق کی بدولت جب فرد اپنی ہستی مٹا کر سراپا محبوب کا ہو جاتا ہے تو اسے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں، وہ الفاظ میں بیاں نہیں ہو سکتی، اسکی روح زمان و مکان سے آزاد ہوتی ہے، وہ بظاہر دنیا میں ہوتے ہوئے بھی دنیا میں نہیں ہوتا۔ محبوب کی معیت میں ہونے کی یہ باتیں ایسی ہیں، جو عشق سے باہر کے افراد کے فہم سے بالا ہیں۔

عشق دی بازی ہر جاء کھیڈی شاہ گدا سلطاناں ہو

عالم فاضل عاقل دانا کردا چا حیراناں ہو

تنبو کھوڑ لتھا وچ دل دے چا جوڑ لیں خلوت خاناں ہو

عشق امیر فقیر منیندے باہو! کیا جانے لوک بیگانہ ہو

ترجمہ: عشق تو ہر فرد کی ضرورت ہے، کوئی فرد اس پاکیزہ جذبے سے خالی نہیں، عالم ہو یا فاضل، عاقل ہو یا ناداں، محبوب حقیقی سے عشق کا داعیہ ہر فرد کی فطرت کا ناگزیر حصہ ہے، اور وہ سب کو حیران کرنے کا باعث ہے۔

عشق نے میرے دل میں آماجگاہ بنائی ہے۔ اے باہو! امیر ہو یا فقیر، سب عشق کی اہمیت کے قائل ہیں، لیکن عشق سے ناآشنا اور بیگانہ فرد، عشق کی قدر و قیمت کو کیا جانے؟

تشریح:

یعنی، ''عشق کی اہمیت،'' اور ''زندگی کو بدلنے کے سلسلے میں اس کے کردار'' سے واقفیت کے باوجود، بدقسمتی سے لوگوں کی اکثریت، عشق کی راہ اختیار کرنے کیلئے تیار نہیں، کیونکہ، ایسا کرنے سے دنیا کی لذتوں سے دستبردار ہونا پڑیگا، اور نفس کی خواہشوں کو خیر باد کہنا پڑیگا (دنیاوی آسائشوں اور عارضی لذتوں کی قربانی دینا، ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اس کیلئے مستحکم ارادہ کی ضرورت ہے، دولت اور شہرت کی چاہت جس کے دل میں بسی ہو، وہ ان چیزوں سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔)

اس شعر میں یہ نکتہ بھی بیان ہوا ہے کہ اللہ سے والہانہ محبت و عشق، ہر فرد کی فطرت کا حصہ ہے۔ فرد جب فطرت کے اس سب سے طاقتور داعیے و تقاضے سے صرف نظر کرتا ہے تو وہ مادی حسن اور دولت کے ذریعہ فطرت کے اس طاقتور داعیے کی تسکین و تشفی حاصل کرنا چاہتا ہے، جو ظاہر ہے ممکن نہیں، بلکہ اس سے وہ مشکلات کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔

عشق نال دریائے محبت دے وچ تھی مردانے تریئے ہو

جتھے لہر غضب دیاں ٹھاٹھاں قدم اتھائیں دھریئے ہو

اوجھڑ جھنگ بلائیں بیلے ویکھو ویکھ نہ ڈریئے ہو

نام فقیر تد تھیندا باہو! جد وچ طلب دے مریئے ہو

ترجمہ: عشق و محبت کے دریاء کو مردانہ وار طور پر تیر کر کے پار کرنا چاہئے۔ اس دریاء میں جہاں، جہاں خوفناک طوفانی لہریں ہوں، اور ہیبتناک بھنور ہوں، عاشق عشق کی ان گہرائیوں تک پہنچتا ہے (اور وہ ان خطروں کا بہادری سے مقابلہ کرتا ہے)۔

عشق کے راستے میں جہاں، جہاں پتھریلے رستے، خطرناک جنگل، ہیبتناک بلائیں نظر آئیں، ان کو دیکھ کر حوصلہ نہ ہارنا چاہئے، عاشقوں کی یہی علامت ہے، یہی فقیری ہے۔ اے باہو! جو راہِ طلب میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، وہ قابل رشک ہیں۔

تشریح:

فرد جب عشق کا سفر شروع کرتا ہے تو اسے نفس کی وسیع دنیا میں موجود ہزاروں درندے اور خوفناک بلائیں نظر آتی ہیں اور وہ ہر طرف سے حملہ آور ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اور محبوب کی راہ میں رکاوٹ بن کی کھڑی ہوتی ہیں، کبھی طالب کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ درندے اسے چیر پھاڑ نہ دیں۔ یا کہیں وہ نفس پرستی کے اس وسیع اور گھنے جنگل میں گم نہ ہو جائے؟ لیکن طالب صادق کا، اللہ والی ہے، وہ طالب کی طلب، اور اس کے عشق کی شدت کو دیکھکر اس کی مدد کرتا رہتا ہے، اور اسے نفس پرستی کے ان درندوں سے مسلسل بچاتا رہتا ہے، طالب کو چاہئے کہ وہ ہمت اور حوصلے سے اس راہ پر گامزن رہے اور مسلسل آگے بڑھتا رہے اور مایوسی کو اپنے قریب بھی نہ آنے دے۔

عشق اسانوں لسیاں جاتا لتھا آن مہاڑی ہو

ناں سووے ناں سوون دیو وے جیویں بال دہاڑی ہو

پوہ مانھ منگے خربوزے میں کتھوں لساں واڑی ہو

عقل فکر دیاں بھل گیاں گلاں باہو! جد عشق وجائی تاڑی ہو

ترجمہ: عشق نے ہمیں کمزور سمجھکر، ہم پر حملہ کیا، اب وہ توانا ہو کر میرے مقابل آگیا ہے، اب وہ ایک ضدی بچے کی طرح نہ خود سوتا ہے، نہ ہمیں سونے دیتا ہے۔ یہ تو بِن موسم کے پھل مانگتا ہے، اب میں ایسا باغ کہاں لگاؤں، جہاں سے بنا موسم کے پھل دستیاب ہوں؟

اے باہو! جب عشق، حیران و پریشان دیکھکر، طالب پر نئی تابانی کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے تو طالب محو حیرت ہو جاتا ہے۔

تشریح:

اول تو عشق کی دنیا میں داخل ہونا ہی مشکل ہے، جن افراد پر خاص فضل ہوتا ہے، انہی کو عشق کی دنیا نصیب ہوتی ہے۔ عشق کی دنیا میں داخل ہونے کے بعد، عشق اپنا کام کرنا شروع کر دیتا ہے، وہ کام یہ ہے کہ، عشق، عاشق کو محبوب کیلئے جان توڑ مجاہدے کرنے پر اکساتا ہے، عاشق چاہے کتنا ہی سست اور کمزور ہو، لیکن عشق اسے بے تاب کر کے، محبوب کیلئے رات دن چلنے اور ذکر و فکر کے مجاہدے کرنے پر مجبور کرتا ہے، عشق جب غالب آجاتا ہے تو، عاشق عقلیت اور دنیاوی حوالوں سے ساری باتیں بھول جاتا ہے۔

عشق کی یہ خصوصیت ہے کہ جب اس کا غلبہ ہوتا ہے تو طالب پر ہمہ وقت محبوب کی فکر غالب ہوتی ہے اور دوسری چیزوں سے نسیان ہو جاتا ہے، متوسط صوفی عرصہ تک اس حالت میں رہتا ہے۔

عشق جنہاندے ہڈیں رچیا اوہ رہندے چپ چپاتے ہو

لوں لوں دے وچ لکھ زباناں اوہ پھر دے گنگے باتے ہو

اوہ کردے وضو اسم اعظم داتے دریائے وحدت وچ نہاتے ہو

تدوں قبول نمازاں باہو! جدیاراں یار پچھاتے ہو

ترجمہ: جن عاشقوں کی ہڈیوں میں عشق جذب ہو جاتا ہے، انکی زبان بند ہو جاتی ہے، حالانکہ، ان کے جسم کے روئیں، روئیں میں لاکھوں زبانیں ہیں، جن سے وہ ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں لیکن بظاہر انکی زبانیں بند ہوتی ہیں۔

وہ اسم اعظم کا وضو کرتے ہیں، اور دریائے وحدت میں غسل کرتے ہیں اور پاکائی حاصل کرتے ہیں۔

اے باہو! طالب جب معرفت کے اس مقام پر پہنچتا ہے تو وہ محبوب کے ساتھ ہمراز ہو جاتا ہے، اس کے بعد ہی اس کی نماز، نماز ہوتی ہے۔

تشریح:

طالب کی نماز میں کامل ''اخلاص'' کی کیفیت، اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب اس کا سلوک کا سفر طئے ہو جاتا ہے، اور طالب فنا کے مقام تک رسائی حاصل کرتا ہے، اس سے پہلے نماز میں کامل اخلاص نصیب ہو، اور مطلوبہ خشوع اور خضوع پیدا ہو، مشکل ہے۔

یہاں عارف شاعر نے صوفی کی ایک بڑی نشانی یہ بیان کی ہے، کہ محبوب سے عشق، اسکی زبان کو گنگ کر دیتا ہے، عرصے تک وہ حیرت در حیرت رہتا ہے، گفتگو سے اسے اذیت

ہوتی ہے، اس سے غیر ضروری بات بالکل نہیں ہوتی، کیونکہ عشق نے اسکی زبان پر تالہ لگا دیا ہے، یہ ''متوسط'' صوفی کی علامت ہے، دنیاوی حوالے سے گفتگو کرنے، یا گفتگو سننے سے اسے بیزاری اور وحشت ہوتی ہے۔ جب وہ عشق میں مستحکم ہو جاتا ہے تو، اس کے بعد جا کر اس کی زبان کا تالہ کھلتا ہے۔

طالب کی اس حالت کا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ شروع میں اس کا دل محبوب کے انوار حسن سے خالی ہوتا ہے، ذکر سے خالی دل کے حامل فرد کی گفتگو میں تاریکی اور ظلمات موجود ہوتی ہے۔ جس کا مشاہدہ طالب کو ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔ اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ طالب محبوب کے ساتھ مصروف رہتا ہے، اس لئے محبوب کی طرف متوجہ طالب، دوسری چیزوں کی طرف توجہ دینے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

عاشق سوئی حقیقی جیہڑا قتل معشوق دے منے ہو

عشق نہ چھوڑے مکھ نہ موڑے توڑے سئے تلواراں کھنے ہو

جتول ویکھے راز ماہی دے لگے اوسے بنے ہو

سچا عشق حسین علی دا باہو سر دیوے راز نہ بھنے ہو

ترجمہ: حقیقی عاشق وہی ہے، جو اپنے معشوق محبوب کے ہاتھوں ذبح ہونے کو اپنے لئے بڑی سعادت سمجھتا ہے اور وہ عشق سے کسی سے بھی حالت میں دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتا، چاہے اس پر تلوار کے وار ہوتے رہیں، طالب، محبوب کے ان تیروں کو عشق کا خوبصورت گلدستہ سمجھتا ہے۔

سچے عشق کا تقاضا یہ ہے کہ، جس چیز میں محبوب کی رضامندی ہو، وہ اختیار کی جائے، اے باہو! سچا عشق حسین ابنِ علیؓ کا ہے، جنہوں نے سر قربان کر دیا، لیکن ''راز الٰہی'' افشاء نہ کیا۔

تشریح:

''عشق'' اپنے ساتھ بے پناہ ابتلا اور آزمائش لاتا ہے، محبوب سے یکسو ہونے کی وجہ سے دوست احباب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، گھر والے، کم وقت دینے پر نالاں ہو جاتے ہیں، محبوبِ حقیقی بھی طالب کی کمزوریوں کی وجہ سے روٹھ جاتا ہے، محبوب کو راضی کرنے کی خاطر اسے آئے دن خون کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔ اور طالب کو قدم قدم پر سنبھل کر چلنا پڑتا ہے اور ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے، جب محبوب، طالب کی اس استقامت کو دیکھتا ہے، تو اس پر سکینت کا نزول شروع کر دیتا ہے۔

عشق سمندر چڑھ گیا فلک تے کتول جہاز کچیوے ہو

عقل فکر دی ڈونڈی نوں چاپہلے پور بوڑیوے ہو

کڑکن کپڑ پوون لہراں جد وحدت وچ وڑیوے ہو

جس مرنے تھیں خلقت ڈر دی باہو! عاشق مرے تاں جیوے ہو

ترجمہ: عشق کے سمندر کی پرجوش لہریں آسمان سے باتیں کررہی ہیں، اب بندہ اپنی ہستی کے جہاز کو بچا کر کہاں لے جائے؟ یہ سرکش طوفان تو ''وجود کی کشتی'' کو پہلی ہی موج سے زیروزبر کردے گا۔

جب دریائے وحدت میں، ہستی کی یہ کشتی داخل ہوتی ہے، تو اسے سرکش موجوں کی طغیانی، طوفانی لہروں کی گڑگڑاہٹ سننے میں آتی ہے، اسے پُرشور طوفانی لہروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اے باہو! مخلوق جس موت سے ڈرتی ہے، عاشق وہ موت قبول کرکے زندہ جاوید ہوجاتے ہیں۔(شہید کو مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں۔قرآن پاک)

تشریح:

عشق کی گہرائی کو، سمندر کی گہرائی سے تشبیہ دینا، بالکل بجا ہے۔صوفی ایک عرصے تک سمندر کی طوفانی لہروں اور موجوں کے بہاؤ میں، کبھی ایک طرف تو کبھی دوسری طرف زیروزبر ہوتا رہتا ہے۔ عشق کی طوفانی لہریں اس کے وجود کا جو حشر کرتی ہیں، اسے برداشت کرنا عام فرد کے بس کی بات نہیں، یہ محبوب حقیقی کا فضل خاص ہے کہ وہ اس طالب کو نیا وجود عطا کرتا رہتا ہے۔ جو عشق کی ان تیز لہروں کا مقابلہ کرکے، سمندر کی گہرائی کا مشاہدہ کرکے، طوفان میں موجود خطروں کا مقابلہ کرکے، بالآخر کنارے تک پہنچ جاتا ہے۔

عاشق کو یہ بلند مقام، موت کو قبول کرنے، اور محبوب کے لئے دیوانہ وار ہوکر اپنے خون کا آخری قطرہ تک نچھاور کرنے کی بدولت عطا ہوتا ہے۔

عشق، عاشقوں کے مزاج میں حرارت اور حدت بڑھاتا ہے، اس لئے عاشق زیادہ تر مختلف بیماریوں کا شکار رہتے ہیں، کیونکہ مادی نوعیت کا کمزور جسم، محبوب کے جلال کی تپش نہیں سہہ سکتا۔

عشق کا نام لینا تو آسان ہے، خود کو عاشق کہلوانا بھی مشکل نہیں، لیکن عشق کو اپنی ذات پر طاری کرنا، مشکل ترین کام ہے، جسکے لئے جسم وجان کی ساری توانائیاں خرچ کرنی پڑتی ہیں۔

عشق ماہی دے لایاں اگیں، انھاں لگیاں کون بجھاوے ہو

میں کیہ جاناں ذات عشق دی؟ جیہڑا در، در، چا جھکاوے ہو

نہ خود سووے ناں، سوون دیوے، ہتھوں ستیاں آن جگاوے ہو

میں قربان تنہا ندے باہو! جیہڑا وچھڑے یار ملاوے ہو

ترجمہ: محبوب کے عشق نے میرے اندر آگ کے الاؤ جلا رکھے ہیں، اس آتش کو کون بجھائے؟

مجھے کیا معلوم کہ عشق کی حقیقت کیا ہے، جس نے در، در مجھے بھٹکایا ہے، نہ عشق کی حرارت کم ہو اور نہ آرام نصیب ہو، نیز عشق کی صدائیں دوسروں کو بھی بیزار کردیتی ہیں۔

اے باہو! ایسے عشق پر قربان، جو بچھڑے ہوئے دوست کو ملانے کا ذریعہ ثابت ہو۔

تشریح:

اس شعر میں متوسط صوفی کی حالت کی عکاسی کی گئی ہے، جو محبوب کیلئے آخری حد تک مضطرب رہتا ہے، محبوب کی جلالی صفات کا عکس اسے بے چین کردیتا ہے، اس شعر کی مزید تشریح آگے دیئے گئے اسی قسم کے شعر کی تشریح میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

عشق دیاں اولڑیاں گلاں جیہڑا شرع تھیں دور ہٹاوے ہو

قاضی چھوڑ قضائیں جاون جد عشق طمانچہ لاوے ہو

لوک ایانے متیں دیون عاشقاں مت نہ بھاوے ہو

مڑن محال تنہاں نون باہو! جنہاں صاحب آپ بلاوے ہو

ترجمہ: عشق کی باتیں نرالی ہیں، یہ تو نادان افراد کو شریعت کی راہ سے دور بھی کرسکتا ہے، جب عشق کا گھیراؤ ہو تو قاضی اپنی رعیت سے بھی دستبردار ہوجاتا ہے، ناآشنا افراد اگر عاشقوں کو نصیحت کریں تو وہ نصیحت ان کے لئے ناگوار ہوتی ہے، جن کے لئے محبوب خود راہ ہموار کرے، انہیں سفر طے کئے بغیر فرار اختیار کرنا کیسے ممکن ہے۔

تشریح:

کم عقل افراد چونکہ اسلامی شریعت کے تقدس اور فرائض وواجبات کی اہمیت سے ناآشنا ہوتے ہیں، اسلئے ''عشق'' کی دنیا میں وارد ہونے کے بعد وہ کیفیتوں کو مقصود سمجھ کر شریعت کو غیر اہم سمجھنے لگتے ہیں، جو بڑی نادانی کی بات ہے، عاشق ایسی دنیا میں رہتے ہیں، جہاں عشق

سے باہر کے افراد کی کوئی نصیحت ان کے لئے قابل قبول نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ محبوب کے جمال وجلال کے عکس کی حالت میں ہونے کی وجہ سے اہل عقل کی دنیا سے بالکل جداگانہ دنیا میں ہوتے ہیں۔

عاشق شوہدے دل کھڑایا آپ بھی نالے کھڑیا ہو
کھڑیا کھڑیا ولیا ناہیں سنگ محبوباں دے رلیا ہو
عقل فکر دیاں گلاں بھلیاں جد عشق نال جا ملیا ہو
میں قربان تنہاں توں باہو! جنہاں عشق جوانی چڑھیا ہو

ترجمہ: عاشق بیچارہ دل گنوانے کے بعد اپنی شخصیت اور اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے، لیکن عشق میں گم ہونے کے باوجود وہ راہ سے ہٹا نہیں، اپنے عشق میں ثابت قدم چلتے چلتے بالآخر اسے محبوب کا وصال حاصل ہو کر رہا، عشق ایک ایسی قوت ہے، جہاں عقل کام نہیں دیتی۔

اے باہو! میں ان پر قربان ہو جاؤں، جو عشق کے عروج پر جا پہنچے۔

تشریح:

عشق حقیقی ایک ایسی نعمت ہے، جس کے سامنے دوسری ساری نعمتیں ہیچ ہیں، عشق دنیاوی مشکلات کو صبر اور حوصلہ سے برداشت کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے، عشق اگر سچا ہو تو طالب کو ہر طرف سے آزمائشوں میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود اسے بڑے سکون اور حوصلہ سے زندگی گذارنے کا سلیقہ عطا ہوتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ، جو علیم اور بصیر ہے، وہ فرد کے اخلاص اور حوصلے کو دیکھتے ہوئے بالآخر اسے منزلِ مقصود تک رسائی عطا فرماتا ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

عشق اساں نوں لسیاں جاتا کرکے آوے دھائی ہو
جتول ویکھاں مینوں عشق دسیو وے خالی جگہ نہ کائی ہو
مرشد کامل ملیا ایسا جیئں دل دی تاکی لاہی ہو
میں قربان اس مرشد توں باہو جس دسیا بھید الٰہی ہو

ترجمہ: عشق ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر حملہ آور ہوتا ہے، اب دل کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ جہاں بھی نظر ڈالتا ہوں، عشق ہی عشق دکھائی دیتا ہے، کائنات کی کوئی چیز مجھے عشق سے خالی نظر نہیں آتی۔

مجھے ایسا کامل مرشد ملا ہے، جس نے میرے دل کی بند گلی کو کھول دیا۔ (جس نے میرے دل پر پڑے ہوئے پردے ہٹا دیئے)۔

اے باہو! میں ایسے مرشد پر قربان جاؤں، جس نے مجھے اسرار الٰہی سے آگاہ کیا۔

تشریح:

عشق میں چلنے کے نتیجے میں صوفی پر یہ راز کھلتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز محبوب کے ساتھ جذب وکشش کے ایسے نظام سے مربوط ہے، جس سے فرار ممکن نہیں، ہر چیز محبوب کے ذکر میں مصروف ہے اور محبوب حقیقی پر فدا ہے اور محبوب کی تعریف و تسبیح کے سوا کائنات کا اور کوئی کام ہی نہیں، دل کی آنکھیں کھلنے کے بعد صوفی کے دل پر یہ راز کھلتا ہے، جس کی قرآن میں بھی تائید کی گئی ہے ''یعنی آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکائی بیان کر رہی ہے،'' عشق کی چنگاری دراصل شیخ کامل کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے، یہ چنگاری، الاؤ کی صورت بھی صحبت ہی سے اختیار کرتی ہے، اس لئے راہ سلوک میں شیخ کی اہمیت مسلمہ ہے، شیخ کامل کی مسلسل رہنمائی، طالب کو بالآخر محبوب کے وصال تک پہنچا دیتی ہے۔

عشق اسانوں لسیا جاتا بیٹھا مار پتھلا ہو
وچ جگر دے سنھ چالائیس کیتس کم اولا ہو
جاں اندر وڑ جھاتی پائی ڈٹھا یار اکلا ہو
باہجھوں ملیاں مرشد کامل باہو! ہوندی نہیں تسلا ہو

ترجمہ: عشق نے ہمیں ناتواں دیکھ کر ہم پر حملہ کیا، اب ہمارا دل عشق کی آماجگاہ بن چکا ہے، عشق نے جگر کا بھی گھیراؤ کر لیا ہے، عشق عجیب وغریب کارنامے سرانجام دیتا ہے، میں نے اپنے اندر میں جھانکا تو، وہاں صرف محبوب ہی کو موجود پایا۔

اے باہو! کامل مرشد کی صحبت کے بغیر عشق کے ارتقائی مراحل طے نہیں ہوتے۔

تشریح:

عشق اس دل میں سما سکتا ہے، جس میں نرمی ہو، رجوع ہو، عاجزی ہو، اسطرح کے دل میں جب عشق مقام بناتا ہے، تو عجیب کارنامے انجام دیتا ہے، عشق، سالک کو نفسی قوتوں سے چھٹکارا دلاتا ہے اور مادی چاہتوں سے بلند کر کے محبوب تک پہنچاتا ہے، راہ عشق میں یہ مقام کسی اللہ والے کی لگاتار صحبت کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوتا ہے، صحبت کے بغیر فرد نفس کے ساتھ روزانہ کی جنگ سے تنگ ہو کر، اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور عشق سے دستبردار ہونے پر مجبور ہوتا ہے۔

عاشق نیک صلاحیں لگدے تاں کیوں اجاڑ دے گھر نوں ہو

بال مراتا برہوں والا نہ لاندے جان جگر نوں ہو

جان جہان سب بھل گیونے پئی لوٹی ہوش صبر نوں ہو

میں قربان تنہاں توں باہو! جنہاں خوں بخشیا دلبر نوں ہو

ترجمہ: عاشق اگر اہل دنیا کے مشوروں پر عمل کرتے تو وہ گھر والوں (اور اپنوں سے) بے گانہ کیوں ہوتے، وہ ہجر و فراق کی آگ جلا کر اپنی جان و جگر کو نہ جلاتے، لیکن عاشق تو ایسے ہیں کہ نہ صرف اپنی جان و جگر سے، بلکہ وہ دنیا جہاں سے دستبردار ہوتے ہیں۔

اے باہو! میں ان پر قربان ہوں، جنہوں نے بخوشی اپنی جان محبوب پر فدا کرنے کا حوصلہ دیا۔

تشریح:

عاشق، اہل دنیا کے مشوروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، وہ دل کی پکار پر ہی عمل پیرا ہوتا ہے اور وہ محبوب کے حصول کے لئے عشق میں کود پڑتا ہے، اس مقصد کیلئے وہ بھوک کے مصائب برداشت کرتا ہے، ہر تکلیف کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے، مسکینی اختیار کرتا ہے، فراق کی جگر سوز حالتوں کا سامنا کرتا ہے، روزانہ محبوب کی جلالی صفات کے عکس کی تجلیات سہہ کر گھلتا رہتا ہے، طویل عرصے تک محبوب کے لئے مضطرب رہتا ہے، محبوب کے رحم کی آرزو میں اسکی طرف بے بس نگاہوں سے تکتا رہتا ہے، بالآخر عاشق محبوب کیلئے اپنی ہر چیز فدا کر دیتا ہے، عاشق کی طرح کی فداکارانہ زندگی اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔

غوث قطب سب رہن ارے اریرے عاشق جان اگیرے ہو

جیہڑی منزل عاشق پہچن اوتھے غوث نہ پاون پھیرے ہو

عاشق وچ وصال دے رہندے جنہاں لامکانی ڈیرے ہو

میں قربان تنہاں توں باہو، جنہاں ذاتوں ذات بسیرے ہو

ترجمہ: غوث، قطب وغیرہ سب عاشق سے فروتر ہیں، عاشق جس مقام پر پہنچ رہے ہیں، وہاں کسی غوث کی رسائی نہیں، عاشق وصل کے مقام پر پہنچ کر لامکان میں اپنا ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔

اے باہو! میں ان پر قربان ہوں، جنہیں حقیقی عشق کے ذریعہ کامیابی حاصل ہوئی اور انہیں ذات الٰہی تک رسائی حاصل ہوئی۔

تشریح:

عاشق کو دردِ عشق اور ذکر و فکر کے ذریعہ محبوب کے انوار حسن کی تجلیات سے فیضیاب ہونے اور اس عظیم ہستی کے مشاہدے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ ایسی ہے، جس کے مقابلہ میں وہ ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار رہتا ہے، اس کی نظر میں یہ محبوب کی ذات میں فنا ہونے والے عاشقوں کی کہانی ہے، ایسے عاشق حالتِ فنا کو پہنچ کر، بقا کے مقام کے باوجود نزول نہیں کرتے، محبوب کے انوار حسن ان کا اس طرح گھیراؤ کر لیتے ہیں کہ وہ اس سے کسی طرح نکلنے نہیں پاتے، اس شعر میں عارف شاعر کی اسی خاص حالت اور واردات کی عکاسی کی گئی ہے۔

فجری ویلے وقت سویلے آن کرن مزدوری ہو

کاواں الاں ہکسی گلاں تریجی رلی چنڈوری ہو

مارن چنجاں تے کرن مشقت پٹ پٹ سٹن انگوری ہو

ساری عمر سہڑیاں گذری باہو! کدی نہ پئی آپوری ہو

ترجمہ: دنیادار لوگ صبح سویرے اٹھ کر روزی کی تلاش میں نکلتے ہیں اور اس کے لئے سارا دن حیران و پریشان رہتے ہیں، ان پر صرف روزی کمانے کی فکر غالب ہے، ایسے افراد کی مثال چیل کوّے اور چڑیوں کی سی ہے، جو اپنی چونچ کے ساتھ معمولی پودوں کو توڑ کر کھاتے ہیں اور پھینکتے جاتے ہیں، وہ اس مشقت میں لگے ہوئے ہیں، اور وہ اس اصل مقصد سے غافل ہیں، جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی ہے، ''جنوں اور انسانوں کو صرف اللہ کی عبادت کے لئے تخلیق کیا گیا ہے'' (قرآن شریف)

اے باہو! ساری عمر اس مشقت میں گذر جاتی ہے، اس کے باوجود بھی انکا دل، دنیا سے سیر نہیں ہوتا۔

تشریح:

ان اشعار میں عام انسان کی حالت زار بیان کی گئی ہے، جو دولت جمع کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ کر، اپنی ساری زندگی اور ساری توانائیاں اسی میں خرچ کر دیتا ہے، اس کے باوجود ان کی تسلی نہیں ہوتی، چاہے فرد ارب پتی بن جائے، اسے اطمینان نہیں ہوتا، مزید کی طلب اسے سرگردان رکھتی ہے، یہ دیکھ کر دل دکھتا ہے، اگر وہ محبوب حقیقی کے عشق کیلئے وقت

نکالتا تو اسکی زندگی کتنی بابرکت ہو جاتی، وہ جو رازقِ کل کائنات ہے، وہ ہستی اسے روزی کے معاملے میں دوسروں کی محتاجی سے بچالیتی اور اسباب کو حکم کرتی کہ اس کے پاس جاؤ۔

محبوب سے محبت نہ ہونے اور اس پر توکل نہ ہونے کی وجہ سے عام لوگ مادّی دنیا پر فدا ہیں اور اللہ کی محبت سے بے نیاز ہو کر دنیا کے حصول کیلئے سر گرداں ہیں۔

فکر کنوں کر ذکر ہمیشاں ایہہ لفظ تکھا تلواراں ہو

ذاکر سوئی جیہڑے فکر کماون اک پلک نہ فارغ یاروں ہو

عشق دا پٹیا کوئی نہ چھٹیا پٹ سٹیا مڈھ پہاڑوں ہو

حق دا کلمہ عاشق پڑھدے باہو! ربا! رکھیں فکر دے پاروں ہو

ترجمہ: ''اللہ'' کا ذکر ہمیشہ ''فکر'' سے کرنا چاہیے، یہ لفظ تلوار سے بھی زیادہ تیز ہے، ذاکر وہی ہیں، جو قلبی ذکر کرتے ہیں، وہ ایک لمحہ کے لئے بھی محبوب کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔

عشق ایسی حالت کا نام ہے، جسکا زخمی کبھی شفایاب نہیں ہوتا، یہ تو پہاڑوں کو بھی جڑ سے اکھیڑ کر گرانے کی قوت رکھتا ہے۔

اے باہو! حق کا کلمہ تو صرف عاشق صادق ہی پڑھتے ہیں، یارب ان کے ذکر و فکر کو سلامت و قائم فرما۔

تشریح:

زبانی ذکر کے ساتھ ساتھ قلبی ذکر و فکر بھی ضروری ہے، قلبی ذکر، جہری ذکر سے ستر گنا زیادہ فضیلت کا حامل ہے، کیونکہ اس سے دل اور ذہن کی ساری توجہات ذکر کی طرف مرتکز ہو جاتی ہیں اور ذکر کا نور دل اور ذہن کا پوری طرح محاصرہ کرلیتا ہے، قلبی ذکر، تلوار سے زیادہ تیز اثر رکھتا ہے، یہ نفسانی خواہشوں کو کاٹ کر، نفس پر تلوار کے وار کر کے، اسے مفلوج کر دیتا ہے۔

عشق کی یہ خصوصیت ہے کہ، عاشق کی پوری زندگی عشق سے سرشار ہوتی ہے اور وہ زندگی کے کسی بھی مرحلے پر دردِ عشق سے خالی نہیں ہوتا اور عشق ہی اس کی ساری زندگی کے رخ متعین کرتا ہے اور اسے صحیح طور پر زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔

کلمۂ طیب والی زندگی حقیقی زندگی تو صرف عاشقوں ہی کو نصیب ہوتی ہے ہیں، جو محبوب کیلئے ساری عمر مضطرب رہتے ہیں۔

قلب نہ ہلیا تاں کیا کجھ ہویا کیا ہویا ذکر زبانی ہو

قلبی، روحی، سری، اخفی سبھے راہ حیرانی ہو

شہ رگ توں نزدیک جلیندا یار نہ ملیوس جانی ہو

نام فقیر تنہا ندا باہو! جیہڑے وسدے لامکانی ہو

ترجمہ: اگر ذکر کرتے ہوئے ''قلب'' حالت وجد میں نہ آئے، تو ایسے زبانی ذکر سے کیا فائدہ؟ ''قلبی'' ''روحی'' ''سرّی'' ''اخفیٰ'' یہ حیرانی کے مقامات ہیں، (یہ لطائف عقل سے ماوار ہیں) اس راہ میں انجان فرد کیلئے صرف حیرانی ہی حیرانی ہے۔

اللہ تعالیٰ تو بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اتنی نزدیکی کے باوجود بندوں کو اللہ تعالیٰ نہیں ملتا۔ اے باہو! فقیر تو وہ ہیں جو لامکان میں بستے ہیں۔

تشریح:

قلبی ذکر سے سالک کا قلب حالت وجد میں آجاتا ہے اور کانپ جاتا ہے، قلبی ذکر سے لطائف میں بھی ذکر کے اثرات آجاتے ہیں اور لطائف سے بھی ذکر جاری ہونے لگتا ہے۔

محبوب حقیقی تو فرد کو سب سے نزدیک ہوتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے محبوب کو بالکل بھلا دیا ہے، اسی لئے محبوب نے بھی ان کو بھلا دیا ہے، فقیر تو روحانی اور وجدانی طور پر ایسی دنیا، جو اس مادّی دنیا سے افضل ترین دنیا ہے، اس میں رہتے ہیں، اگرچہ جسمانی طور پر وہ اس دنیا میں رہتے ہیں، لیکن ان کا دل ہمہ وقت محبوب کے ساتھ ہوتا ہے، وہ اس مادی دنیا کو قید خانہ سمجھتے ہیں۔

کل قبیل کو یسر کہندے کارن در بحر دے ہو

شش زمین تے، شش فلک تے، شش پانی تے تردے ہو

چھیاں حرفان وچ سخن اٹھاراں دو دو معنی دھردے ہو

مرشد ہادی صحیح کر سمجھایا باہو! اس پہلے حرف سطر دے ہو

ترجمہ: کائنات کی ساری مخلوق پروردگار کی پاکی بیان کرتے ہوئے، اس سمندر کی سچے موتی (معرفت الٰہی) کی تلاش میں سرگرداں ہے، اس مقصد کے لئے کائنات کی یہ مخلوقات زمین، آسمانوں اور سمندروں میں مصروف عمل ہے، یہ چھ حروف ہیں، جن کے اٹھارہ سخن ہیں اور ہر سخن کے دو دو معنائیں ہیں، ایک ظاہری معنیٰ دوسری باطنی معنیٰ۔

اے باہو! ہمیں تو مرشد نے اس سطر کے پہلے ہی حرف کا سبق اچھی طرح یاد کرایا ہے۔

تشریح:

عاشق جب مجاہدوں کے ذریعے نفسانی قوتوں سے دستبردار ہو کر خالص محبوب کا ہو جاتا ہے، تو اس پر محبوب کی طرف سے علم کا ایسا نزول ہوتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، بزرگوں کے علم میں گہرائی اور ہر معاملے کی روح تک رسائی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنی عقل کو نفس سے آزاد کر کے، محبوب کے تابع کر دیا ہوتا ہے۔

کلمے دی کل تداں پیوسے جداں کل کلمے ونج کھولی ہو

عاشق کلمہ اوتھے پڑھدے جتھے نور نبی صہ دی ہولی ہو

چوداں طبق کلمے دے اندر کیا جانے خلقت بھولی ہو

اسانوں کلمہ پیر پڑھایا باہو! جند جان اوسے توں گھولی ہو

ترجمہ: کلمہ کی حقیقت، ہمیں تب معلوم ہوئی ہے، جب کلمہ کے ذکر سے اس کے اسرار کھلے، عاشق پر کلمہ کی حقیقت اس وقت کھلتی ہے، جب وہ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں۔

کلمہ کے اندر پوری کائنات کے اسرار پوشیدہ ہیں، لیکن عام لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔

اے باہو! ہمیں ہمارے مرشد نے اس کلمہ کی تکرار کا سبق دیا ہے، ہم نے اس کلمہ پر محنت کر کے اس کلمہ پر جان فدا کر دی ہے۔

تشریح:

کلمہ کے ذکر کی تکرار، فرد کو مادّی دنیا سے اوپر اٹھا کر، روحانیت کی بلندیوں پر فائز کرتی ہے، جہاں عاشق کی نظر میں کائنات کے مشاہدے سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ محبوب اسے کلمہ کی کثرت ذکر کی برکت سے نفسانی قوتوں کی کدورتوں سے پاک صاف کر کے، طالب کو اخلاق حسنہ کا حامل بنائے، فرد جب کسی اہل اللہ سے وابستہ ہو کر کلمہ شریف کے ذکر کی تکرار کرتا ہے تو کلمہ کا نور دل کی گہرائیوں میں داخل ہونے لگتا ہے اور فرد پر محبوب حقیقی کی محبت طاری ہو جاتی ہے اور وہ ماسویٰ کو بھول جاتا ہے۔

کلمے دی کل تداں پیوسے جداں کلمے دل نوں پھڑیا ہو
بے درداں نوں خبر نہ کوئی درد منداں گل مڑھیا ہو

کفر اسلام دی کل تداں پیوسے جداں بھن جگر وچ وڑیا ہو

میں قربان تنہاں توں باہو! جنہاں کلمہ صحیح کر پڑھیا ہو

ترجمہ: کلمۂ کی اصل حقیقت اس وقت معلوم ہوتی ہے، جب کلمہ دل میں جذب اور نقش ہو جاتا ہے، اس کلمہ کا کثرت کے ساتھ ذکر کر کے، اسے دل پر مستحکم کیا جائے، درد سے محروم افراد کلمہ کی حقیقت سے بے خبر ہیں، البتہ اہل درد ہی اس کے اسرار و رموز کو سمجھتے ہیں اور اس کلمہ کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔

کفر اور اسلام کے درمیان حقیقی فرق بھی اسی وقت معلوم ہوگا، جب کلمہ طیب وجود میں سرائیت کر جائے۔

اے باہو! میں ایسے افراد پر نچھاور ہو جاؤں، جو پورے اخلاص کے ساتھ کلمہ کا تکرار سے ذکر کرتے ہیں۔

تشریح:

فرد کے نفس میں ایک بہت بڑا بت خانہ موجود ہے، وہ ایک بت کی پوجا سے بمشکل فارغ ہوتا ہے تو دوسرا بت اسکے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے اور فرد اس نئے بت کی پوجا میں لگ جاتا ہے، پھر تیسرے بت کی سجدہ ریزی میں مصروف ہو جاتا ہے، اسطرح عام طور پر افراد کی ساری زندگی ان بتوں کی پوجا میں صرف ہوتی رہتی ہے، کلمہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے تو اس میں یہ خاصیت موجود ہے کہ فرد پر اسلام اور کفر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور اندر میں موجود بتوں کا نہ صرف ادراک حاصل ہوتا ہے، بلکہ ان بتوں سے بچنے کی سعادت بھی حاصل ہوتی ہے۔

کلمے دی کل تداں پیوسے جداں مرشد کلمہ دسیا ہو

ساری عمر وچ کفر دے جالی بن مرشد دے وسیا ہو

شاہ علی شیر بہادر وانگے وڈھ کلمے کفر نوں سٹیا ہو

دل صافی تاں ہو وے باہو! جاں کلمہ لوں لوں رسیا ہو

ترجمہ: ہم پر کلمہ کی حقیقت اس وقت ظاہر ہوئی، جب مرشد نے کلمہ کی حقیقت سمجھائی، مرشد کی صحبت اور کلمہ شریف کی تلقین سے پہلے ہماری حالت یہ تھی کہ ہماری زندگی کفر اور جہالت سے عبارت تھی اور ہمیں کلمہ کی حقیقت کا ادراک اور شعور ہی نہیں تھا۔

حضرت علیؓ نے جس طرح کفار کا بہادری سے مقابلہ کر کے انکا قلعہ قمع کیا تھا، اسی طرح کلمہ طیب کے ورد نے ہمارے دل سے کفر کو کاٹ کر پھینک دیا۔

اے باہو! دل کو پاکیزگی اس وقت حاصل ہوتی ہے، جب وجود کے روئیں روئیں تک کلمہ کی رسائی ہو جائے۔

تشریح:

''رسمی ایمان'' حقیقی ایمان کی صورت اس وقت اختیار کرتا ہے، جب فرد کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کر کے درد عشق کی دنیا میں داخل ہوتا ہے، ایسا کرنے سے ایک تو ایمان کی حقیقی کیفیات پیدا ہوتی اور بڑھتی ہیں، دوسرا یہ کہ نفسی قوتوں کا ادراک حاصل ہوتا ہے، اور نفسی قوتوں کو تابع کرنے اور مہذب بنانے کی استعداد بھی پیدا ہوتی ہے، اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنے کے نتیجے میں فرد کو اپنی پچھلی زندگی پر شدید پچھتاوا ہوتا ہے، اس لئے کہ اخلاص، اخلاص والوں کی صحبت سے ہی نصیب ہوتا ہے اور نفس کے خلاف مجاہدوں کی صلاحیت، نفس کو فنا کرنے والوں کی صحبت سے ہی عطا ہوتی ہے، یہ ایسا اہم اور فیصلہ کن نکتہ ہے، جسے بدقسمتی سے عقلیت کے اس دور میں سمجھنے سے غفلت ہوئی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ نہ تو افراد کی اصلاح ہوتی ہے اور نہ ہی اداروں اور معاشرہ کی۔

کلمے لکھ کروڑاں تارے ولی کیتے سئے راہیں ہو
کلمے نال بجھائے دوزخ جتھے اگ بلے از گاہیں ہو
کلمے نال بہشتیں جانا جتھے نعمت سنج صباحیں ہو
کلمے جیہی کوئی ناں نعمت باہو! اندر دونہیں سرائیں ہو

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لاکھوں کروڑوں بندوں کو کلمہ طیب کے کثرت ذکر سے راہِ ہدایت حاصل ہوئی اور ان گنت افراد ''ولایت'' کے اعلیٰ مقام پر پہنچے۔

یہ کلمہ طیب ہی ہے، جس کی برکت سے جہنم کی آگ بجھتی ہے، ہم اہل ایمان کلمہ طیب کی برکت سے ہی بہشت میں جائیں گے، جہاں ہمیں صبح و شام نت نئی نعمتیں نصیب ہونگی۔

اے باہو! ''دنیا و آخرت'' دونوں جہانوں میں کلمہ طیب جیسی کوئی بھی نعمت موجود نہیں ہے۔

تشریح:

ایمان کی بنیاد ہی ''کلمہ طیب'' ہے، جب کوئی فرد اخلاص کے ساتھ کلمہ کا ورد کرتا ہے، اللہ کے ایک معبود ہونے کا زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے یقین کرتا ہے، تو وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے، اس طرح اسکے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، جب بندے نے ''لا'' کہا تو گویا اس نے اللہ واحد کے سوا ہر نقلی معبود کی نفی کی، چاہے وہ معبود نفسانی

خواہشوں کی صورت ہوں، اخلاص کے ساتھ پڑھا گیا یہ کلمہ بندے کو ہر بت کی پوجا سے نجات عطا کرتا ہے، اب بندہ پورے سکون اور یکسوئی کے ساتھ اپنے محبوب حقیقی معبود برحق کی عبادت سے لطف اندوز ہوتا ہے، ''کلمہ طیب'' ایک ایسی لازوال نعمت ہے جسکی تعریف سے قلم قاصر ہے۔

کلمے نال میں نہاتی دھوتی کلمے نال ویاہی ہو
کلمے میرا پڑھیا جنازہ کلمے گور سہائی ہو
کلمے نال بہشتیں جاناں کلمہ کرے صفائی ہو
مڑن محال تنہاں نوں جنہاں صاحب آپ بلائی ہو

ترجمہ: میں نے کلمہ طیب کے ساتھ طہارت حاصل کی اور اپنی زندگی اسی سے وابستہ کی، یہاں تک کہ کلمہ طیب کی معیت میں ہی موت نصیب ہوئی اور کلمہ طیب نے ہی قبر میں میرے ایمان کی گواہی دیکر میری قبر کو روشن کیا۔

اس کلمہ کی بدولت ہی جنت نصیب ہوگی اور یہ کلمہ ہی ہے، جو ہمیں ساری نجاستوں اور کدورتوں سے پاک و صاف کرتا ہے، اب مادیت کی طرف نفس کی واپسی مشکل ہے، اس لئے کہ جس نے کلمہ کے کثرت ذکر کو اپنا بنا لیا ہو تو وہ بس اسی اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہے گا۔

تشریح:

''کلمہ طیب'' دنیا و آخرت اور دین و دنیا کی ساری سعادتوں کا سرچشمہ ہے، کثرت سے کلمہ کا ذکر کرنے اور کلمہ پر محنت کرنے کے نتیجہ میں فرد سراپا سونا بن جاتا ہے، اور یہ عظیم کلمہ دنیا اور آخرت کے ہر موڑ پر نور کی صورت میں سامنے آکر فرد کی دستگیری کا ذریعہ بن جاتا ہے، کلمہ، سب کی نفی کر کے توحید کے عقیدہ کو راسخ کرتا ہے، کلمہ سے ایمان کی حقیقی حلاوت نصیب ہوتی ہے، کلمہ کے ذکر کی برکت سے شریعت پر عمل پیرا ہونا آسان ہو جاتا ہے۔

کن فیکون جدوں فرمایا اساں بہ کولوں ہاسے ہو
کہے ذات صفات ربے دی آہی کہے جگے ڈھنڈیا سے ہو
کہے لامکاں مکاں اساڈا کہے آن بتاں وچ پھاسے ہو
نفس پلیت پلیتی کیتی باہو! کوئی اصل پلیت تہ ناسے ہو

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے ''کن فیکون'' فرمایا تو اس وقت ہم بھی قریب ہی کہیں موجود تھے، ایک تو وہ زمانہ تھا، جب اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات کے مشاہدے میں مستغرق تھے، ایک یہ زمانہ ہے کہ اب دنیا میں آکر مشاہدہ کی اس حالت کے لئے دربدر پھرتے رہتے ہیں۔

ایک وقت تھا، جب ''لامکان'' میں ہمارا ٹھکانہ تھا، ایک یہ وقت ہے کہ جسم کے قید خانہ میں بند ہیں۔

اے باہو! ہمارے ناپاک نفس (امّارہ) نے ہمیں پلید کردیا، ورنہ اصل میں تو ہم ایسے نہ تھے۔

تشریح:

انسان کی آزمائش کیلئے نفس کی قوت اسکے ساتھ رکھی گئی ہے، جو ''روح'' جیسی جوہری قوت کو یرغمال کرلیتی ہے، جسکے نتیجے میں نفس مادّی اشیاء پر ٹوٹ پڑتا ہے، جبکہ فرد کی ''روح'' اسے محبوبِ حقیقی کی طرف کھینچتی رہتی ہے، لیکن مادّی دنیا کی لذتیں اور نت نئی رنگینیاں روح پر غالب آجاتی ہیں، انسان، بنیادی طور پر ''روح'' سے عبارت ہے، اور ''روح'' جوہری قوت ہے، اس نے ایک بار محبوب کا مشاہدہ کیا ہے، اسلئے لازوال حسن کے مشاہدے کیلئے محبوب کی طرف اسکی کشش تیز تر ہے، لیکن مادّے سے بنا ہوا نفس خود بہت زیادہ طاقتور ہے، تربیت کے غلط نظام کی وجہ سے ''روح'' پر ''نفس'' غالب آجاتا ہے، اس طرح عام طور پر انسان کے لئے دنیا کے امتحان میں سرخرو ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔

کیا ہو یا بت اوہلے ہو یا دل ہرگز دور نہ تھیوے ہو
سئے کوہاں میرا مرشد وَسدا مینوں وچ حضور دسیوے ہو
جیندے اندر عشق دی رتی اور بن شرابوں کھیوے ہو
نام فقیر تنہا ندا باہو! قبر جنہاندی جیوے ہو

ترجمہ: کیا ہوا جو میں جسمانی طور پر مرشد سے دور ہوں، دل ہرگز دور نہیں ہونا چاہیے، اگرچہ میرا مرشد سینکڑوں کوس کے فاصلے پر رہتا ہے، لیکن میں اپنے آپ کو اسکی حضوری میں محسوس کرتا ہوں۔

جس فرد میں عشق کے معمولی اجزا بھی موجود ہیں، وہ محبوب کی محبت میں مست اور مخمور رہتا ہے۔

اے باہو! فقیر تو وہ ہے جو قبر میں بھی زندہ ہے۔

تشریح:

مبتدی اور متوسط طالب کو شیخ کے ساتھ محبت کا تعلق مستحکم کرنا پڑتا ہے، اسی محبت سے طالب کے دل میں روحانیت کا ذوق شدت کے ساتھ بڑھنے لگتا ہے، مرشد چونکہ دل میں محبوب کے ذکر کا وسیع خزانے رکھتا ہے، اور اس نے اللہ کے لئے اپنے نفس کو فنا کیا ہے، اسلئے ان سے الفت کے نتیجہ میں یہ خزانے ان کے دل سے نکل کر طالب کے دل میں داخل ہوتے رہتے ہیں، اگر مرشد سے محبت کا تعلق نہیں تو روحانی فیض کی منتقلی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

طالبانِ عشق کی حالت یہ ہے کہ وہ ہر وقت محبوب کے لئے بے چین و بیقرار رہتے ہیں، یہ بیقراری ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔

کوک دلا متاں رب سنے چا درد منداں دیاں آہیں ہو
سینہ میرا دردیں بھریا اندر بھڑکن بھا ہیں ہو
تیلاں باہجھ نہ بلن مشعلاں درداں باہجھ نہ آہیں ہو
آش نال یارانہ لاکے باہو! اوہ سڑن کہ ناہیں ہو

ترجمہ: اے دلِ مضطرب! تو آہ و بکا کرتا رہ، شاید اللہ تعالیٰ درد مند دل کی آہیں اور دکھی دل کی پکار سنے۔

میرا سینہ دردِ فراق سے سرشار ہے، اندر میں آتشِ عشق کے الاؤ بھڑکتے رہتے ہیں، جسطرح تیل کے بغیر چراغ نہیں جلتے، اسی طرح دردِ فراق کی اذیت کے بغیر آہ و فغاں نہیں ہوتی۔

اے باہو! جو آگ میں ہاتھ ڈالیں، وہ جلے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں۔

تشریح:

اس شعر میں عاشقوں کی ایک بڑی نشانی بتائی گئی ہے، جس میں وہ دوسرے افراد سے نمایاں اور ممتاز نظر آتے ہیں، یہ وصف یا خاصیت انکی محبوب کے کیلئے بیقراری اور اضطراب ہے اور محبوب کے غم میں گھلتے رہنا ہے۔

تصوف کی دنیا میں داخل ہونے والے اور عشق کی دنیا میں سفر کرنے والے سالک کا محبوب کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ محبوب قدم قدم پر اسکے عشق کی آزمائش کرتا رہتا ہے، وہ اسکو اچھی طرح پرکھتا ہے کہ عشق کا دعویدار اپنے عشق میں کتنا سچا ہے، جتنا بڑا

دعویٰ، اتنی بڑی آزمائش، محبوب کے لئے عاشقوں کے شدید اضطراب کی ایک سچے طالب نے اس طرح تصویر کشی کی ہے۔

اگر محبوب کی چاہت یہ ہے کہ میں درد سے بے قابو اور بے تاب ہوتا رہوں تو اس کے چاہنے والے کی چاہت بھی اس کے علاوہ دوسری کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ ہمہ وقت اس سے آہ وزاری کرتا رہے، اس کے لئے تڑپتا رہے، اس سے رحم کی بھیک مانگتا رہے، اس کے سامنے روتا دھوتا رہے، اس کے روبرو اپنی بے بسی کا دکھڑا بیان کرتا رہے، اور اپنے عاجز وسیاہ کار ہونے کی حیثیت سے معافی وآسانی کا معاملہ فرمانے اور اپنی دربار میں حاضری کی راہ میں حائل داخلی وخارجی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے فریاد کرتا رہے۔

اگر اس کی چاہت یہ ہے کہ یہ سب کچھ کرتے رہنے کے باوجود وہ دل شکستہ (ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ) رہے، اس کے انوار سے محظوظ ہونے کے لئے بے تابانہ طور پر دل کی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہے اور مسلسل ایسا ہی کرتا رہے تو یہ بھی منظور ہے، لیکن اتنی استدعا ضرور ہے کہ وہ ایسا کرنے کے لئے عزم وحوصلہ عطا فرمائے، ایسا حوصلہ جو شکستگی سے محفوظ ہو، جس میں دوام ہو۔

یہ عاشق مزید کہتا ہے، میرے لئے دنیا بھر کے سارے دکھ کوئی حیثیت نہیں رکھتے، مجھے ایک ہی درد کھائے جا رہا ہے، جو سارے دکھوں پر بھاری ہے، یہ دکھ ایسا ہے جو مجھ پر بجلی بن کر گر رہا ہے، بلکہ اس نے میرے دل پر قیامت برپا کی ہے، وہ دکھ محبوب کی بے اعتنائی وبے نیازی کا کرب ہے، اس کرب نے مجھ سے زندگی کی ساری خوشیاں سلب کر دی ہیں، دل پر ہمہ وقت اذیت کے پہاڑ گر رہے ہیں، میرے لئے ایک ایک لمحہ انگاروں پر لیٹنے کا موجب ہو رہا ہے، دنیا کی لذتوں وراحتوں کے سارے سامان بھی اگر مجھے میسر ہو جائیں تو میرے اس دکھ ودرد کی حالت میں ذرہ برابر فرق واقع نہ ہوگا، مجھے تو صرف اور صرف محبوب کی حسن وجمال اور اس کی خوش کن ادائیں چاہئے، میرا کرب، ساری اذیت، اور سارے دکھ صرف محبوب کی اسی ادا سے دور ہو سکتے ہیں، ورنہ میری زندگی انگاروں پر لیٹنے کے مترادف رہے گی، محبوب کے لئے انگاروں پر لیٹنا بھی مجھے منظور ہے، محبوب سے یہی استدعا ہے کہ وہ مجھے استقامت نصیب فرمائے۔

عاشق اپنے درد کی کیفیات کے سلسلہ میں مزید کہتا ہے:

دنیا میں عاشق کے لئے محبوب کے انوار وتجلیات کی سلبی اور محبوب کی بے اعتنائی سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں، عاشق بظاہر چاہے کتنا بھی کہے کہ وہ محبوب کے انوار کی سلبی پر صبر کرے گا اور محبوب کے حجابات کے باوجود اپنے سفر کو جاری رکھ سکے گا، ایسا ہونا محبوب کے فضل خاص کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے کہ محبوب کے حجابات یا اس کی جلالی تجلیات کو سہنے

کے لئے جو جگر چاہیے، وہ انسان کے پاس کہاں، یہ محبوب کا فضل ہے کہ عاشق پر اس کے ظرف سے زیادہ حجابات کا بوجھ نہیں ڈالتا، محبوب اگر اپنی جلالی تجلیات کا معمولی ذرہ بھی طالب کے دل پر گرادے تو طالب کا جگر کباب ہو جائے اور اس کا دل پاش پاش ہو جائے۔

عاشق وطالب کیلئے محبوب کی شان عظمت کو دیکھتے ہوئے چوں وچرا کرنے اور لب کشائی کرنے اور اپنے لئے کچھ چاہنے کی کوئی گنجائش نہیں، سوائے اس کے کہ وہ محبوب سے اس کے رحم وکرم کی بھیک مانگتا رہے، محبوب بہت رحیم وکریم ذات ہے، اس روش سے طالب پر محبوب کی رحمتوں وانعامات کی بارش ہوتی رہے گی اور حجابات کے فوراً بعد خوشی ومسرت اور بسط کی بھی بے پناہ کیفیات وارد ہوتی رہیں گی، اس طرح طالب کا سفر خیر وسلامتی کے ساتھ ہوتا رہے گا اور وہ مسلسل محبوب کی طرف بڑھتا رہے گا، یہ ارتقا موت کے بعد بھی جاری رہے گی، موت کے بعد قیامت اور جنت میں بھی اس سفر کے ارتقائی مراحل طئے ہوتے رہیں گے۔

بس طالب کو تاکید یہ ہے کہ وہ جزع وفزع کے بغیر حوصلہ وہمت سے اپنا سفر جاری رکھے اور محبوب کے لئے وہ جتنے بھی مجاہدے کر سکتا ہے، کرتا رہے۔

طالب کو یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ محبوب کی راہ پر چلتے رہنا ہی سب سے بڑی سعادت ہے، اس سے بڑھ کر کوئی سعادت ہو نہیں سکتی، جہاں تک راہ کے مدوجزر اور نشیب وفراز کا تعلق ہے تو اس سے فرار ممکن نہیں، اس راہ میں جیسے تیسے چلتے رہنا، کبھی تیز رفتاری سے، کبھی آہستگی سے، کبھی گرنا اور گر کر پھر اٹھنا، پھر چلنے کے لئے کوشاں ہونا، کبھی تھکاوٹ کے شدید احساسات کا ہونا، کبھی چلنے کی ساری کوششوں کے باوجود چند قدم بھی آگے نہ بڑھنا، کبھی دل کا پژمردہ ہونا، اور سرور کے احساسات سے خالی ہونا، کبھی انتہائی بوجھل دل کے ساتھ چلنا اور کیفیتوں کی بحالی کی ساری کاوشوں کا ناکام ہونا اور سفر کی دشواری سے شل ہو جانا، کبھی ساری خوشیوں کا سلب ہو جانا اور قلب پر تاریکیوں کے چھا جانے کے احساس کا ہونا، کبھی محبوب کی طرف سے سارے دروازے بند کرنے کے احساس کا غالب ہونا، یہ ساری چیزیں اس بات کی علامت ہیں کہ محبوب نے طالب کو اپنی راہ میں چلنے کی سعادت عطا کی ہے، اس لئے کہ یہ ساری چیزیں اس راہ کی درمیانی علامتیں ہیں، ان علامتوں سے دل چھوٹا کرنا اور محبوب کی راہ سے دستکش ہونے کے فراری خیالات کا آنا، یہ نادانی ہے۔

طالب کو اس نکتہ کو گرہ سے باندھ لینا چاہیے، اس نکتہ کے استحضار سے انشاءاللہ طالب کے لئے ہمت وحوصلہ کے ساتھ محبوب کی راہ پر چلتے رہنا آسان ہوگا۔

طالب کا ایک اشکال یہ ہے کہ ہمت اور حوصلہ دلانے کی حد تک تو یہ ساری باتیں صحیح ہیں اور مفید بھی، لیکن محبوب کے حجابات کے وقت (جو طالب پر وقتاً فوقتاً طاری ہوتے رہتے

ہیں) طالب عملی طور پر گھٹن اور اضطراب کے جن شدید حالات سے دوچار ہونے لگتا ہے، اس وقت کی بحرانی کیفیت سے عہدہ برآ کیسے ہو، اور اس طرح کی قیامت خیزی سے وہ کیسے گزرے؟

اُس وقت طالب کو پورے استحضار کے ساتھ یہ نکتہ سامنے رکھنا چاہیے کہ دنیا میں محبوب کی جلالی تجلیات کے بغیر نفس کے تزکیہ کی صورت کا پیدا ہونا دشوار تر ہے، آخرت میں محبوب کی جلالی تجلیات کی آخری صورت جہنم اور اس کے انگارے ہیں، وہ افراد تو خوش نصیب ترین ہیں، جو تزکیہ نفس کی خاطر عرصہ تک محبوب کے جلالی صفات کے ذریعہ ترقی کے مراحل سے گزرتے ہیں، اس طرح وہ دنیا میں ہی محبوب کے جلال سے گزرتے ہیں اور موت سے پہلے مرتے ہیں اور اپنی زندگی کو بڑی حد تک دین و شریعت کے مطابق گزارنے اور اخلاق حسنہ کا حامل ہونے اور باطنی امراض سے محفوظ ہونے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

قرآن میں کافروں کے بارے میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ تو انہیں دیکھے گا اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا، گناہ گار مسلمانوں کو بھی تزکیہ کی کمی کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کے اس عتاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

کامل مرشد ایسا ہووے جیہڑا دھوبی وانگوں چھٹے ہو
نال نگاہ دے پاک کریندا وچ سجی صبون نہ گھتے ہو
میلیاں نوں کریندا چٹا وچ زرہ میل نہ رکھے ہو
ایسا مرشد ہووے باہو! جیہڑا لوں لوں دے وچ وسے ہو

ترجمہ: ''مرشد کامل'' ایسا ہونا چاہیے، جو ''طالبِ حق'' کو دنیاوی نجاستوں سے اسطرح پاک کرے، جسطرح دھوبی کپڑوں کو رگڑ رگڑ کر دھوتا اور پاک وصاف کرتا ہے، لیکن کامل مرشد، طالب کے قلب کی صفائی کیلئے کوئی صابن استعمال نہیں کرتا، بس اپنی نگاہِ کیمیا اثر سے حق کے طالب کو پاک صاف کرتا ہے اور اسکے وجود کو ایسا اجلا کر دیتا ہے کہ اسمیں ذرہ برابر بھی میل و کچیل باقی نہیں رہتی اور پھر وہ ہمیشہ صاف وشفاف رہتا ہے۔

اے باہو! مرشد کو ایسا ہونا چاہیے کہ اس کے نورانی اثرات مرید کی رگ رگ میں رچ بس جائیں۔

تشریح:

تصوف میں مرشد کی اہمیت فیصلہ کن ہوتی ہے، ''مرشد'' جسے ''عارف'' کہا جائے تو صحیح ہوگا، وہ آتشِ عشق میں عرصے تک جلنے کے بعد دوسروں میں آتشِ عشق

بھڑکانے کی صلاحیت کا حامل ہوتا ہے، مرید اپنے شیخ سے محبت کا جتنا بھی تعلق قائم رکھے گا، اسی نسبت سے اس کا دل فیض سے لبریز ہوتا جائے گا اور اسکی اپنی شخصیت میں شیخ کے اوصاف اور خصوصیات پیدا ہوتی جائیں گی، یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مرشد کی حیثیت، ''روحانی استاد'' کی سی ہے، اگر روحانی استاد کے تصور کو راسخ کرنے کیلئے ذہن اور قلب پر اسکے نقش کو غالب کیا جائیگا، (جیسا کہ بعض خانقاہوں میں کیا جاتا ہے) تو اس سے عقائد میں گمراہی پیدا ہوتی ہے، جو بالآخر افراد کو شرک تک پہنچا دیتی ہے۔ سابقہ انبیاء کی بعض قوموں میں شرک پیدا ہونے کا ایک بڑا سبب یہی تھا، اس دور میں بھی تصوف میں پیدا ہونی والی خرابیوں کا اہم سبب یہی ہے۔

انسانی نفسیات کی یہ خاصیت ہے کہ جس شخصیت یا تصویر کو ذہن اور دل میں پر غالب کیا جائے گا تو وہ تصویر یا شخصیت، نیند اور بیداری کی حالت میں نمودار ہو کر سامنے آتی ہے اور افراد کو مسحور کر دیتی ہے، اپنی اختیاری کوششوں سے تحت الشعور میں جو چیز داخل کی جائیگی، نیند یا بیداری کی حالت میں اسکے نقوش سامنے آتے ہیں، نفسیاتی نوعیت کی ایسی مشقوں اور اسکے نتائج کو عقائد کو خراب کرنے کا ذریعہ بنانا، سراسر خسارے کا سودا ہے، اس نکتہ کو سمجھنا ضروری ہے۔

رک عبادت پچھو تاسیں تیری عمرال چار دیہاڑے ہو
تھی سوداگر کرلے سودا جاں جاں ہٹ ناں تاڑے ہو
مت جانی دل ذوق منے موت مریندی رھاڑے ہو
چورال سادھاں رل پور بھریا باہو! رب سلامت چاڑھے ہو

ترجمہ: اے بندے! اب بھی وقت ہے تم اللہ کی عبادت کی راہ اختیار کرلو، تاکہ دوسری دنیا میں تمہیں پچھتانا نہ پڑے، کیونکہ دنیا کی زندگی چار دنوں کی ہے، دنیا ایک بازار کی مثل ہے، تم سوداگر بن کر اپنے سودے نمٹالو، دنیا کے بازار میں سے وہ کچھ لے لو، جس سے آگے کی منزل پر تم خسارہ سے بچ سکو، بلکہ وہاں تمہیں راحت نصیب ہو، دوسری حقیقی دنیا کی واپسی کے سفر کو دل سے ایک لمحہ کیلئے بھی فراموش نہ کرو، کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، ''موت'' کا فرشتہ کسی بھی وقت آسکتا ہے۔

اے باہو! چوروں اور سادھوؤں سے یہ دنیا کی کشتی بھری ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سلامتی سے منزل تک پہنچائے۔

تشریح:

زندگی کی ملی ہوئی مہلت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرنا، اور آخرت کی پونجی جمع کرنا ہی حقیقی دانش مندی ہے، اپنے قیمتی وقت کو مادّی مفاد اور آسائشوں کے حصول کی کوشش میں خرچ کرنا سراسر نادانی ہے، کیونکہ ہماری دنیاوی زندگی کی مثال پانی کے بلبلے کی طرح ہے، جو چند لمحوں کیلئے پانی میں ظاہر ہو کر تماشا دکھا کر بالآخر فنا ہو جاتا ہے، بلبلہ کی لمحہ کی زندگی ہمارے لئے عبرت کا موجب ہونی چاہیے، دنیا کی رنگینیوں سے فریب میں ہرگز مبتلا نہ ہونا چاہیے۔

گند ظلمات اندھیر غباراں راہ نیں خوف خطر دے ہو
مکھ آب حیات منور چشمے اوتے سائے زلف عنبر دے ہو
مکھ محبوب داخانہ کعبہ جتھے عاشق سجدے کر دے ہو
دو زلفاں وچ نین مصلے جتھے چارے مذھب رل دے ہو
مثل سکندر ڈھونڈن عاشق اک پلک آرام نہ کردے ہو
خضر نصیب تنہاندے طالع باہو، اوہ گھٹ اوتھے جا بھر دے ہو

ترجمہ: آب حیات کے چشمہ کی طرف جانے والے راستے اندھیرے کے غبار، گندگی اور خوف وخطروں سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن یہ چشمہ خود روشن اور پاک ہے اور اس پر حضور پاک ﷺ کی معطر زلفوں کا سایہ ہے، محبوب کا چہرہ مبارک خانہ کعبہ کی مثل ہے، خانہ کعبہ میں عاشق سجدے کرتے ہیں، عاشق سکندر کی طرح آب حیات کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

اے باہو! جن کا نصیب خضر علیہ السلام جیسا ہے، وہ اس چشمہ پر پہنچ کر خوب سیراب ہوتے ہیں۔

تشریح:

عشقِ حقیقی کی راہ آبِ حیات تک پہنچانے کی راہ ہے، جس سے زندگی کو دوام حاصل ہوتا ہے، جس کے ذریعہ فرد اللہ کے انوار سے فیضیاب ہوتا ہے اور فرد کو حیات جاودانی حاصل ہوتی ہے، لیکن آبِ حیات تک رسائی کی راہ میں خوفناک رکاوٹیں موجود ہیں، ان رکاوٹوں کو طئے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمت، حوصلہ اور ثابت قدمی سے اس راہ پر چلتے رہنا چاہیے، اس آبِ حیات کو حاصل کرنے کیلئے جان کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑے تو پیش کرنا

چاہیے، کیونکہ دنیا اور آخرت کی ساری سعادتیں اس آب حیات تک رسائی سے ہی وابستہ ہیں، جس نے بھی اس آب حیات تک رسائی حاصل کرلی، وہ ہر قسم کے خوف وخطر سے محفوظ ہو گیا اور وہ محبوب حقیقی کے سایہ عاطفت میں آگیا، آبِ حیات، آتشِ عشق کے ذریعہ نفسی قوتوں کو عبور کر کے، اللہ کی اطاعت کے تحت زندگی گذارنا ہے۔

گجھے سائے رب صاحب والے کجھ نہیں خبر اصل دی ہو
گندم دانہ بہتا چگیا ہن گل پئی ڈور ازل دی ہو
پھاہی دے وچ میں پئی تڑفاں بلبل باغ مثل دی ہو
غیر دلے تھیں سٹ کے باہو! رکھئے امید فضل دی ہو

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ اسرار کا ہمیں کچھ علم نہیں، ہمیں اصل حقیقت کا کوئی پتہ نہیں، ہم نے اپنے حصے کا رزق اور اناج بہت کھالیا، ازل کی جو رسی ہمارے گلے میں پڑی ہوئی ہے، اس نے دنیا کے اس قید خانہ میں ہمیں جال کی طرح چاروں طرف سے اپنے حصار میں جکڑ رکھا ہے۔

گلے میں پھانسی کا سخت پھندا لگا ہوا ہے، جس میں قید روح بلبل کی طرح آزادی کیلئے پھڑ پھڑا رہی ہے۔

اے باہو! اس دنیا میں رہ کر خود کو اسکی غلاظتوں سے محفوظ رکھنا بہت ہی مشکل کام ہے، غیر کا خیال دل سے نکال کر اللہ کے تصور کو مستحکم کرنے کے لئے اس سے اس کے فضل کی بھیک مانگنی چاہیے۔

تشریح:

دنیا میں رہ کر، اسکی فتنہ انگیزیوں سے خود کو بچانا، غیر معمولی طور پر مشکل ہے، غیر کے خیال کو دل سے نکال کر محبوب کے تصور کو راسخ کرنا، محبوبِ حقیقی کا ہو جانا، اس سے زیادہ دشوار کام اور کوئی نہیں، لیکن اللہ کے دردِ عشق کی دنیا میں چلتے رہنے کے نتیجہ میں محبوب کا فضل شامل ہو ہی جاتا ہے اور اس طرح یہ دشوار کام آسان ہو جاتا ہے، روح، محبوبِ حقیقی کے لئے سخت مضطرب ہے، بالخصوص متوسط صوفی محبوب کے لئے شدید مضطرب رہتا ہے، کثرتِ ذکر کے ذریعہ اس کی روح کی پیاس کی کچھ نہ کچھ تشفی ہو جاتی ہے۔

گودڑیاں وچ جال جنہاندی اوہ راتیں جاگن ادھیاں ہو
سک ماہی دی ٹکن نہ دیندی لوک انھے دیندے بدیاں ہو

اندر میرا حق تپایا اسان کھلیاں راتیں کڈھیاں ہو

تن تھیں ماس جدا ہو یا باہو! کھان جھلا رے ہڈیاں ہو

ترجمہ: فقیر گودڑیوں میں آدھی رات تک جاگ کر رب تعالیٰ کی عبادت کر کے زندگی گذارتے ہیں، ان درویشوں کو محبوبِ حقیقی کی حُب اور طلب، سکون سے سونے نہیں دیتی، لیکن نادان لوگ ان کو طنز اور طعنوں کا نشانہ بناتے ہیں۔

آتشِ عشق کی حرارت سے اندر کی تپش نے بے چین کر دیا ہے، اس بے چینی کی حالت میں ہم نے عرصہ تک راتیں کھڑے ہو کر گذاری ہیں۔

اے باہو! اب تو جسم سے گوشت بھی جدا ہوا اور ہڈیاں بھی چور ہونے لگیں۔

تشریح:

عاشق صادق محبوبِ حقیقی کی جن اداؤں سے آشنا ہے، وہ اسے سراپا درد آشنا بنا کر بے آرام رکھتی ہیں اور وہ طویل عرصے تک دن رات محبوب کے انوارِ حسن کو جذب کر کے نفس کی کثافتوں کو صاف کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتا ہے، اس مقصد کیلئے وہ لگاتار ذکر و فکر کے مجاہدے اور ریاضتیں کرتا رہتا ہے، یہ مجاہدے اسکے جسمانی نظام کو شل کر دیتے ہیں، ذکر و فکر کی ریاضتوں کو وجہ سے اس کی صحت بھی متاثر ہوتی ہے، وہ طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے، اس سارے حالات کے باوجود اسکے لئے یہ حالت بھی سوہانِ روح ہے کہ وہ محبوب کے ذکر سے دستبردار ہو جائے یا محبوب سے وصال کے لئے ریاضتوں میں تخفیف سے کام لے، عاشق کی یہ حالتِ زار اور یہ ادائیں دیکھ کر بالآخر محبوب اسے وصال سے فیضیاب کر ہی دیتا ہے، جب عاشق، محبوب حقیق کے لئے اپنا سب کچھ فنا کر کے، اس حالت تک پہنچتا ہے، تو محبوب اسے نئی زندگی عطا فرماتا ہے، اور نئی توانائی بھی عطا کرتا ہے۔

گیا ایمان عشقے دیوں پاروں ہو کر کافر رہئے ہو

گھت زنار کفر دا گل وچ، بت خانے وچ بہئے ہو

جس خانے وچ جانی نظر نہ آوے اوتھے سجدہ مول نہ دھریئے ہو

جاں جاں جانی نظر نہ آوے تاں کلمہ مول نہ کہئے ہو

ترجمہ: عشق کے ہاتھوں ایمان گیا، اب کافر ہو کر رہیں، گلے میں کافروں والا زنار ڈال کر بتخانے میں بیٹھیں، جس گھر میں محبوب نظر نہ آئے، وہاں سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔

اے باہو! جب تک محبوب نظر نہ آئے، کلمہ نہیں پڑھنا چاہیے۔

تشریح:

یہ شعر ''سکر'' کی حالت کا شعر ہے، عاشقوں کے اس طرح اشعار کی حقیقی روحانی تشریح کرنی چاہیے، اور ان کے ظاہری معنی نہ لیے جائیں تو بہتر ہے، عارف شاعر کہنا چاہتے ہیں کہ عشق کے ذریعے ہم نے ہر چیز کا انکار کر کے، دنیا بھر کی نفی کی راہ اختیار کر لی، اور ہر شئے کو ترک کر کے محبوب کے لئے فنا ہوئے ہیں، ہر وہ مقام جہاں نفسیات اور مادہ پرستی کے مظاہر ہوں، وہاں جانے سے احتراز کرنا چاہیے، کلمہ کی حقیقی صورت تو یہ ہے کہ ''کلمہ'' دل کی حضوری اور دل کی گہرائی سے پڑھا جائے۔

لایحتاج جنہاں نوں ہویا فقر تنہاں نوں سارا ہو

نظر جنہاندی کیمیا ہووے اوہ کیوں مارن پارا ہو

دوست جنہاندا حاضر ہووے دشمن لین نہ وارا ہو

میں قربان تنہاں توں باہو! جنہاں ملیا نبی سونہارا ہو

ترجمہ: جو افراد، اللہ کے علاوہ کسی سے کوئی احتیاج نہیں رکھتے وہ ''لایحتاج'' کے درجے پر فائز ہیں، وہی اصل میں کامل فقیر ہیں، بھلا جن کی نظر ''کیمیا'' کا اثر رکھتی ہو انہیں ''پارہ'' وغیرہ مارنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

جن کا دوست اللہ تعالیٰ ہو، اس پر دشمن کو وار کرنے اور اسے نقصان پہنچانے کا کوئی موقعہ نہیں مل سکتا۔

اے باہو! میں ان پر قربان جاؤں، جنہیں نبی کریم ﷺ کی حضوری حاصل ہے۔

تشریح:

کامل فقیروں کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اہل دنیا کے وسائل کے محتاج نہیں ہوتے، اور نہ ہی وہ اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ کرتے ہیں، انکی نگاہیں ہر وقت محبوب حقیقی کی طرف رہتی ہیں، وہ اسی پر توکل کرتے ہیں، انکی امیدوں کا مرکز اور منبع اللہ رب العالمین کی ذات ہی ہے۔

جو افراد سچی روحانیت کا خزانہ رکھتے ہوں، وہ مادی دنیا اور پتھر جمع کر کے کیا کرینگے، ان کے دل میں مادی دنیا کے دینار و درہم سے ہزار ہا درجہ زیادہ بہتر روحانیت کے ذخائر موجود ہیں، محبوب حقیقی خود انکا ساتھی ہے، ایسے افراد پریشان کیوں ہوں؟ وہ دنیا اور مالداروں سے متاثر اور مرعوب نہیں ہوتے، اسکا سبب یہ ہے کہ وہ دنیاوی دولت اور خزانوں سے مالا مال ہیں، اس روحانی دولت نے انہیں دل کا غنی بنا دیا ہے اور دل کا غنی کبھی بھی دنیاوی شہنشاہوں سے مرعوب نہیں ہوتا، نہ ہی ان سے مغلوب ہوتا ہے، انہیں فقر کی جو حلاوت حاصل ہے،

شاہوں کو اگر اس کی شد بد حاصل ہو تو وہ شاہی سے دستبردار ہو کر ان کی غلامی اختیار کریں، فقر کی یہ دولت دل کی غیروں کی فنائیت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔

لکھن سکھیوئی تے لکھ ناں جاتا کیوں کاغذ کیتوئی ضایع ہو

قط قلم نوں مار نہ جانیں تے کاتب نام دھرایا ہو

سبھ صلاح تیری ہوسی کھوٹی جاں کاتب دے ہتھ آیا ہو

صحیح صلاح تنہا ندی باہو! جنہاں الف تے میم پکا یا ہو

ترجمہ: تم نے لکھنا تو سیکھ لیا، لیکن تمہیں علم حاصل نہ ہو سکا کہ کیسے لکھا جائے، اس حالت میں آخر تم کاغذ کیوں ضایع کرتے ہو۔

تمہیں قلم کو قطع لگانا یا قلم کو تراشنا تو آتا نہیں، اس کے باوجود تم خود کو کاتب کہتے ہو، تمہاری ساری خوش خطی دھری رہ جائیگی، جب تمہیں اصلی کاتب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اے باہو! صحیح خوش خطی تو ان کی ہے، جنہوں نے ''الف'' اور ''میم'' کی مشق پختہ کرلی۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے ایسے دانشوروں اور عالموں کو جھنجھوڑا ہے، جو عمر بھر اپنی علمی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور خود کو ممتاز عالم اور دانشور کہلانے کے لیے کتابیں لکھتے رہتے ہیں اور تصنیف وتالیف کا کام کرتے رہتے ہیں، اور وہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت کا تعلق قائم کرنے اور ذکر وفکر کی طرف آنے کیلئے تیار ہی نہیں ہیں، ایسے افراد نفس شناسی اور خداشناسی سے محروم رہتے ہیں، لکھنے پڑھنے کا حاصل تزکیہ نفس ہے، اگر تصنیف وتالیف کا کام فرد کو تزکیہ نفس کے کام سے دور کردے تو ایسی تصنیف کس کام کی؟

لہ ھو غیری دھندے ہک ہل مول نہ رہندے ہو

عشق نے پٹے رکھ جڑھاں تھیں اک دم ہول نہ سہندے ہو

جیہڑے پتھر وانگ پہاڑاں آہے اوہ لون وانگو گھل وہندے ہو

عشق سوکھا لاجے ہوندا باہو! سبھ عاشق بن بہندے ہو

ترجمہ: جب بندہ ''وحدہٗ لَا شَریک لہٗ'' کا اقرار کرکے، ماسوا اللہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو دنیا کے سارے نقوش اسکے دل سے محو ہو جاتے ہیں، عشق تو مضبوط درختوں کو

بھی جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے، جو پتھر پہاڑوں کی طرح سخت ہیں، وہ بھی حقیقی عشق کے سامنے نمک کی طرح گھل جاتے ہیں، اور ان سے پانی بہنا شروع ہو جاتا ہے۔

اے باہو! اگر عشق کی راہ اتنی آسان ہوتی تو سارے ہی لوگ عاشق بن کر بیٹھے ہوتے۔

تشریح:

عشق کی دنیا میں داخل ہو کر اپنے اوپر کلمہ کے رنگ کو غالب کرنے والے عاشقوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا ومافیھا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، وہ وقت کو فضول کاموں میں ضایع کرنے کے متحمل نہیں ہوتے، انکا ایک ایک لمحہ محبوب کی رضا کے حصول کی کوششوں میں صرف ہوتا ہے، ایسا علم اور ایسی کتابیں جو محبوب حقیقی کی محبت اور عشق کی کیفیات کو بڑھانے اور محبوب سے تعلق مستحکم کرنے میں معاون نہ ہوں، عاشق ایسے علم اور کتابوں کو اہمیت نہیں دیتے، محبوب سے عشق نے ان کیلئے ہر چیز کا ایک خاص پیمانہ متعین کیا ہے، وہ پیمانہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو محبوب سے دور کرلے، وہ مسترد ہے، ''عشق'' ایک عظیم طاقت ہے، عشق سے پتھر بھی زیادہ سخت دل کے حامل افراد کی زندگی بدل جاتی ہے، لیکن عشق کی راہ کوئی آسان راہ نہیں ہے، اس کے لئے مسلسل مجاہدوں کی ضرورت ہے، جب تک نفس کی قوتیں فنا نہیں ہوتی، تب تک عشق میں مسلسل مجاہدوں سے کام لینا پڑتا ہے، اگرچہ بعد میں یہ مجاہدے آسان ہو جاتے ہیں اور مزاج کا حصہ بن جاتے ہیں۔

لوک قبر دا کرسن چارا لحد بناون ڈیرا ہو

چٹکی بھر مٹی دے پاسن کر سن ڈھیرا چیرا ہو

دے درود گھراں نوں ونجن کوکن شیرا شیرا ہو

بے پرواہ درگاہ رب دی باہو! نہیں فضلاں باہجھ نبیڑا ہو

ترجمہ: لوگ مرنے والے کی میت کو دفنانے کیلئے قبر کی تیاری کرتے ہیں، لحد کو میت کا ٹھکانا بنا کر وہاں دفن کرتے ہیں، پھر وہاں موجود لوگ ایک ایک مٹھی مٹی کی قبر پر ڈال کر قبر کو تھوڑا سا اونچا کرتے ہیں، پھر سارے لوگ دعائے خیر کرکے اپنے گھر لوٹتے ہیں، حلوے کی پکار مچتی ہے، ساتھ ہی مرنے والے کے اوصاف اور خوبیاں بھی بیان کی جاتی ہیں۔

اے باہو! اللہ تعالیٰ کی ذات بے پرواہ ہے، مرنے والے کی نجات، قبر کی اونچائی، یا لوگوں کی بیان کی ہوئی خوبیوں سے نہیں ہوگی، بلکہ نجات کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہی وابستہ ہے۔

تشریح:

اللہ والے دوسروں کی بنسبت اللہ سے زیادہ ڈرتے ہیں، انہیں یہ خوف دامنگیر ہوتا ہے کہ محبوب کہیں ان کے ذکر وفکر کے مجاہدوں کو مسترد نہ کردے، کیونکہ اس کی ذات بے نیاز وبے پرواہ ہے، اسکی شان عظیم اور بلندے ہے، اگر فرد اپنی پوری زندگی انکی عطا کی ہوئی ایک نعمت کی شکر کی ادائیگی میں خرچ کرے تو بھی اسکا شکر ادا نہ ہو (اس کی طرف سے شب وروز میں بے شمار نعمتیں عطا ہوتی ہیں، فرد گننا چاہے تو گن بھی نہ سکے۔)

موت کے بعد بندے کا کیا حشر ہوگا، اس سلسلے میں دوسروں سے زیادہ اللہ والے متفکر اور بے چین رہتے ہیں، وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اسکے فضل کے طلبگار رہتے ہیں، چونکہ وہ اللہ کی شان عظمت کا قریب سے مشاہدہ کرتے ہیں، اس لئے وہ محبوب کی ہیبت سے کانپتے رہتے ہیں۔

لوہا ہو ویں، پیا کٹیویں تاں تلوار سدیویں ہو کنگھی وانگوں پیا
کنگھی وانگوں پیا چریویں تاں زلف محبوب پھر یویں ہو
مہندی وانگوں پیا گھوٹیویں تاں تلی محبوب رنگیویں ہو
وانگ کپاہ پیا پنجیویں تاں دستار سدیویں ہو
عاشق صادق ہوویں باہو! تاں رس پریم دی ہویں ہو

ترجمہ: اگر تم (انسان کے بجائے) ''لوہا'' ہوتے تو تب تک کارآمد نہ ہوتے جب تک تمہیں آگ میں تپا کر ہتھوڑے سے ضرب لگا کر، تلوار کی شکل میں ڈھالا نہ جاتا، (تب کہیں تلوار کہلانے کے حقدار ہوتے۔)

(اگر تم لکڑی ہوتے) جب تمہیں چیر کر، دندانے بنا کر کنگھی کی شکل دی جاتی، تب کہیں جا کر تم محبوب کی زلف سنوار سکتے، مہندی کی طرح پیس کر باریک کیا جاتا، تب کہیں جا کر محبوب کے ہاتھ رنگنے کے قابل ہوتے۔

روئی کی طرح دھنکا جاتا، دھاگا بنا کر کپڑا بنتا، تب تم دستار کہلانے کے مستحق ہوتے۔

اے باہو! سچے عاشق کو ان قربانیوں کے بعد ہی محبوب کا وصال نصیب ہوتا ہے۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے عشق کی راہ میں سفر کے دوران عاشق کو جن مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کر کے اضطراب کے انگاروں پر چل کر فنائیت کے درجے تک رسائی ہوتی ہے، اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

محبوب حقیقی کے عشق کی راہ کوئی آسان راہ نہیں، اس کے لئے ہر سکھ کو ترک کر کے، لذت کی ہر چیز سے دستبردار ہونا پڑتا ہے، روزانہ محبوب کے تیر برداشت کرنے پڑتے ہیں، محبوب کے ہیبتناک جلال سے گذرنا پڑتا ہے، کیونکہ نفسی قوتیں بہت ہولناک ہوتی ہیں، اذیتناک تیروں سے گذرے بغیر وہ مطیع نہیں ہوتیں، اس لئے عاشق کو خالص محبوب کا بنانے کیلئے روزانہ عشق کی بھٹی میں جلا کر پامال کر کے نئی زندگی دی جاتی ہے، یعنی اسے جلالی صفات سے گذار کر، جمالی صفات کی تجلیات میں لایا جاتا ہے، عشق کی تلوار اور عشق کا تختۂ دار عاشق کے لئے روزانہ تیار رہتے ہیں۔

محبوب تک رسائی آسان نہیں، اس کیلئے روزانہ طالب صادق کو آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے، محبوبِ حقیقی، طالب کو سخت ترین مرحلوں سے گذار کر ''نفسِ مطمئنہ'' کے درجے پر فائز کرتا ہے، طالب صادق جب محبوب کے تیر برداشت کر کے، ذبح ہونے کیلئے تیار ہو جاتا ہے، پھر کہیں جا کر طالب کو محبوب کی طرف سے امتحان میں کامیابی کی سند ملتی ہے۔

"موتو" والی موت نہ ملسی جیں وچ عشق حیاتی ہو
"موت" "وصال" تھسی ہکو، جدوں اسم پڑھیسی ذاتی ہو
عین دے وچوں عین جو تھیوے دور ہو وے قربانی ہو
"ھو" دا ذکر ہمیشہ سڑیندا باہو! دیہاں سکھ نہ راتی ہو

ترجمہ: جس عاشق نے ''مُوتُو قَبل ان تَمُوتُوا'' والی موت کو حاصل نہیں کیا، گویا اس نے عشق کی راہ میں کچھ بھی حاصل نہیں کیا، کیونکہ اس موت میں عشق کی جاودانی زندگی پوشیدہ ہے۔

''موت'' اور ''قرب الٰہی'' ایک ہی چیز ہے، یہ منزل اسم ذات کے ذکر سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، جب عین میں عین دکھائی دے، تب بندہ فنا فی اللہ، اور بقا باللہ ہو جاتا ہے، اس مقام پر پہنچ کر سچے عاشق کو قربت اور قرابت کا درجہ بھی معمولی لگتا ہے۔

اے باہو! ہمیں تو اللہ (ھو) کا ذکر اور آتش عشق ہمیشہ جلاتی رہتی ہے، اس لئے نہ دن کو آرام میسر ہے، نہ رات کو چین وسکون ملتا ہے۔

تشریح:

عارف شاعر نے یہاں بھی وہی بات دہرائی ہے، عارف کی زندگی کا ایک طویل عرصہ محبوب کیلئے بے چینی میں گذرتا ہے، ذکر و فکر کے مجاہدوں کے ذریعے وہ جیسے جیسے محبوب کی طرف بڑھتا ہے، اسی حساب سے محبوب اس کے ساتھ بے نیازی اور بے پرواہی والی روش اختیار کرتا ہے، اس بے پرواہی کا مطلب، محبوب کی طرف سے اسکو یہ پیغام دینا ہے کہ نفس کی قوتوں کی موجودگی میں، محبوب کا قرب اور وصال حاصل ہو سکے، یہ ممکن نہیں، محبوب کے حصول کیلئے ''نفس'' سے مکمل طور پر دستبردار ہونا ضروری ہے۔

نفسانی قوتوں کی بناوٹ اور ساخت کچھ اس نوعیت کی ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ پیچھا نہیں چھوڑتیں، اسلئے انہیں روزانہ جلال کے انگاروں سے داغا جاتا ہے، اور پامال کیا جاتا ہے۔

مرشد وانگ سنارے ہو وے جیہڑا گھت کٹھالی گالے ہو
پاکٹھالی باہر کڈھے بندے گھڑے یا والے ہو
کنیں خوباں دے تدوں سہاون جدوں گھٹے پا اجالے ہو
نام فقیر تنہا ندا باہو! جیہڑا دم دم دوست سنبھالے ہو

ترجمہ: کامل مرشد کو صراف یا سنار کی طرح ہونا چاہیے جو مرید کو سونے کی طرح کٹھالی میں ڈال کر گلا کر پگھلا کر، اس میں سے سارا میل کچیل نکال کر صاف کرے، اس طرح سونے کو صاف اور خالص کر کے کٹھالی سے نکالنے کے بعد یہ مرشد کی مرضی ہے کہ اس سونے سے یا بالیاں بنائے، لیکن یہ زیور خوبصورت کانوں (اور گلے میں) میں تب سجیں گے، جب مرشدان کو پالش کے مرحلے سے گذار کر اجلا بنائے۔

اے باہو! فقیر تو وہ ہیں، جو ہر سانس کے ساتھ اپنے محبوب کو یاد کرتے ہیں۔

تشریح:

مرشد کا کام یہ ہے کہ وہ سچے طالب کی اسطرح تربیت کرے کہ اسکے باطن میں موجود ساری کثافتیں اور غلاظتیں صاف ہوں اور وہ سراپا سونا بن کر خالص محبوب کا بن جائے اور سیرت و کردار میں انسانیت کا جوہر ثابت ہو، اگر مرشد ایسا نہیں کرتا تو وہ مرشد خام ہے، یا پھر طالب خام ہے۔ جو مرشد، طالب کو راہ سلوک میں طویل عرصہ تک چلائے بغیر خلافت کی مسند پر فائز کرتا ہے وہ طالب کو بہت بڑی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، وہ آزمائش یہ

ہے کہ حالت فنا سے نکل کر حالت بقا میں آئے بغیر وہ بزرگی کی دعویٰ کی راہ پر گامزن ہونے لگتا ہے، جس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

مرشد مینوں حج مکے دا رحمت دا دروازا ہو
کراں طواف دوالے قبلے نت ہو وے حج تازہ ہو
کن فیکوں جدوں دا سنیا ڈٹھا مرشد دا دروازا ہو
مرشد سدا حیاتی والا باہو! اوہو خضرتے خواجہ ہو

ترجمہ: میرا کامل مرشد میرے لئے حج کے مثل ہے اور اسکی ذات میرے لئے رحمت کا باعث ہے، میں اس کے قبلے کا طواف کرتا رہوں تو میرا حج تازہ ہوتا رہے، جب میں نے ''کن فیکون'' کی صدا سنی، اس وقت ہی میں نے مرشد کا مشاہدہ کیا۔

اے باہو! میرا کامل مرشد حیات جاودانی کی حامل شخصیت ہے، میرے لئے وہ گویا خضر ہے۔

تشریح:

یہاں مرشد کی تعریف میں مبالغے سے کام لیا گیا ہے، جس سے اسلامی شریعت کا تقدس مجروح ہوتا ہے، صوفیوں اور عاشقوں کے ہاں مرشد کی حیثیت اس لئے اہمیت کی حامل ہے کہ مبتدی طالب، جو محبوب حقیقی کے عشق کی دولت سے سراسر ناآشنا ہے، مرشد اسے انگلی پکڑ کر عشق کی راہ پر چلاتا ہے اور عشق کے مشکل اور صبر آزما مراحل سے گذار کر، منزل تک پہنچاتا ہے، مرشد کی صحبت اور رہنمائی کے سوا، اپنے طور پر راہِ راہ سلوک طے کرنا نہ صرف مشکل ہے، بلکہ انتہائی دشوار ہے، مرشد طالب کو پیش آنے والی مشکلات سے نکلنے کا راستہ بتاتا ہے، نفس کا درندہ جب نگلنے کو تیار ہو تو مرشد اسے بچ نکلنے کی ترغیب دیتا ہے، وہ اپنی روحانی قوت اور فیض نظر سے کام لے کر مرید کو بحرانی حالت سے نکالتا رہتا ہے اور قدم قدم پر اس کے لئے صحیح راستے کی سمت متعین کرتا ہے اور مرید کے ذوق و شوق کی حالت کو کمزور ہونے نہیں دیتا، وہ عشق کی مدہم چنگاری کو بڑھا کر شعلے بناتا ہے۔

موجودہ دور کے خام مرشد، باقائدہ سلوک چلائے بغیر طالبوں کو جس طریقے سے خلافتوں سے نواز رہے ہیں، عارف شاعر اس کی نفی کرتے ہیں، کیونکہ غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر خلافت دینے کا مطلب ہے، طالب کو نفس پرستی کی قوتوں کے حوالے کرنا اور مریدوں کے مال پر عیش و عشرت کرنا، نااہل افراد کو خلافت دینا، امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔

مرشد کامل اوہ سہڑیئے جیہڑا دو جگ خوشی وکھاوے ہو
پہلے غم ٹکڑے دا میٹے وت رب دا راہ سمجھاوے ہو
اس کلر والی کندھی نوں چا چاندی خاص بناوے ہو
جس مرشد ایتھے کجھ نہ کیتا باہو اوہ کوڑے لارے لاوے ہو

ترجمہ: ایسے کامل مرشد کی صحبت اختیار کرنی چاہیے، جو مرید کو دونوں جہانوں کی خوشیوں سے بہرہ ور کر سکے۔

اول وہ طالب کو توکل کا سبق دیکر، اسے رزق کی فکر سے آزاد کرتا ہے، اس کے بعد وہ اسے اللہ کی راہ پر ثابت قدمی سے چلنا سکھاتا ہے۔

مرشد ایسا کامل ہو، جو مرید کے ناتواں وجود کی خستہ اور کمزور دیوار کو خالص چاندی کا بنادے۔

اے باہو! جو مرشد اپنے مرید کے لئے اس دنیا میں کچھ نہ کر سکے تو جان لو کہ وہ جھوٹی تسلیاں دیتا ہے، (اور وہ خام صوفی ہے۔)

تشریح:

اس شعر میں مزید تفصیل بیان کی گئی ہے کہ مرشد وہ ہوتا ہے، جو طالب کو اس ملعون دنیا کی حرص وترغیب سے بچا کر، محض اللہ کیلئے جینے کا ملکہ سکھائے اور مریدوں کو ''دولت اور دنیا'' کے حصول کا ذریعہ نہ بنائے، مرشد وہ ہے، جو طالب کو زہد وفقر کا رستہ دکھائے، مرشد وہ ہے، جو طالب کو محبوب حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے سوا ہر چیز سے دستبردا ہونے کا سلیقہ سکھائے، مرشد وہ ہے، جو طالب کو سونے طرح صاف وشفاف بنائے اور اس میں خالص محبوب کے لئے جینے کی استعداد پیدا کرے، ایسا مرشد جو طالب کو کھڑا سونا نہ بنا سکے، عشق کی بھٹی میں جلا کر کندن نہ بنا سکے، دنیا کی غلاظتوں سے اوپر نہ اٹھا سکے، وہ حقیقی مرشد ہرگز نہیں ہو سکتا۔

مرشد میرا شہباز الاہی ونج رلیا سنگ حبیباں ہو
تقدیر الاہی چھکیاں ڈوریاں کداں ملسی نال نصیباں ہو
کوڑھیاں دے دکھ دور کریندا کرے شفا مریضاں ہو
ہر ہک مرض دا دارو تو نہیں باہو! کیوں گھتنائیں وس طبیباں ہو

ترجمہ: میرا کامل مرشد اللہ کا شہباز ہے، جو توفیق الٰہی سے حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہوا، تقدیر الٰہی کی ڈوریوں میں ہم جکڑے ہوئے ہیں، دیکھیں کب مقدر سنورتا ہے اور معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے؟

میرا کامل مرشد تو اللہ کے حکم سے مریضوں کو شفا دیتا ہے، اور کوڑھیوں کے بھی دکھ دور کرتا ہے۔

اے میرے کامل مرشد، میرے ہر روحانی دکھ درد اور مرض کا علاج تمہارے پاس ہے، پھر تم کیوں مجھے دوسرے طبیبوں کے سہارے چھوڑتے ہو۔؟

تشریح:

اس شعر میں راہِ سلوک کے متوسط طالب کی حالتِ زار کی عکاسی کی گئی ہے، جو عشق کی راہ پر چلتے ہوئے مرشد کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھتا ہے کہ وہ اسے فیضِ نظر سے مزید نوازے، تاکہ وہ آتش عشق کی بھڑکتی ہوئی بھٹی سے جلد نکل سکے۔

جسطرح ذہین طالب علم شفیق استاد کے فیض سے بہرہ ور ہونے کیلئے استاد کی توجہات کا منتظر رہتا ہے، اسی طرح روحانی طالب بھی مرشد سے امیدیں رکھتا ہے، بلکہ روحانی دنیا اور راہِ سلوک میں طالب کی مرشد سے زیادہ امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، وہ اپنی توجہات، صحبت اور دعاؤں سے مسلسل اس کی روحانی ارتقاء کا ذریعہ بنتا ہے، اور طالب جب بھی نفسی قوتوں اور مادی حالات سے زیر وزبر ہوتا ہے، مرشد اسے تسلی دے کر اسے ان حالات سے اوپر اٹھاتا ہے۔

مرشد مکہ تے حاجی طالب کعبہ عشق بنایا ہو
وچ حضور سدا ہر ویلے کریئے حج سوایا ہو
ہک دم میتھوں جداناں ہووے دل ملنے تے آیا ہو
مرشد عین حیاتی باہو! میرے لوں لوں وچ سمایا ہو

ترجمہ: مرشد سکے کی مثل ہے، تو طالب حاجی ہے، جب کہ عشق کی حیثیت کعبہ کی سی ہے، طالب کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ ہر وقت حضوری کی کیفیت میں رہنے لگتا ہے۔

مرشد سے اس حضوری کی کیفیت کی وجہ سے وہ مجھ سے ایک پل کے لئے بھی جدا نہیں ہے۔

اے باہو! مرشد کامل میری زندگی بن کر میری رگ رگ میں شامل ہو گیا ہے۔

تشریح:

ان اشعار کے ظاہری معنی کو دیکھنے کی بجائے اسکے اصل مفہوم کو دیکھنا چاہیے، عارف شاعر کا کہنا ہے کہ مرشد کی طویل عرصہ کی صحبت نے مجھے میل کچیل اور کدورتوں سے پاک صاف کر دیا ہے، اب میں خالص محبوب حقیقی کا بن گیا ہوں، اب میرا حج رسمی نوعیت کا نہیں رہا، بلکہ یہ حج میرے لئے محبوب حقیقی تک رسائی کا ذریعہ بن چکا ہے، اب میری نماز روایتی نوعیت کی نماز نہیں رہی، بلکہ یہ نماز اب محبوب سے میلاپ کا باعث بن گئی ہے۔

مرشد نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ میرے اور محبوب کے درمیان نفس پرستی کے جو بت اور حجابات حائل تھے، ان بتوں کو توڑ کر مجھے خالص محبوب کا بنا دیا ہے۔

مرشد وسے سئے کوہاں تے مینوں دسے نیڑے ہو
کہ ہو یا بت اوہلے ہو یا پراوہ وسے وچ میرے ہو
جنہاں الف دی ذات صحیح جا کیتی اوہ رکھدے قدم
"نَحْنُ اَقْرَبُ" کہہ لیوسے باہو جگھڑے کل نبیڑے ہو

ترجمہ: میرا کامل مرشد سینکڑوں کوس کے فاصلے پر ہونے کے باوجود مجھے بالکل نزدیک دکھائی دیتا ہے۔

محبوب سے میں دور رہوں یا نزدیک، ان فاصلوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ میرے دل میں رہتا ہے۔

جنہوں نے ''الف'' کی ذات کو، یعنی اسم ذات ''اللہ'' کو دل میں بسا لیا، وہ اپنی منزل کی طرف تیزی سے گامزن ہیں۔

اے باہو! جنہوں نے ''نحن اقرب'' (ہم انکے قریب ہیں ق-م) کی حقیقت کو جان لیا، وہ ہر مشکل سے پار ہو گئے۔

تشریح:

اس شعر میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ مرشد دور ہونے کے باوجود میرے قریب ہے، یہ بات نفسیاتی طور پر مسلمہ ہے کہ فرد جس سے والہانہ محبت کرتا ہے، اس کی شخصیت اس کی نظروں کے سامنے آتی رہتی ہے، یہاں تک کہ زیادہ تر خواب میں بھی اس کا عکس نظر آنے لگتا ہے، محبت میں جب غیر معمولی طور پر اضافہ ہو جائے تو وہ افراد کو ایک دوسرے میں ضم کر دینے کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے، محبت کی یہ عجیب تاثیر ہے کہ جب مرید

کے دل میں مرشد کے لئے اس قسم کی محبت پیدا ہو جائے تو اس پر مرشد کی روحانیت غالب ہو جاتی ہے، اس طرح مرید کے لئے روحانیت کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔

یہاں دوسرا نکتہ یہ بیان ہوا ہے کہ اسم ذات کا ذکر طالب کو مسلسل آگے بڑھاتا ہے، ''اسم ذات'' کے ذکر سے طالب تیز رفتاری سے روحانی ارتقا کے مراحل طے کرتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اسے خود اس بات کا ادراک نہ ہو کہ روحانی سفر میں ترقی کے مراحل طے ہو رہے ہیں، منزل کی طرف پیش رفت ہو رہی ہے، (جسطرح ایک بچے کو اپنے قد و قامت اور عمر کے بڑھنے کا ادراک نہیں ہوتا)۔

یہاں پر فنا فی الشیخ کے مقام والی حالت کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، اس مقام پر سالک کو شیخ کے ساتھ والہانہ محبت ہوتی ہے، مرشد کے بغیر وہ رہ نہیں سکتا، ذکر و فکر کے ساتھ اسے شیخ کی یاد بھی ستاتی رہتی ہے، شیخ کا تصور اس کے لئے محبوب کی یاد کا ذریعہ بنتا ہے۔

شعر کے دوسرے حصے میں شاعر کہتا ہے، جو طالب ''اسم ذات'' کا ذکر کرتا ہے، اسکا روحانی سفر تیزی سے طے ہوتا ہے، اس پر انوار الٰہی کی ایسی برسات ہوتی ہے کہ پھر وہ ذکر کے بغیر رہ نہیں سکتا، وہ مسلسل آگے بڑھتا رہتا ہے، اسم ذات کا ذکر اسے حسن کردار کا صاحب بھی بناتا ہے۔

یہاں فنا فی الشیخ کے تصور کے سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ''شیخ کو خدائی صفات میں شامل کرنے کیلئے خانقاہ میں مصنوعی نظام تشکیل دینا، یہ افراد کو شرک کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنتا ہے، اسلئے کامل بزرگوں نے ہمیشہ اپنے مریدوں کو اس بات سے روکا ہے کہ وہ مرشد کے تصور کی مشق کریں یا اس کے خیال کو اپنے دل میں راسخ کرنے کی کوشش کریں، اگر بزرگ سے محبت کے زیر اثر خود بخود بزرگ کا تصور آتا ہے تو اس سے خیالات کا انتشار رک جاتا ہے اور ذکر کے لئے دل کی یکسوئی میں مدد ملتی ہے۔

بعض مفسروں کے مطابق قرآن میں بعض مشرک قوموں (بالخصوص حضرت نوح علیہ السلام کی قوم) کے ذکر میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ وہ عبادت میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کی خاطر اپنے فوت شدہ برگزیدہ شخصیتوں کے بت بنا کر انکی پوجا کرتے تھے، بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ شروع میں انکا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بزرگوں کی تصویر کو سامنے رکھنے سے ذکر میں یکسانیت پیدا ہو گی، اس لئے ''فنا فی الشیخ'' کا ایسا تصور جسمیں بزرگ کے قصیدے پڑھے جائیں، انکی تعریف میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ بزرگ کو خدائی صفات کا حامل قرار دیا جائے، ایسا کرنا تصوف اور خانقاہوں کو شرک کی طرف لے جانے کا باعث بن جاتا ہے۔

مرشد ھادی سبق پڑھایا بن پڑھیوں پیا پڑھیولے ہو

انگلیاں وچ کناں دے دتیاں بن سُنیو پیا سُنیولے ہو

نین نیناں ول تر تر تکدے بن ڈٹھتیوں پیا دسیوے ہو

باہو! ہر خانے وچ جانی وسدا کن سر اوہ رکھیوے ہو

ترجمہ: میرے کامل مرشد نے مجھے یادِ الٰہی کا سبق کچھ اس طرح پڑھایا ہے کہ پڑھے بغیر ہی یہ سبق پڑھا جارہا ہے، اگر کان بند کروں تو بھی اللہ کے ذکر کا یہ سبق سنائی دیتا ہے، میرے دل کی آنکھیں محبوب کا اس طرح مشاہدہ کررہی ہیں کہ بغیر کوشش کے ازخود مشاہدہ کا یہ عمل جاری ہے۔

اے باہو! ہر جگہ محبوب کا بسیرا ہے، میرے ذہن، آنکھوں، کانوں، سر اور دل پر اس ذاتِ الٰہی کا قبضہ ہے۔

تشریح:

جب ذکر میں ملکہ حاصل ہوجاتا ہے تو ''دست بکار، دل بیار'' کی حالت ہوجاتی ہے، (یعنی ہاتھ کام میں اور دل محبوب کے ساتھ) یہ بڑی سعادت کی بات ہے، یہ سعادت ذکر میں مسلسل مجاہدوں کے نتیجے میں ہی حاصل ہوتی ہے، ذکر کا دوسرا بڑا فائدہ جس سے طالب کا دل خوشی سے سرشار ہوجاتا ہے، وہ یہ ہے کہ عاشق محبوب کے انوارِ حسن سے فیضیاب ہوتا رہتا ہے، جس سے اسکے سارے درد و غم دور ہوجاتے ہیں۔

مرشد باجھوں فقر کماوے وچ کفر دے بڑے ہو

شیخ مشائخ پیو بہندے حجرے غوث قطب بن اڈے ہو

تسبیحاں نپ بہن مسیتی جویں موش بہندا وڑ کھڈے ہو

رات اندھیاری مشکل پینڈا باہو! سئے سئے آون ٹھڈے ہو

ترجمہ: جو فرد کامل مرشد کے بغیر فقر کے راستے کو اختیار کرتا ہے، وہ گمراہ ہوکر کفر کی راہ اختیار کرے تو کوئی شک نہیں، اس طرح بہت سارے افراد شیخ و مشائخ بن کر حجرے میں بند ہوکر خود کو غوث و قطب سمجھ کر غرور اور دعویٰ کی راہ پر گامزن ہونے لگتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو معرفت کے بلند مقام پر فائز سمجھنے لگتے ہیں، کچھ افراد ہاتھ میں تسبیح لے کر مسجد میں یوں بیٹھ جاتے ہیں، جیسے کوئی چوہا اپنے بل میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے۔

اے باہو! یہ روحانی دنیا ایک اندھیری رات کی مثل ہے، اس میں مرشد کی روشنی (رہنمائی) کے بغیر سفر کرنا مشکل ہے، اس کے بغیر قدم قدم پر بھٹک جانے کا خطرہ ہے۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ نفسانی قوتوں کے جنگل میں تن تنہا سفر کرنا، خود کو اس جنگل کے درندوں کے حوالے کرنا ہے، کیونکہ اس وسیع جنگل میں جہاں جانور، جانور کی شکل میں رہتے ہیں، وہاں یہ درندے انسانی شکل اور بزرگی کی شکل میں بھی رہتے ہیں۔

صحیح راہ سے ناواقفیت کی وجہ سے جنگل کا سفر مکمل ہونے سے پہلے ہی کچھ افراد یا تو ظاہری درندوں کی نذر ہوجاتے ہیں یا کچھ افراد بزرگی کے روپ میں پیر اور مرشد بن کر لوگوں کو دھوکہ دینے لگتے ہیں، تسخیر قلوب کے وظائف سے کام لینا، نگاہوں کی ایک مرکزی نکتہ پر مشقوں کے ذریعے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانا، دنیا کی ہر طرح کی آسائشوں سے متمتع ہونے کے لئے کوشاں ہونا، خادموں کے گھیرے میں رہنا وغیرہ، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو ان کا مشغلہ ہوتا ہے، اس سے ان کا مقصود دنیا کا حصول اور حب جاہ ہوتا ہے، اس لئے اے طالب صادق! تمہیں چاہیے کہ اس طرح کی ساری خواہشات کو پامال کرنے اور نفسی قوتوں کی فنائیت کے لئے ایسے رہبر کی صحبت و معیت اختیار کرو، جو اس گھنے جنگل میں موجود ہر طرح کے درندوں کے حملوں سے بچاؤ کے لئے ڈھال کی صورت بن سکے، جو خود زہد و فقر کا صاحب بھی ہو، اور مادہ اور مادہ پرستی کی قوتوں کو شکست دے چکا ہو۔

مال تے جان سب خرچ کراہاں کریئے خرید فقیری ہو

فقر کنوں رب حاصل ہو وے کیوں کیجئے دلگیری ہو

دنیا کارن دین و نجاون کوڑی شیخی پیری ہو

ترک دنیا تھیں قادری کہیتی باہو! شاہ میراں دی میری ہو

ترجمہ: مال اور جان سب خرچ کرکے فقیری کو خرید کرنا چاہیے، اس خریداری پر دلگیر ہرگز نہ ہونا چاہیے، یہ نقصان کا کا سودا نہیں ہے، کیونکہ فقر ہی سے اللہ سے ملاتا دین اور بزرگی کے روپ میں دنیا ''پیری'' اور ''شیخی'' یہ سب دھوکہ اور فریب ہے۔ اے باہو! ہمارے کامل مرشد ''شیخ عبدالقادر جیلانی'' رحمتہ اللہ علیہ نے دنیا سے دستبرداری اختیار کرکے سرداری اور امیری حاصل کی۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر ایسے پیروں اور مرشدوں کو بزرگ ماننے کے لئے تیار ہی نہیں، جو دنیاوی شان وشوکت سے زندگی گذارتے ہیں، جنکی معاشرتی زندگی مالداروں اور شاہوکاروں جیسی ہے۔ اللہ والوں کو تو سب سے زیادہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ وہ دولت ومال اور ٹھاٹھ باٹھ والی زندگی سے بچیں، اور دنیاداروں کی دوستی سے بھی احتراز کریں ''زہد'' اور ''فقر'' یہی اکابر بزرگوں کا طرہ امتیاز رہا ہے، حقیقی بزرگوں کی یہی شان رہی ہے، وہ اسی سے پہنچانے جاتے ہیں، وہ ''فقر'' کے معاملے میں کسی بھی مصالحت کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ اکابر بزرگوں کے زندگی میں سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت جو ان کی امتیازی شان ہے، وہ فقر کی زندگی ہے، افسوس ہے کہ آجکل بزرگی کا معیار ہی بدل گیا ہے، آج بزرگ اسی کو سمجھا جاتا ہے، جو مالدار ہو، جو بنگلوں میں رہتا ہو اور بڑی بڑی گاڑیاں رکھتا ہو اور جس سے ملنا دشوار ہو، نیز جو پہرے میں رہتا ہو، جس کی دور سے زیارت ہوتی ہو۔ اس دور میں تصوف واہل تصوف کو پیروں کی اسی مالدارانہ زندگی نے ہی سب سے زیادہ متنازع بنادیا ہے اور جدید طبقات کو اہل تصوف سے دور کردیا ہے، جس کی وجہ سے حقیقی اہل تصوف (جو صاحب فقر وزہد ہیں) سے استفادہ کی راہیں مسدود ہوتی جارہی ہیں۔

میں کوہجی میرا دلبر سوہنا، میں کیونکر اس نوں بھانواں ہو

ویہڑے ساڈے وڑدا ناہیں ، پئی لکھ وسیلے پانواں ہو

ناں میں سوہنی ناں دولت پلے کیونکر یار منانواں ہو

ایہہ دکھ ہمیشاں رہسی باہو! روندڑی ہی مرجاوانواں ہو

ترجمہ: میں حسن سے محروم ہوں، جب کہ میرا محبوبِ حقیقی حسن کا صاحب ہے، میں اس کے لئے کس طرح قابل قبول ہوں، کیونکہ حسن سے محروم فرد کو کوئی پسند نہیں کرتا، میں نے بہت کوشش کی، لاکھ حیلے کئے، لیکن مجھے محبوب کا قرب حاصل نہ ہوسکا۔ میں نہ تو حسین ہوں، نہ صاحب حال، اس صورت میں محبوب کا قرب کیسے حاصل ہو۔

اے باہو، محرومی کا یہ احساس ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں محبوب کے فراق میں روتے ہوئے مرجاؤں؟

تشریح:

عاشق، راہ محبت میں جتنا بھی آگے بڑھتا رہتا ہے، عشق کے جتنے بھی مقامات تک اسکی رسائی ہوتی جاتی ہے، اتنی ہی زیادہ اس کے دل میں محبوبِ حقیقی کے حسن کی طلب شدید

ہوتی جاتی ہے، محبوب کے فراق میں وہ دن رات تڑپتا رہتا ہے۔ محبوب کی یہ عجیب شان ہے کہ، وہ اپنے عاشقوں کو ساری زندگی اپنے عشق کے درد میں تڑپاتا رہتا ہے، سچے عاشقوں کی دکھ سے بھری ہوئی یہ زندگی ایسی ہے، جس نے انہیں سراپا درد بنادیا ہے، محبوب کے فراق میں عمر بھر روتے رہنے کے باوجود وہ اپنے دل کا درد، محبوب کے سوا کسی کو نہیں سناتے، اگرچہ منتہی صوفی کو کسی حد تک تسکین حاصل ہوتی رہتی ہے، کیونکہ محبوب نے اسے نفس کی فنا کے مقام تک پہنچا کر، دوسروں کی تربیت کا کام اسکے سپرد کیا ہے، اور اس کے لئے اپنی درگاہ میں حاضری آسان فرمائی ہے۔

مذھباں دے دروازے اُچے راہ رباناں موری ہو

پنڈتاں تے ملوانیاں کولوں چھپ چھپ لنگھئے چوری ہو

اڈیاں مارن کرن بکھیڑے درد منداں دی کھوری ہو

باہو چل اتھاں ئی وسیئے جتھے دعواناں کسے ہو رہی ہو

ترجمہ: مذہب کے دروازے اونچے ہیں، جبکہ اللہ کی راہ تنگ گلی کی مانند ہے، اس گلی سے پنڈت اور ملاؤں سے چھپ کر گذرنا پڑتا ہے، دنیادار دردمندوں کو ٹھوکریں مار کر گرانے میں لگے رہتے ہیں۔ اے باہو! وہاں چل کر رہائش اختیار کرو، جہاں کسی اور کی دعویٰ کا خدشہ لاحق نہ ہو۔

تشریح:

عشق کی راہ، ایسی راہ ہے، جسمیں محبوب کیلئے تڑپتے رہنا، روتے رہنا اور محبوب کی بارگاہ میں فریاد کرتے رہنا، رحم کی نظر کی التجا کرتے رہنا، دولت ودنیا سے دستبردار ہوکر، فقر کی راہ اختیار کرکے، ساری چیزوں سے بے نیاز ہونا اور اپنے علم ووقار کی بلندی اور شان ومان کے دستبرداری کی راہ ہے، لوگ، اللہ والوں کو فقیر اور مسکین سمجھ کر انہیں نقصان پہنچاتے رہتے ہیں، وہ انہیں وقت، حالات کو نہ سمجھنے اور زمانہ سے نابلد ہونے کا طعنہ دیتے رہتے ہیں، وہ انہیں اپنی صلاحیتوں کو ضایع کرنے کا بھی طعنہ دیتے رہتے ہیں، لیکن اللہ والوں کو کسی چیز کی پرواہ نہیں، ان کی اپنی زندگی ہے، ایسی زندگی جو دعویٰ سے خالی ہے، جس میں محبوب کے سوا کسی اور کی گنجائش موجود نہیں ہے۔

میں شہباز کراں پروازاں وچ دریاء کرم دے ہو
زباں تاں میری "کن" برابر موڑاں کم قلم دے ہو

"افلاطون" "ارسطو" جیہے میرے آگے کس کم دے ہو

حاتم جیسے لکھ کروڑاں دربا ہو دے منگ دے ہو

ترجمہ: معرفت الٰہی کے طفیل، میں اللہ کا ایسا شہباز بن چکا ہوں، جو ہر دم اللہ کے لطف و کرم کے دریا میں غوطہ زن ہو، میری زبان، تاثیر کے لحاظ سے ''کن'' کی حیثیت رکھتی ہے، اور میں قدرتی قلم کے کاموں کو بھی اللہ کے حکم سے موڑ سکتا ہوں۔ افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم فلاسفر میرے سامنے کسی حیثیت کے حامل نہیں۔ یہ قربِ الٰہی کا کرشمہ ہے کہ، حاتم جیسے لاکھوں، کروڑوں سخی فقیر باہو کے در کے سوالی ہیں۔

تشریح:

اللہ کا سچا عاشق جب خالص اللہ کا ہو جاتا ہے تو وہ سراپا سونا بن جاتا ہے، سونا ایسی چیز ہے، جسے حاصل کرنے کے لئے عام افراد کا دل مچلنے لگتا ہے، وہ دولت اور دنیا حاصل کر کے، سونے کے مالک بن کر فخر محسوس کرتے ہیں، جبکہ اللہ کے عاشق اور سچے اولیاء، محبوب کی رضا میں راضی رہتے ہیں اور ''رضا باالقضا'' کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں، جہاں فکر اور فلسفے کا بڑے سے ماہر کبھی نہیں پہنچ سکتا، وہ اللہ والوں کے بلند مقام کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے، وہ زندگی بھر کی ناکام جدوجہد کے بعد بالاخر سکون قلب کی خاطر اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، ورنہ انہیں عقل کے ہاتھوں دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔

نال کوسنگی سنگ نہ کریئے کل نوں لاج نہ لایئے ہو

تمے تربوز مول نہ ہو نہ لے توڑے توڑ مکے لے جایئے ہو

کانواں دے بچے ہنس نہ تھیند توڑے موتی چوگ چگایئے ہو

کوڑے کھوہ نہ مٹھے ہوندے باہو! توڑے سئے مناں کھنڈ پایئے ہو

ترجمہ: غلط لوگوں کی دوستی سے بچنا چاہئے، ورنہ سارا خاندان رسوا ہوگا۔ کڑوا پھل کبھی میٹھا نہیں ہو سکتا، چاہے اسے توڑ کر مکے ہی کیوں نہ لے جایا جائے۔ کوے کے بچے کبھی ہنس نہیں بن سکتے، چاہے انہیں سچے موتی ہی کیوں نہ چگنے کو دیئے جائیں۔ اے باہو! جس کنویں کا پانی کھارا ہو، وہ کبھی میٹھا نہیں ہو سکتا، چاہے اسمیں سینکڑوں من شکر ڈالی جائے۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے غلط صحبت کے اثراتِ بد کا ذکر کیا ہے کہ ایسے افراد کی صحبت ان کے لئے تباہ کن ہوتی ہے۔ برائی جب مزاج میں راسخ ہو کر فرد کی پختہ عادت بن جاتی ہے، تو ایسے افراد تبدیل نہیں ہو سکتے، جس طرح کڑوا پھل کبھی میٹھا نہیں ہو سکتا، اسی طرح ایسے افراد اتنے طاقتور ہوتے ہیں کہ وہ نیکوکار افراد کو بھی (اپنی صحبت کے ذریعے) شیطانی راہ پر لے جانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ البتہ ایسے افراد میں، اگر ان کی کسی اچھی ادا کی وجہ سے اللہ اپنے فضل خاص سے ان میں توبہ واستغفار کا رجحان پیدا فرمادے اور وہ صالحوں کی صحبت اختیار کر لیں تو وہ صالح بن سکتے ہیں۔

نہیں فقیری جھلیاں مارن ستیاں لوک جگاون ہو

نہیں فقیری وہندیاں ندیاں سکیاں پار لنگھاون ہو

نہیں فقیری وچ ہوا دے مصلے پاٹھراون ہو

فقیری نام تنہاندا باہو! جیہڑے دل وچ دوست ٹکاون ہو

ترجمہ: پاگل پن کی باتیں کر کے لوگوں کو متاثر کرنے کا نام فقیری نہیں ہے، نہ ہی شور مچا کر سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کا نام فقیری ہے۔ بہتے دریا میں سے، بھیگے بغیر لوگوں کو دریا کے دوسرے کنارے پہچانے کا نام بھی فقیری نہیں ہے۔ مصلہ ہوا میں معلق کر کے نماز پڑھ کر دکھانے کا نام بھی فقیری نہیں ہے۔

اے باہو! فقیری کے رتبے پر تو وہ لوگ فائز ہیں، جو محبوبِ حقیقی کو اپنے دل میں بسا بیٹھے ہیں۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے فقیری اور درویشی کی تعریف کی ہے، کہ فقیری درد و فراق سے بے قابو ہو کر، صدائیں بلند کر کے اپنی آہ و پکار سے لوگوں کو متوجہ کرنے کا نام نہیں ہے، نہ ہی فقیری، کشف و کرامات کی صلاحیت اور ہوا میں مصلہ بچھا کر نماز پڑھنے کا نام ہے، فقیری کسی کرتب دکھانے اور دوسری دنیا کے مشاہدوں کا نام بھی نہیں ہے، فقیری تو اللہ کے دردِ عشق میں جلتے رہنے اور خود پر اللہ کے رنگ کو غالب کر کے، اسلامی شریعت پر استقامت سے چلنے کا نام ہے اور دنیا سے دستبردار ہو کر، ہر وقت متوجہ الی اللہ ہونے کا نام فقیری ہے۔ سچے اور مخلص فقیر انہی اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر کسی فقیر میں یہ اوصاف موجود نہیں، وہ چاہے ہوا میں اڑتا ہو تو وہ فقیر ہرگز نہیں ہو سکتا، فقیری تو دراصل نفسی قوتوں کو پامال

کر کے، اللہ کے وفادار اور مطیع بندے کی حیثیت سے مہذبانہ زندگی گذارنے کا نام ہے، اس کے مقابلہ میں دوسری ساری چیزیں ثانوی ہے، وہ فقیری کی ہر صورت میں علامت نہیں ہیں۔

ناں رب عرش معلیٰ اُتے ناں رب خانے کعبے ہو
ناں رب علم کتابیں لبھا نہ رب وچ محرابے ہو
گنگا تیر تھیں مول نہ ملیا مارے پینڈے بے حسابے ہو
جد دا مرشد پھڑیا باہو چھٹے سب عذابے ہو

ترجمہ :اللہ کی ذات والا صفات نہ تو عرشِ معلیٰ تک محدود ہے، نہ ہی خانۂ کعبہ تک، اس ذات تک رسائی نہ تو کتابوں سے ہو سکتی ہے، نہ ہی وہ ہستی عبادتگاہوں اور محرابوں تک مقید ہے۔ لوگوں نے اس پاک ہستی کی تلاش میں دور دراز کے سفر اختیار کئے، گنگا تیر تھ یاترا بھی کی (پھر بھی انہیں ربّ نہ ملا) لیکن اے باہو! میں نے جب سے کامل مرشد کی صحبت اختیار کی ہے، اس وقت سے میرے لئے محبوب تک رسائی کی راہ آسان ہو گئی ہے اور اس راہ میں حائل مشکلات دور ہو گئی ہیں۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، اسکی پاک ہستی کائنات کی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اسکی تجلیات کے انوار کائنات کے ذرے ذرے میں موجود ہیں، اسلئے اسے کسی خاص جگہ پر تلاش کرنا صحیح نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نہ تو کتابوں کے مطالعے سے ملتا ہے۔ نہ اوراد و وظائف سے، اللہ کا وصال تو درد عشق اور ذکر و فکر اور عبدیت کی راہ اختیار کرنے سے حاصل ہوتا ہے، دردِ عشق اور ذکر و فکر کی یہ راہ، عام طور پر کامل مرشد کی صحبت سے ہی حاصل ہوتی ہے، اس لئے باہو نے جب سے مرشد کا ہاتھ پکڑا ہے، اس وقت سے وہ اللہ کے انوار سے فیضیاب ہونا شروع ہوا ہے۔

اگرچہ کتابوں اور اوراد کی اہمیت سے انکار نہیں، کتابی معلومات سے صحیح راستہ کی نشاندہی ہوتی ہے اور کسی حد تک عبرت و موعظت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح اوراد و وظائف سے نیکی کے رجحان پیدا ہونے میں مدد ملتی ہے، لیکن درد عشق کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے نفسی قوتوں سے نجات حاصل کر کے محبوب تک رسائی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

ناں میں عالم ناں میں فاضل، ناں مفتی ناں قاضی ہو
ناں دل میرا دوزخ منگے ناں شوق بہشتیں راضی ہو

ناں میں ترہیے روزے رکھاں ناں میں پاک نمازی ہو
باہجھ وصال اللہ دے باہو! دنیا کوڑی بازی ہو

ترجمہ: میں بظاہر نہ تو میں عالم و فاضل ہوں، اور نہ ہی مفتی اور قاضی۔ اور نہ ہی میرے پیش نظر جنت و دوزخ ہے، میں تیس روزے بھی نہیں رکھتا، نہ ہی نماز کا پابند ہوں۔ اے باہو! یہ ساری باتیں اضافی ہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اللہ کے وصال کے بغیر دنیا دھوکہ اور کھیل تماشا ہے۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے اسلامی شریعت کی نفی کی ہے، جو حالتِ سکر کے غلبہ اور تیز انوار کے نزول کا اثر ہے، غیر معمولی ذکر و فکر سے عاشقوں پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب ان کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے، انہیں محبوب کی تجلیات کے علاوہ اور چیز نظر نہیں آتی، اسے وحدت والوجودی حالت بھی کہتے ہیں، یہ ہنگامی اور وقتی نوعیت کی حالت ہوتی ہے، راہ سلوک میں چلنے والے طالبوں کو اس حالت سے ہر صورت میں گذرنا پڑتا ہے، جب انوار الٰہی کے تیز نزول سے نفس کی فنائیت کا مرحلہ طے ہو جاتا ہے تو سالک کو اس حالت سے نکال کر حالت صحو اور حالت بقا میں لایا جاتا ہے۔ حالت بقا میں آنے کے بعد سالک اسلامی شریعت کے تقدس کے خلاف کوئی بات سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔

حالت سکر اور وحدت الوجودی کیفیات کے دوراں صوفی بزرگوں کی شریعت کے خلاف باتیں چونکہ معذوری کی وجہ سے ہوتی ہیں، اس لئے وہ قابل معافی ہیں، جو افراد اکابر بزرگوں کی حالت معذوری کے اس کلام کو اسلام اور اسلامی شریعت کے خلاف استعمال کرتے ہیں، وہ ملحد ہیں اور اسلامی شریعت کی رُو سے وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔

ناں میں سنی، ناں میں شیعہ، میرا دونہاں توں دل سڑیا ہو
مک سبھم خشکی پینڈے جدوں دریاء رحمت وچ وڑیا ہو
کئی من تارے تر تر ہارے، کوئی کنارے چڑھیا ہو
صحیح سلامت چڑھ پار گئے باہو! جنہاں مرشد دالڑ پھڑیا ہو

ترجمہ: میں مسلک کے اعتبار سے نہ تو سنی ہوں نہ شیعہ، بلکہ میں ان دونوں سے بلند ہوں، مذہبی تفریق کی یہ حالت، خشکی کے راستوں کی مثل ہیں۔ اللہ کے فضل سے میں جب سے رحمت کے دریاء میں غوطہ زن ہوا ہوں، خشکی کا میرا یہ سفر ختم ہو گیا ہے۔

دریائے رحمت میں تیرنے کی خواہش رکھنے والے بعض ایسے افراد ہیں، جو تیر کر دریا پار کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، بعض افراد طوفانی موجوں کی نذر ہو جاتے ہیں اور کچھ دوسرے کنارے کے قریب پہنچ جاتے ہیں، اے باہو! اس سمندر کو سلامتی سے پار کرنے میں وہی افراد کامیاب ہوتے ہیں، جو مرشد کی معیت اختیار کرتے ہیں۔

تشریح:

صوفی، فرقیواریت اور مسلکی تعصب سے بلند ہوتا ہے، اگرچہ وہ عملی طور پر کسی نہ کسی مسلک پر قائم ہوتا ہے، جس طرح حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ حنبلی مسلک سے وابستہ تھے۔ فرقہ واریت کو زک پہنچانے اور امت کو امت کے رنگ میں دیکھنے کی خاطر عارف شاعروں کے فرقہ واریت کی مذمت میں اس قسم کے کئی اشعار موجود ہیں۔

مسلک اور جماعتوں سے وابستگی بجائے خود غلط نہیں ہے، لیکن مسلکوں اور گروہوں کو امت کی تقسیم کا ذریعہ بنانا اور امت کی بجائے مسلکوں اور جماعتوں کو ہی کو مقصود سمجھنا گمراہی ہے۔

ناں اوہ ہندو، ناں اوہ مومن ناں سجدہ دین مستی ہو
دم، دم دے وچ وکھن مولا، جنہاں قضا نہ کیتی ہو
آپے دانے تے بنے دیوانے جنہاں ذات صحیح ونج کیتی ہو
میں قربان تنہاں توں باہو! جنہاں عشق دی بازی چن لیتی ہو

ترجمہ: صوفی نہ ہندو ہیں، نہ مؤمن، نہ ہی وہ مسجدوں میں سجدے کرتے ہیں، وہ تو ہر وقت محبوب کے مشاہدہ میں محو ہیں، انہیں وہ استغراق حاصل ہے، جسمیں انکی کوئی نماز قضا نہیں ہوتی، وہ ایک پل کیلئے بھی محبوب کے مشاہدہ سے غافل نہیں ہوتے، وہ ہوشمند ہوتے ہوئے بھی محبوب کی محبت میں دیوانے ہیں۔ اے باہو! میں ان پر قربان ہو جاؤں، جنہوں نے اپنے لئے عشق کی راہ اختیار کی (اور اس پر مستقل مزاج سے گامزن ہیں)۔

تشریح:

اللہ والوں کی خصوصی ادا جسمیں وہ دوسروں سے ممتاز ہیں، وہ یہ ہے کہ انکا دل ہر وقت محبوب حقیقی کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ وہ اللہ کے ذکر کو ایک لمحہ کیلئے بھی فراموش کرنے کے متحمل نہیں ہوتے، اللہ والوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ غیر مسلموں کو طنز و تشنیع کا ہر گز نشانہ نہ بنایا جائے، مسلم اور غیر مسلم کے درمیان تفریق کو نہ بڑھایا جائے، بہتر کردار واخلاق کا مظاہرہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ غیر مسلم اسلام کی راہ اختیار کریں۔

باقی جہاں تک اللہ والوں کے ہندو اور مسلمان نہ ہونے کا معاملہ ہے، تو یہ عقیدے کا مسئلہ ہے، اس لئے یہاں اسکی وضاحت ضروری ہے، اہل اللہ کو امت میں جو فضیلت حاصل ہے، وہ اس لئے ہے کہ، وہ توحید میں راسخ ہو چکے ہیں اور انکے دل سے اللہ کے سوا باقی سارے نقوش مٹ چکے ہیں، یہ ناممکن ہے کہ اہل اللہ ہندوؤں کو (جو سینکڑوں بتوں کے بچاری ہیں) انہیں کافر اور غیر مسلم نہ سمجھتے ہوں، قرآن، اللہ اور رسول کی رسالت کو نہ ماننے والوں کے خلاف غیض وغضب سے بھرا ہوا ہے، مسلمان بظاہر چاہے کتنا ہی گنہگار ہو، لیکن وہ توحید اور رسالت پر یقین رکھنے کی وجہ سے، بت پرستوں سے ہزار ہا درجہ افضل ہے۔ اس عقیدے پر قائم رہنا ہر مسلمان کیلئے ناگزیر ہے۔

صوفی سے وحدت الوجودی حالت میں ایسے کلمات سرزد ہو جائیں تو، ہوش میں آنے کے بعد وہ ان سے توبہ تائب ہوتے ہیں، لیکن عام مسلمان کو ان کی باتوں کو دہرا کر گنہگار ہونے سے احتراز کرنا چاہئے۔

ناں میں جوگی ناں میں جنگم، ناں میں چلا کمایا ہو
ناں میں جھج میستی وڑیا، ناں تسبا کھڑکایا ہو
"جو دم غافل، سو دم کافر" مرشد ایہہ فرمایا ہو
مرشد سوہنی کیتی باہو! پل وچ چا پہنچایا ہو

ترجمہ: میں نہ جوگی ہوں نہ سادھو، نہ میں نے چلے کاٹے ہیں، نہ ہی میں دوڑ دوڑ کر مسجد جاتا ہوں، میں تسبیح بھی نہیں پڑھتا، میرے کامل مرشد نے مجھے یہ راز کی بات سجھائی ہے کہ، بندے کو اپنے رب کے ذکر سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہونا چاہئے، دل کی سانسوں میں سے اگر ایک سانس بھی رب کی یاد سے غفلت میں گذری تو، تو سانس کی وہ حالت دراصل کفر کی حالت ہے۔

اے باہو! میرے کامل مرشد نے مجھ پر احسان کر کے، مجھے ذکر میں دوام کی بدولت ایک لمحہ میں منزل پر پہنچایا۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر کا کہنا ہے کہ، میرے مرشد نے مجھے اللہ کے ذکر کی دولت عطا فرمائی، اس طرح مجھے دردِ عشق میں چلنے کی راہ دکھائی، جس سے میرا دل محبوب کی یاد سے سرشار ہو گیا ہے، میں نے نہ تو چلے کاٹے ہیں، اور نہ ہی ذکر کے علاوہ دوسری زیادہ عبادت کی ہے، بس میں نے مرشد کی صحبت اور کثرت ذکر کی بدولت دردِ عشق کی راہ اختیار کی ہے، درد

عشق سے ہی مجھے محبوب کے وصال کی نعمتِ عظمیٰ حاصل ہوئی، یہاں عاشق یہ بھی کہتا ہے کہ، ''جو دم غافل، وہ دم کافر'' یعنی ہر وہ لمحہ جو محبوب کی یاد سے غفلت میں گذرے، وہ حالت کفر کے مثل ہوتا ہے۔ یہاں متوسط صوفی کی حالتِ زار کی عکاسی کی گئی ہے، جو ہر وقت ذکر و فکر اور اندر میں غوطہ زنی کے بغیر رہ نہیں سکتا، ذکر کے بغیر اسے اپنی زندگی زہر لگتی ہے۔ منتہی صوفی پر اللہ کا فضل ہوتا ہے، کہ وہ ان غیر معمولی مجاہدوں کی برکت سے ہر وقت متوجہ الی اللہ رہتا ہے۔

نفل نمازاں کم زناناں، روزے صرفہ روٹی ہو
مکے دے ول سوئی جاندلے گھروں جنہاں تروٹی ہو
اُچیاں بانگاں سوئی دیون نیت جنہاندی کھوٹی ہو
کیہ پرواہ تنہاں نوں باہو! جنہاں گھر وچ لدھی بوہٹی ہو

ترجمہ: نفل نمازیں ادا کرنا، زنانہ کام ہے، روزے صرف روٹی کی بچت کا ذریعہ ہیں، مکّے بھی صرف وہ لوگ جاتے ہیں، جنکے اپنے دل کے کعبے پر پردے پڑے ہوئے ہیں، بلند آواز سے اذان وہی دیتے ہیں، جنکی نیت میں نقص ہے، اے باہو! اللہ والوں کو ان ظاہری اعمال سے کوئی تعلق نہیں، جنکے اپنے گھر میں، یعنی دل کے اندر محبوب حقیقی موجود ہو، انہیں دوسری چیزوں کی ضرورت ہی کیا ہے؟

تشریح:

یہ شعر اسلامی شریعت کے بالکل خلاف ہے، جسکی کوئی توجیہ نہیں جا سکتی۔ شعر مسترد کرنے کے قابل ہے۔ ہمیں صوفی شاعروں سے ہزار ہا مرتبہ زیادہ، قرآن و حدیث عزیز ہیں، کاش! عارف شاعر اپنی زندگی ہی میں ایسے اشعار کو مسترد کر دیتے اور اپنے کلام کے مجموعہ سے نکال دیتے اور مریدوں کو تاکید کرتے کہ حالت سکر میں میرے کفریہ کلام کو وہ مسترد کر دیں، میں خود بھی اپنے کلام سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، اس طرح کے اشعار سے گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے اور اسلامی شریعت کا تقدس مجروح ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ امت میں اکابر بزرگوں کی عظمت ہی اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ کے سچے مطیع ہوتے ہیں، ذکر و فکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے ذریعے انہوں نے اپنے نفس کو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کا پابند بنایا ہوا ہوتا ہے اور انہیں اسلامی شریعت کا ہر حکم اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

ناں کوئی طالب ناں کوئی مرشد سب دلاسے مٹھے ہو
راہ فقر دا پرے پریرے سبھ حرص دنیا دے کٹھے ہو
شوق الاہی غالب ہو یا جند مرنے تے اٹھے ہو
باہو! جس تن بھڑکے بھاء برہ دی اوہ مرن ترہائے بھکے ہو

ترجمہ: یہاں نہ کوئی طالب مخلص ہے، نہ کوئی مرشد کامل ہے، یہاں پیری مریدی، سب جھوٹے دعوے اور دھوکہ ہیں۔ فقیری کے دعویداروں کی بھی حالت یہ ہے کہ وہ فقر سے کروڑوں میل دور ہیں، یہ حریص طالب، دنیا پر فدا ہیں، جن حقیقی عاشقوں پر اللہ کی محنت کا ذوق کا شوق غالب ہے، ان کی زندگی موت کے مثل ہے، وہ ہر دم محبوب پر فدا ہیں۔

اے باہو! جو آتشِ فراق میں جلتے ہیں، انکی بھوک پیاس ختم ہو جاتی ہے اور وہ اسی حالت میں محبوب سے وصال حاصل کرتے ہیں۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر معاشرے کی زبوں حالی کی عکاسی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ، جب افراد معاشرے سے اللہ کی طلب کرنے ختم ہو جاتی ہے تو وہاں سچے بزرگ بھی رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کا معاشرہ دنیا کی محبت اور اس کے مناظر کی صورت اختیار کر لیتا ہے البتہ کچھ سچے عاشق ہر دور میں موجود ہوتے ہیں، جو محبوب پر آخری حد تک فدا ہونے کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ لیکن فاسد معاشرہ میں درویشی کے نام پر دولت پر فدائیت کی ادائیں غالب ہوتی ہیں اور بزرگی حب مال و شہرت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ایسے معاشرہ میں بزرگی اور خلافت مذاق بن جاتی ہے خلیفوں کی ٹیمیں اس لئے پیدا کی جاتی ہیں تاکہ ان کے ذریعہ معاشرہ میں عزت و شہرت و دولت حاصل ہو۔

صوفی شاعر کا یہ شعر موجودہ دور میں اکثر اہل تصوف پر صادق آتا ہے۔

ناں میں سیر نہ پاء چھٹانکی، ناں پوری سرساہی ہو
ناں میں تولہ ناں میں ماسہ، ہن گل رتیاں تے آئی ہو
رتی ہوں واں ونج رتیاں تُلان اور بھی پوری ناہی ہو
وزن تول پورا ونج ہوسی باہو! جداں ہوسی فضل الاہی ہو

ترجمہ: اعمال صالح کے اعتبار سے تو میری حیثیت کچھ بھی نہیں، میں نہ سیر ''ہوں، نہ ''پاؤ'' میں ترازو میں تو چھٹانک کے برابر بھی نہیں ہوں۔ یہ تو وزن کے بڑے پیمانے ہیں۔ میں تو نہ ''تولہ'' ہوں، نہ ''ماشہ'' اب بات رتیوں تک جا پہنچی ہے، تو میں تو ''رتی'' بھی نہیں ہوں۔ اگر میں رتی ہوتا تو رتیوں میں تولا جاتا، رتی برابر بھی وزن نہیں، جو اسے تولا جائے یعنی میرے پاس نیک اعمال نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اے باہو! اللہ کی درگاہ میں بندے کے اعمال وزن میں اس وقت قابل قبول ہونگے، جب اس کی طرف سے اس پر خاص فضل شامل ہوگا۔

تشریح:

اس شعر میں عارف شاعر نے اللہ والوں کی بڑی نشانی بیان کی ہے، کہ اپنی ساری زندگی اللہ کے ذکر و فکر کے، مجاہدوں اور عبادت میں صرف کرنے اور اس میں فنائیت کے باوجود وہ اپنے آپ کو حقیر اور کمتر سمجھتے ہیں اور اپنے اعمال کے بارے میں انہیں یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں وہ رد نہ کر دیئے جائیں وہ زندگی بھر اس خوف سے کانپتے رہتے ہیں اور اللہ کو خوف وامید سے پکارتے رہتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ فضل خاص کا معاملہ فرمائے۔ حقیقی درویشوں پر فنائیت کا غلبہ ہوتا ہے اور اللہ کی مخلوق میں وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ سیہ کار سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ محبوب کی شان عظمت و شان نیازی سے کانپتے رہتے ہیں۔

نِت الساڈے کھلے کھاندی، ایہا دنیا زشتی ہو
دنیا کارن بہہ بہہ روون، شیخ مشائخ چشتی ہو
جیندے اندر حب دنیادی بُڈی اونہاں دی کشتی ہو
ترک دنیا تھیں قادری کیتی باہو! حاصل راہ بہشتی ہو

ترجمہ: یہ دھوکیباز ''دنیا'' ہمیشہ ہماری ٹھوکروں میں رہتی ہے اور ہم اسے لات مار کر اپنے سے دور کرتے ہیں، یہی دنیا ہے، جسکے لئے شیخ ومشائخ اور چشتی کہلانے والے خود پسند حضرات، گوشہ نشین ہو کر روتے رہتے ہیں۔ لیکن ہماری نظر میں جس دل میں دنیا کی محبت ہوگی، اس فرد کی کشتی ضرور ڈوبے گی، ایسے لوگوں کی کشتی (وہ چاہے معاشرے میں کتنے ہی بڑے بزرگوں کی حیثیت سے متعارف ہوں) سلامتی سے دوسرے کنارے پر پہنچنا ناممکن ہے۔

اے باہو! ہمارے کامل مرشد شیخ عبدالقادر جیلانی رحہ نے دنیا کو ترک کر کے جنت کی راہ اختیار کی۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ اہل اللہ دنیا کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، انکی نظر میں دولت و دنیا ذلیل ہے، جو رد کرنے کے قابل ہے، فانی دنیا، جو آنکھوں کا دھوکہ ہے، اسکی آسائش اور زیب وزینت کے سامان پر وہی لوگ فدا ہوتے ہیں، جو اسکی حقیقت سے آشنا نہیں، مادی دنیا کی رنگینیوں، اسکے پر فریب نظاروں پر حسرت کا ہونا، اور اس کی آرزو کرنا، یہ اللہ والوں کے لئے ہرگز زیبا نہیں- دنیا کے بارے میں اہل اللہ کی ہمیشہ یہی ادا رہی ہے، وہ دولتِ دنیا سے دور رہے ہیں۔ جبکہ روایتی صوفیوں کی یہ حالت رہی ہے کہ وہ دولت کے نہ ہونے کے غم میں مبتلا رہتے ہیں، بعض نامور بزرگوں کی بھی یہی حالت رہی ہے، کیونکہ دل سے دنیا کی محبت نکالنے کیلئے محض چشتی یا نقشبندی ہونا، یا شیخ المشائخ کہلانا کافی نہیں، اس کے لئے طویل عرصے تک درد عشق کی دنیا میں چلنا پڑتا ہے اور کامل رہبر کی معیت میں عرصے تک نفسی قوتوں سے جنگ کرنا پڑتی ہے- جان توڑ جدوجہد اور کامل شیخ کی طویل عرصہ کی صحبت کے بعد کہیں جا کر نفس، دنیا کی حرص وہوس سے دستبردار ہوتا ہے۔ حقیقی صوفی کو دنیا کی حرص وہوس سے بلند ہونے کیلئے ہمت اور حوصلے سے کام لینا پڑتا ہے، یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

نیڑے وسن دور دسیون ویہڑے ناہیں وڑدے ہو
اندر ڈھونڈن دا دول نہ آیا مورکھ باہروں ڈھونڈن پھردے ہو
دور گیاں کچھ حاصل ناہیں۔ شوہ لبھے وچ گھردے ہو
دل کر صیقل شیشے وانگو باہو! دور تھیوں کل پردے ہو

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہمارے قریب ہے، جب کہ وہ ہمیں دور لگتا ہے، یہ ہماری کوتاہ نظری ہے کہ ہم محبوب کو دور سمجھتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ ہم اس ذات کو اپنے اندر میں غوطہ زن ہو کر تلاش نہیں کرتے، بلکہ اسے باہر ہی تلاش کرتے ہیں، دور جانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، ہمیں ہمارا محبوب دل کے گہرائیوں میں ہی مل سکتا ہے۔ اے باہو! دل کو شیشے کی طرح صاف کرو تو سارے پردے ہٹ جائیں گے اور تمہیں محبوبِ حقیقی کے جلوے نظر آئیں گے۔

تشریح:

محبوب کے انوار دل کی گہرائی میں موجود ہیں۔ لیکن چونکہ نفسی قوتوں نے دل کو یرغمال بنادیا ہے اور دل کو شہوت اور حرص وہوس کا ذریعہ بنادیا ہے، اس لئے دل، محبوب

کے انوار کے مشاہدے سے محروم ہو چکا ہے۔ اسم ذات (اللہ) کے ذکر کی کثرت اور اپنے باطن میں مسلسل غوطہ زنی کے نتیجے میں ''دل'' نفس کے حجابات سے آزاد ہو جاتا ہے اور محبوب کے انوار صاف نظر آنے لگتے ہیں، جس سے زندگی پاکیزہ اور پُر رونق بن جاتی ہے۔

محبوب کو باہر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، اس کی تجلیات تو دل کی گہرائیوں میں موجود ہیں، اس لئے دل پر زیادہ سے زیادہ ذکر و فکر کی محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

وحدت دے دریاء اچھلے تھل جل جنگل رینے ہو
عشق دی ذات منیندے ناہیں سانگا جھل تپنے ہو
انگ بھبھوت ملیندے ڈٹھے سئے جوان لکھینے ہو
میں قربان تنہاں توں باہو! جیہڑے ہوندیاں ہمت پینے ہو

ترجمہ: وحدت کے تیز تر دریا سے جنگل، اور صحرا سیراب ہو گئے۔ دریائے وحدت کی اس فیاضی کے باوجود جو لوگ، عشقِ الٰہی سے محروم ہیں، جس کی وجہ سے انہیں سکون قلبی میسر نہیں، وہ ہمیشہ پریشانیوں اور مسائل کا شکار رہتے ہیں، وہ دل کی بیقراری دور کرنے کیلئے مادی آسائشوں کا سہارا لیتے ہیں، لیکن انہیں پھر بھی سکون نہیں ملتا، کیونکہ (دلوں کا اطمینان تو اللہ کے ذکر سے وابستہ ہے)

ہم نے حسین جوانوں کو عشقِ الٰہی میں تڑپتے اور جسم پر خاک ملتے دیکھا ہے۔ اے باہو! میں ان پر قربان ہوں، جو ہمت اور قدرت رکھنے کے باوجود مسکینی اور عاجزی اختیار کرتے ہیں۔

تشریح:

کائنات میں موجود سارا حسن محبوبِ حقیقی کے ذکر سے ہے کائنات کا ذرہ ذرہ ذکر کرتا ہے، کوئی بھی چیز ذکر سے خالی نہیں، کائنات کی اشیاء میں وحدت کا نظارہ، خود ظاہر کرتا ہے کہ کائنات، وحدت کی طرف گامزن ہے، صرف انسان ہی ہے، جو محبوب کی واضح نشانیوں اور محبوب کی بے حساب نعمتوں سے فیضیابی کے باوجود اس کے ذکر سے غافل ہے، اسی غفلت کی سزا کے طور پر انسان کو اس دنیا میں بھی مادہ پرست قوتوں کے اذیتناک تیر برداشت کرنے پڑتے ہیں، شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہونا پڑتا ہے اور دوسری دنیا میں بھی اللہ کے ذکر کی غفلت کے وجہ سے اسے ذلیل و خوار ہونا پڑیگا، اور محبوب کے جلال اور ناراضگی کا عذاب سہنا پڑے گا۔

وحدت دے دریاء اچھلے ہک دل صحیح نہ کیتی ہو
پک بتخانے جا واصل ہوئے، ہک پڑھ پڑھ رہے مستی ہو
فاضل چھڈ فضیلت بیٹھے عشق بازی جاں لیتنی ہو
ہرگز رب نہ ملدا باہو! جنہا ترٹی چوڑ نہ کیتی ہو

ترجمہ: دریائے وحدت کی پرجوش لہروں نے خشکی، تری سب کو سیراب کر دیا، اس کے فیض سے تو وہی محروم رہے گا، جو دل کی پاکیزہ صلاحیتوں سے محروم ہو گا۔ ایک تو وہ خوش نصیب افراد ہیں، جو اپنے ذوق و شوق اور استقامت کی بدولت، بتخانے (مادہ پرستی کے ماحول) میں رہتے ہوئے بھی واصل باللہ ہو گئے اور کچھ بدنصیب افراد وہ ہیں، جو درسگاہوں میں علم سے سیراب ہونے اور مسجد کے اندر رہتے ہوئے بھی اللہ کی معرفت اور قربِ حقیقی سے محروم ہیں، جب عشق کا رنگ غالب ہوتا ہے تو علم و فضل کے صاحبان اپنی فضیلت سے دستبردار ہو کر، راہِ عشق کے راہی بن جاتے ہیں۔ اے باہو! اللہ تعالیٰ ایسے بندوں سے دور ہوتا ہے، جو اپنے وجود کی نفی کی راہ پر گامزن نہیں ہوتے۔

تشریح:

یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی تجلیات سے ہی روشن ہے اور اللہ کی تجلیات کا ہر وقت نزول ہوتا رہتا ہے، لیکن وہ افراد، جو اپنے دلوں کے دروازے بند رکھتے ہیں، وہ ان تجلیات سے محروم رہتے ہیں، یہاں بت خانے سے مراد، نفس کا بتخانہ ہے، کہ سچا عاشق، نفس کو کدورتوں سے پاک و صاف کرنے کیلئے، اس نفسی بت خانے کے خلاف استقامت سے جہاد کرتا رہتا ہے، بالآخر وہ محبوبِ حقیقی تک پہنچ جاتا ہے، ایسے افراد بھی ہیں، جو نماز، روزے کی پابندی کے باوجود، نفسی قوتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے اور خالص اللہ کا ہو جانے میں ناکام ہیں۔

حالانکہ دینی علم، نماز اور مسجد سے تعلق، فرد کو اللہ کے قریب کرنے اور لایعنی چیزوں سے دوری کا ذریعہ بنتا ہے، یہاں نماز اور مسجد کی نفی کرنا یا اس کی اہمیت کم کرنا، بددیانتی ہو گی، ایسا کرنا اسلامی شعائر کی بے ادبی میں شمار ہو گا۔

صوفیوں سے حالتِ سُکر میں اسطرح کا کلام صادر ہونا، قابلِ معافی ہے، ہوش و حوَ اس کی حالت میں اسلامی احکام کی تکذیب کرنا کفر ہے۔

وحدت دا دریاء الاہی جتھے عاشق لیندے تاری ہو
مارن چھبھیاں کڈھن موتی آہو اپنی واری ہو

"دُریتم" وچ لئے لشکارے جیون چن لاٹاں ماری ہو

سو کیوں نہیں حاصل بھردے باھو! چیہڑے نوکر نیں سرکاری ہو

ترجمہ: وحدت کا دریا اتنا نفع بخش ہے کہ وہاں سچے عاشق، ہمیشہ عشق کی بازی لگاتے ہوئے تیرتے رہتے ہیں۔ وہ دریا میں غوطہ زن ہو کر نایاب موتی نکالتے رہتے ہیں، ان موتیوں میں ایک انمول موتی ''دُریتیم'' یعنی حضور پاک حضرت محمد ﷺ کی مبارک ذات بھی ہے، جو چاند کی طرح روشن اور منور ہے۔

اے باہو! اللہ کے بندے مالک کا محصول کیوں ادا نہیں کرتے، یعنی وہ اللہ کا شکر کیوں بجا نہیں لاتے؟

تشریح:

عاشقوں کا سفر ایسا ہے، جو موت تک جاری رہتا ہے، یہ سفر ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ عاشق اپنے اندر میں غوطہ زن ہو کر موتی، لعل وجواہر نکال لاتے ہیں، وہ انسانی نفسیات کی اتھاہ گہرائیوں سے آشنا ہوتے ہیں اور نفس کے اندر موجود خوفناک قوتوں سے بھی آگاہ ہوتے ہیں، عشق کی دنیا میں سفر کے نتیجہ میں انکو رسول اللہ ﷺ کی زیارت بھی نصیب ہوتی ہے اور وہ ان کے انوار سے بھی فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔ کائنات پر محبوبِ حقیقی کی وحدت اور وحدانیت کا رنگ اتنا غالب ہے کہ کائنات کی ہر شئے، محبوب کی یاد میں مصروف ہے، محبوب کی وحدانیت کے اتنے گہرے سمندر کے موجزن ہوتے ہوئے اس سے فیضیاب نہ ہونا، سب سے بڑی محرومی ہے۔

ونجن سرتے فرض ہے مینوں قول "قالوبلیٰ" دا کرکے ہو

لوک جانے متفکر ہویاں وچ وحدت دے وڑکے ہو

شوہ دیاں ماراں شوہ ونج لیساں عشق تُلہ سر دھر کے ہو

جیوندیاں شوہ کسے نہ پایا باہو! جیں لدھا تیئں مر کے ہو

ترجمہ: مادی دنیا سے واپسی میرے لئے ضروری ہے، کیونکہ میثاق کے وقت اللہ تعالیٰ سے ''قالوبلیٰ'' کا عہد کر چکا ہوں۔

اللہ کی محبت کی دنیا میں داخل ہو کر میں نے اپنے عہد پر عمل کیا ہے، لیکن ظاہر بین سمجھتے ہیں کہ شاید میں مشکلات سے گھبرا گیا ہوں، وحدت کے عمیق دریاء میں جو خطرات اور مشکلات پیش آئینگی، میں ہمت حوصلے سے ان کا مقابلہ کرونگا، کیونکہ میں نے اس دریا میں

تیرنے کیلئے عشق کو اپنی کشتی بنالیا ہے۔ اے باہو! محبوب کا وصال، زندگی میں کسی کو نہیں ہوا، جسے بھی حاصل ہوا، مرنے کے بعد ہی ہوا ہے۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر کا کہنا ہے کہ، مجھے ہر صورت میں ''قالوبلیٰ'' کے وعدے کو پورا کرنا ہے (یعنی کہ ہمارا حقیقی رب اللہ تعالیٰ ہے) اسی رب کی معرفت حاصل کرکے، نفسی قوتوں کو فنا کرنا ہے، نفسی قوتوں کی فنائیت کے بغیر رب کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، اسلئے محبت کے دریا میں داخل ہو کر، مجھے وحدت کے اس سمندر کا حصہ بننا ہے۔ جب تک نفسانی خواہشیں طاقتور ہیں اور نفس کی قوت توانا ہے، اس وقت تک محبوب نہیں ملتا، اور محبوب کی رضا کا مقام بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

محبوب کا وصال موت کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ نفس کی کامل فنائیت کے بعد ہی محبوب سے دل کا رشتہ مستحکم ہوتا ہے، موتوا قبل ان تموتوا۔ خواہشات کی فنائیت کے بعد ہی محبوب کی رضا والی کی زندگی عطا ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آنکھوں سے محبوب کی زیارت موت کے بعد ہی خوشنصیب انسانوں کو حاصل ہوتی ہے۔

ویہہ ویہہ ندیاں تارو پہوئیاں بلبل چھوڑے کاہاں ہو

یار اساڈا رنگ محلیں، درتے کھلے سکایاں ہو

ناں کوئی آوے ناں کوئی جاوے اسیں کیں ہتھ لکھ بھجواہاں ہو

بے خبر جانی دے آوے باہو! کھل کلیوں، پھل تھواہاں ہو

ترجمہ: ندیوں کے پانی نے کناروں سے نکل کر خشکی کو سیراب کر دیا، اب ہر جگہ پانی ہی پانی نظر آتا ہے، اس موسم میں بلبل نے بھی نغمہ سرائی چھوڑ دی ہے۔ ہمارا محبوب تو بلند تر ہے، ہم تو اس کی ایک جھلک کے مشاہدہ کے لئے ترستے رہتے ہیں، حالت یہ ہے کہ نہ تو کوئی وہاں سے آتا ہے، نہ جاتا ہے، اس صورت میں اپنے دکھی دل کی فریاد کس کے ہاتھ لکھ کر بھیجوں۔ اے باہو! ہجر و فراق نے زخمی کر دیا ہے، ایسے میں اگر محبوب کی بات سامنے آئے تو دل کی کلیاں کھل کر پھول بن جائیں۔

تشریح:

ان اشعار میں عاشق کی ان ادلتی بدلتی کیفیات کی عکاسی کی گئی ہے، جس سے وہ راہ سلوک کے عرصے اور خود فناء الفنا کے دوران دوچار ہوتا ہے، کبھی وہ سفر کی ٹھکاوٹ سے

اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے تو کبھی وہ بے حد مسرت محسوس کرتا ہے، عاشق کی زندگی ان دونوں کیفیات سے عبارت ہوتی ہے، محبوب کے جلال وجمال کے نظارے دیکھ کر وہ محو حیرت ہو جاتا ہے، اسے سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ان اعصاب توڑ حالات کی فریاد، محبوب کے سامنے کسطرح بیان کرے، چونکہ، محبوب بے نیاز ہستی ہے، وہ طالب کو عرصے تک ان کیفیات میں مبتلا کر کے، اس کے صبر کا امتحان لیتا رہتا ہے، جب کہ طالب محبوب کے لئے تڑپتا رہتا ہے، لیکن سالک جب تک محبوب کے سامنے مکمل طور پر خود سپردگی اختیار نہیں کرتا، اس وقت تک اس سفر میں اس طرح کے نشیب وفراز کے بغیر چارہ کار نہیں۔

"ہو" داجامہ پہن کراہاں اسم کماون ذاتی ہو

کفر اسلام مقام نہ منزل ناں اوتھے موت حیاتی ہو

شاہ رگ تھیں نزدیک لدھو سے، پا اندرونی جھاتی ہو

اوہ اساں وچ، اسیں انھاں وچ باہو! دور رہی قرباتی ہو

ترجمہ: اللہ والے ''ہو'' کا لباس پہن کر اسم ذات (اللہ) کے ورد میں مصروف ہیں ''ہو'' کا مقام، وہ مقام ہے، جہاں نہ کفر ہے نہ اسلام، نہ مقام ہے نہ منزل، نہ وہاں موت اور حیات ہے۔

اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کیلئے انکی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، ہم نے اسے اپنے اندر میں ڈوب کر پایا ہے۔ اے باہو! وہ ہمارے اندر موجود ہے اور ہم اس میں ہیں، ہم اس ہستی کا حصہ ہیں، یہ وہ مقام ہے جہاں، دوری، نزدیکی، فاصلے اور قربتیں سب مٹ جاتے ہیں، صرف اللہ کی ذات باقی رہتی ہے۔

تشریح:

عاشق مجاہدوں کے ذریعہ ایسے مقام پر پہنچتا ہے، جہاں ''من وتو'' کے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور اسے محبوب کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آتا، لیکن یہ مقام مسلسل مجاہدوں کے ذریعہ ہی حاصل ہوتا ہے، اس کو ''وحدت الوجود'' کی حالت بھی کہتے ہیں۔ پھر طالب جوں، جوں، آگے بڑھتا ہے، وہ فنا کی حالت سے حالت بقا میں آتا ہے، تو اسے محبوب کے علاوہ دوسری چیزوں کا وجود بھی نظر آنے لگتا ہے، لیکن اشیائے کائنات میں، اصل قادر مطلق ہستی، اللہ تعالیٰ کی ہی نظر آتی ہے، صوفیوں کے کلام میں اس مقام کا ذکر زیادہ ملتا ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ اکابر صوفیوں کو کمال تک پہنچنے کے لئے زندگی کا طویل عرصہ مجاہدوں میں صرف کرنا پڑتا ہے، محبوب کو جن سے زیادہ کام لینا ہوتا ہے، ان کے مجاہدے بھی زیادہ شدید ہوتے ہیں، ان پر فنائیت کی حالت بھی زیادہ عرصہ تک طاری رہتی ہے۔

ہک جاگن، ہک جاگ نہ جانن ہک جاگدیاں ہی ستے ہو

ہک ستیاں ہی جا واصل ہوئے ہک جاگدیاں ہی مٹھے ہو

کیہ ہو یا جے گھگھو جاگے، جھیڑا لیندا ساہ اپٹے ہو

میں قربان انھاں توں باہو! جنہاں کھوہ پریم دے جتے ہو

ترجمہ: کچھ افراد ایسے ہیں، جنہیں عشق الٰہی نیند کرنے نہیں دیتی اور کچھ ایسے ہیں جو کوشش کے باوجود بھی جاگ نہیں سکتے، اور کچھ ایسے بھی ہیں، جو جاگنے کے باوجود گویا حالت نیند میں ہوتے ہیں اور ان پر ہر وقت غفلت کی نیند طاری ہوتی ہے، کچھ خوشنصیب افراد ایسے ہیں، جو نیند کی حالت میں بھی واصل باللہ ہوتے ہیں، اور کچھ محروم افراد ایسے ہیں، جو اپنی نیند سے محروم ہو کر بھی جاگتے ہیں، اسکے باوجود بھی وہ وصال سے محروم رہتے ہیں۔

جس کا دل عشق سے محروم ہے، اسمیں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا سونا جاگنا برابر ہے، محبوب کی محبت کے بغیر زندگی میں کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اے باہو! میں ان پر قربان جاؤں، جو محبوب کے کنویں سے سیر ہو کر پانی پیتے ہیں۔

تشریح:

یہاں مختلف قسم کے لوگوں کے حالات کی عکاسی کی گئی ہے، دنیا میں اکثریت تو ایسے لوگوں پر مشتمل ہے، جو محبوب کی راہ پر چلنے کیلئے تیار ہی نہیں اور وہ نفس پرستی کی قوتوں سے بلند ہونے کے لئے آمادہ ہی نہیں۔ کچھ ایسے افراد بھی ہیں، جو عشق کے دریا میں داخل ہوئے بغیر، اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ایسے افراد بھی اگرچہ قابل قدر ہیں، لیکن دل میں محبوب کیلئے بے تابی کے بغیر صرف رسمی عبادت سے، ''معرفتِ ربّ'' اور ''معرفتِ نفس'' حاصل نہیں ہو سکتی اور اس طرح کی رسمی عبادت سے زندگی میں فیصلہ کن تبدیلی برپا کرنے اور محبوب کی مرضی کے مطابق زندگی گذارنے کی استعداد پیدا نہیں ہوتی۔ کچھ افراد ایسے ہیں جو حالت فنا سے پہلے ہی بزرگ بن بیٹھتے ہیں۔

جب افراد کے دل میں عشق کی چنگاری سلگنے لگتی ہے تو، اس کے بعد ہی انکی زندگی میں حقیقی انقلاب برپا ہوتا ہے، اور محبوب کیلئے بے تابی بھی پیدا ہوتی ہے، تو سیرت وکردار میں پاکیزگی بھی۔

ہک دم سجن تے لکھ دم ویری ہک دم مارے مردے ہو

ہک دم پچھے جنم گنوایا چور بنے گھر گھر دے ہو

لائیاں دا اوہ قدر کی جانن جہیڑے محرم ناہیں سردے ہو

سو کیوں دھکے کھاون باہو! جہیڑے طالب سچے دردے ہو

ترجمہ: ہمارا محبوبِ ایک ہی ہے، جب سے میں نے اسے محبوب بنایا، ہمارے لاکھوں دشمن پیدا ہو گئے ہیں، جو ہمیں محبت کی اس راہ سے ہٹانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

اس سب کے باوجود ہم محبوب کے مجاہدوں میں مصروف ہیں اور اس مقصد کیلئے ہم نے پوری عمر صرف کر دی اور محبوب کے حصول کیلئے در در بھٹکتے اور چوروں کی طرح چھپتے رہتے۔ وہ عشق کی قدر و قیمت کیا جانیں، جن پر عشق کے اسرار نہیں کھلے۔

اے باہو! جو سچے در کے طالب ہیں، وہ دھکے کیوں کھائیں۔

تشریح:

اس شعر کے پہلے حصے میں متوسط صوفی کے حالات کی عکاسی کی گئی ہے کہ وہ، محبوب کے عشق میں بے تاب رہتا ہے، اسے نہ دن کو سکون حاصل ہوتا ہے، نہ رات کو، وہ ہر وقت ذکر و فکر کی ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف ہو کر، محبوب کی راہ پر رواں دواں رہتا ہے۔

اس نے جب سے محبوبِ حقیقی کو اپنا مقصود بنایا ہے، اس وقت سے ساری نفسانی اور شیطانی قوتوں نے اسے نشانہ بنایا ہے، یہ قوتیں اپنے سارے ساز و سامان سے اس پر حملہ آور ہو کر، اسے محبوب کی راہ سے دور کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ عاشق کو تو اندازہ ہی نہ تھا کہ محبوب کی راہ پر چلنے کے نتیجے میں اسے اس طرح کے طاقتور دشمنوں کا سامنا ہو گا۔ اس طرح عاشق طویل عرصہ تک نفس، شیطان اور مادی قوتوں سے معرکہ آرائی میں رہ کر تھک جاتا ہے، لیکن محبوب حقیقی اس کے حوصلہ کو دیکھکر، اسے سہارا دیتا رہتا ہے، اور اسے گرنے سے بچا کر استقامت سے محبت و معرفت کی راہ پر گامزن رکھتا ہے۔

ہر دم شرع دی تند تروڑے جاں ایہہ چھودک بلے ہو

کچرک بالاں عقل دا دیوا مینوں برہوں ہنیری جھلے ہو

اجڑ گیاں دے بھیند نیارے لکھ لعل جواہر رلے ہو

دھوتیاں داغ نہ لھندے باہو! جہیڑے رنگ مجھٹھی دھلے ہو

ترجمہ: جب عشق اپنے عروج پر پہنچتا ہے، تو سارے حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ میرے سامنے ہجر و فراق کا جو طوفان اور اندھیرا موجود ہے، اسمیں بھلا عقل کا دیا کب تک کام دے سکتا ہے؟

اجڑے ہوئے لوگ (جنہوں نے راہ سلوک میں اپنی ساری قوتوں جھونک دی ہیں) کے حالات نرالے ہیں یہی افراد ہیں، جنہوں نے راہِ عشق میں اپنا مال و متاع، عزت و حرمت بلکہ، اپنی ہستی بھی فنا کر دی ہے، لاکھوں لعل و جواہر اس راہ کی نذر ہو گئے۔ اے باہو! حقیقی عشق کا رنگ اتنا پختہ ہے کہ، مسلسل دھونے کے باوجود وہ مٹ نہیں سکتا۔

تشریح:

عشق ایسی چیز ہے، جہاں لوگوں کے طنز و طعنے کے احساسات ختم ہو جاتے ہیں، محبوب کی محبت فرد کو لوگوں کی باتوں سے بے نیاز کر کے محبوب کے لئے شب و روز مجاہدوں میں مصروف رکھنے پر مجبور کرتی ہے، طالب اس حدیث شریف کے مصداق ہوتا ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر اس قدر کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہیں۔ شعر کے دوسرے حصہ میں عقل کے حوالے سے یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ ہجر و فراق کے طوفان کی لہریں جب آتی ہیں تو عقل کا دیا کام نہیں دیتا، عشق میں تو محبوب حقیقی کی ذاتی روشنی ہی کام دیتی ہے اور وہ روشنی ہی طالب کو ایک مقام سے دوسرے مقام اور دوسرے مقام سے تیسرے مقام تک لے جاتی ہے۔ ہجر و فراق کی لہریں عقل کو بہا کر لے جاتی ہیں، حقیقی عشق کا رنگ اتنا مستحکم ہوتا ہے کہ وہ مٹنے کا نام ہی نہیں لیتا، سچا طالب عشق کی راہ پر گامزن ہونے کے بعد دوسرے رنگوں سے متاثر نہیں ہوتا، طالب راہ عشق میں اپنی ہر چیز قربان کرتا ہے، اور روزانہ موت کے سے حالات سے دوچار ہوتا ہے۔ ذبح کئے جانے جیسی یہ حالتیں برداشت کرنا، ہر سالک کے بس کی بات نہیں ہے۔ عشق کے ہزاروں دعویدار، راہ کی یہ مشکلیں دیکھکر فرار اختیار کر جاتے ہیں، کچھ سچے عاشق باقی رہتے ہیں، جو نفس اور مادی قوتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بالآخر محبوب کا وصال اور قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

ہسن دے کے رو ون لیوئی تینوں دتا کس دلاسا ہو

عمر بندے دی اینویں وہانی جیویں پانی وچ پتاسا ہو

سوڑی اسامی سٹ گھتسن پلٹ نہ سکیں پاسا ہو

تیتھوں صاحب لیکھا منگسی باہو! رتی گھن نہ ماسا ہو

ترجمہ: اے ناشکر گذار بندے! تونے بہشت کی نعمتیں صرف نظر کرکے، دنیا کو مقصود بنایا ہے، اس طرح تم نے ہنسنے کی بجائے رونا خرید لیا ہے، آخر تمہیں اس مادی زندگی پر کس چیز نے فریفتہ کیا ہے؟

دنیا میں انسانی زندگی کی مثال پانی میں بتاشہ کی طرح ہے، اے بندے، تم تنگ قبر میں اسطرح ڈال دیئے جاؤ گے کہ وہاں کروٹ بھی نہ لے سکو گے۔ اے باہو، اللہ تم سے ہر عمل کا حساب لے گا اور تمہاری نیکی اور بدی کے وزن میں رتی اور ماشے کے برابر بھی کمی نہ ہو گی۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر دنیا کی بے ثباتی اور قبر کی تنگی اور آخرت کی تیاری کی باتیں یاد دلا کر غافل انسان کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخرت کی زندگی میں ہر عمل کی پرستش ہو گی، اس لئے دانشمندی یہی ہے کہ موت سے پہلے موت کے بعد کی زندگی کی تیاری کی جائے۔

ہور دوانہ دل دی کاری کلمہ دل دی کاری ہو

کلمہ دور زنگار کریندا کلمے میل اتاری ہو

کلمہ ہیرے، لعل جواہر، کلمہ ہٹ پساری ہو

ایتھے اوتھے دو نہیں جہانیں باہو کلمہ دولت ساری ہو

ترجمہ: دل اور نفس کی جملہ بیماریوں کی حالت میں کوئی دوا کارگر نہیں، ''کلمۂ طیب'' ہی دل کے سارے امراض کی مؤثر اور مجرب دوا ہے، کلمہ، دل سے زنگ ہٹا کر اسے پاک وصاف کرتا ہے، کلمۂ طیب اپنی قدر وقیمت کے لحاظ سے ہیرے، لعل جواہرات کے پنساری کی دکان کی مثل ہے۔ اے باہو! دنیا اور آخرت، دونوں جہانوں میں کلمۂ طیب ہی سب سے بڑا خزانہ ہے۔

تشریح:

حدیث مبارکہ ہے کہ ''افضل الذکر لاالہ الا اللہ'' (سب سے افضل ذکر لاالہ الااللہ ہے) اس ذکر کی تکرار سے نفس میں موجود گندگی کی صفائی ہو جاتی ہے اور فرد کی ساری

زندگی اللہ کے لئے مختص ہو جاتی ہے۔ تصوف کے سارے سلسلوں میں اللہ کے ذکر کے ساتھ لاالہ الااللہ کے ذکر کی بھی تلقین کی جاتی ہے۔

ہکی، ہکی پیڑ کولوں، عالم کوکے، عاشقاں لکھ، لکھ پیڑ سہیڑی ہو

جتھے ڈھن، رڑھن داخطرہ ہووے کون چڑھے اس بیڑی ہو

عاشق چڑھدے ناں صلاحاں دے اوتھاں نار کپر وچ بھیڑی ہو

جتھے عشق پیا تلدا نال رتیں دے باہو، اوتھے عاشقاں لذت نکھیڑی ہو

ترجمہ: اہل دنیا کی حالت یہ ہے کہ ذرا سی تکلیف میں وہ آہ وفریاد کرنے لگتے ہیں، جبکہ، اللہ کے عاشقوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اس طرح لاکھوں درد وغم اپنے دل میں چھپائے رہتے ہیں، اور وہ زبان سے شکایت کا ایک حرف بھی نہیں لاتے۔ بھلا اس کشتی پر کون سوار ہو گا، جس کے ڈوبنے کا خطرہ ہو۔ یہ عاشقوں کی شان ہے کہ وہ دل کی چاہت اور اپنی رضامندی سے اس کشتی پر سوار ہوتے ہیں اور اللہ کی توکل پر اس کشتی کو پانی کی گہرائیوں میں لے جاتے ہیں، انہیں کشتی کے ڈوبنے کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا، اے باہو! جہاں عشق کی رتی، رتی کو بھی تولا جاتا ہو، وہاں عاشقوں کی لذت کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہے۔ انکے لئے یہ بات ہی مسرت کا موجب ہے کہ، محبوب کے ہاں انکی محنت رائیگاں نہیں ہو گی، اخلاص اور کامل حالت ایمان سے کی گئی ان کی عبادت کا ذرہ بھی ضایع نہیں ہو گا۔

تشریح:

اہل دنیا کو دنیا کی محبت، اور اسکے حصول کی خواہش ہر وقت بے چین رکھتی ہے، خواہش کے مطابق دولت نہیں ملتی تو ان کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں اور معمولی مصیبت اور تکلیف سے وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

جب کہ، اللہ والوں کو صرف ایک ہی پریشانی لاحق ہوتی ہے، کہ کہیں ان سے محبوب ناراض نہ ہو جائے، روٹھ نہ جائے، اور اپنے انوار حسن سے محروم نہ کردے، یہی غم انہیں عمر بھر بے تاب رکھتا ہے اور اسی درد سے وہ زندگی بھر تڑپتے رہتے ہیں، عاشق، محبوب سے امید رکھتے ہیں کہ عشق کی بدولت، وہ انہیں ضایع ہونے سے بچائے گا اور انکی محنت کو قبول کرکے، اپنے وصال کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمائیگا۔

عاشقوں پر امید کا پہلو زیادہ غالب ہوتا ہے۔ اس وقت ان کی مسرت بے پناہ ہوتی ہے اور وہ ایسی حلاوت سے سرشار ہوتے ہیں، جس حلاوت کا اہل دنیا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

یار یگانہ ملسی تینوں جے سردی بازی لائیں ہو
عشق اللہ وچ ہو مستانہ ہو، ہو سدا الائیں ہو
نال تصور اسم اللہ دے، دم نوں قید لگائیں ہو
ذاتے نال جاں ذاتی رلیا، تد باہو نام سدائیں ہو

ترجمہ: تمہارا بے مثل، یگانہ محبوب نرالی شان کا مالک ہے، وہ تمہیں مل کر رہے گا، شرط یہ ہے کہ تم اس کیلئے اپنے سر کی بازی لگاؤ، تم عشقِ الٰہی میں سرشار ہو کر، ہر وقت ''ہو، ہو'' کا ذکر کرتے رہو، اور اللہ کے نام کو دل کے اندر سے نکلنے والی اور آنے والی سانس میں جاری رکھو، اس سے ایک خاص کیفیت پیدا ہو گی، تمہاری ذات واصل باللہ ہو گی، اس وقت ہی تم ''باہو'' کہلانے کے مستحق ہو گے۔

تشریح:

یہاں عارف شاعر نے، عشق کے سفر کے اختتام کی نشاندہی کی ہے۔ یہ سفر محبوبِ حقیقی کے اسمِ ذات یعنی ''اللہ'' کے ذکر کے ذریعہ ہی طئے ہو سکتا ہے۔ ''ہُو ہُو'' دراصل اللہ کی طرف اشارہ ہے، یعنی یا اللہ! تمہاری ذات ہی میرا مقصود ہے، یہی میری زندگی کا نصب العین ہے۔ کثرتِ ذکر کے نور کے ذریعے نفسی قوتیں مضمحل ہوتی ہیں اور محبوب، دل میں رچ بس جاتا ہے۔ اور دل پر اللہ کا رنگ غالب رہنے لگتا ہے، اس طرح دل پر اللہ کی معیت کا احساس مستحکم ہوتا ہے، پھر بندے کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی کام سرانجام دیتے وقت، اللہ کی رضامندی کے سوا دوسرے خیالات مغلوب رہتے ہیں۔

دین کا مقصود بھی یہی ہے، کہ اللہ کی یاد غالب رہے، متوجہ الی اللہ ہونے کا ملکہ راسخ ہو، تاکہ تقویٰ حاصل ہو، اور محبوب کے احکامات پر عمل پیرا ہونے اور اسکی شریعت پر چلنے میں آسانی ہو۔

عشق کے سفر کی نشاندہی پر کلام کا اختتام ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی راہ محبت میں چلانے اور اس راہ کی مشکلات کو آسان بنانے کی صورت پیدا فرمائے۔